تجلیاتِ ربانی

ترجمہ و تلخیص

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ

حصۂ دوم

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کے
دوسرے اور تیسرے دفتر کی تلخیص و ترجمہ

جن میں —— تصوف و احسان، تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت، احیاء سنت و امحاء بدعت کی ترغیب و تلقین اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جس نے گذشتہ ۳، ۴ صدیوں میں امتِ مصطفویہ کے حق میں "میر کارواں" کا کام انجام دیا ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ صدیوں میں بھی اس سے امت کو ہدایت ملتی رہے گی۔

تلخیص و ترجمہ
از:- مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ناشر: کتب خانہ الفرقان ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

بار اول .... ایک ہزار

تاریخ اشاعت ...... جولائی ۱۹۷۸ء

کتابت .... ظہور احمد لکھنوی

طباعت .... نامی پریس لکھنؤ

باہتمام .... محمد حسّان نعمانی

قیمت

گیارہ روپے پچاس پیسے

ناشر

کتب خانہ الفرقان ۳۱- نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

۲۲۶۰۰۱

فہرست مکاتیب "تجلیات ربانی حصہ دوم"

ترجمہ و تلخیص
مکتوبات مجددؒ الف ثانیؒ

مکتوبات دفتر سوم

پیش لفظ

از محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس کتاب "تجلیات ربانی" کا پہلا حصہ اب سے تقریباً سوا دو سال پہلے (۱۳۹۶ھ م ۱۹۷۶ء) کے اوائل میں شائع ہو گیا تھا۔ اس عاجز راقم سطور کی خواہش اور "کتب خانہ الفرقان" کے کارکنوں کی کوشش تھی کہ دوسرا حصہ حتی الامکان جلدی ہی شائع کر دیا جائے۔ لیکن اُن مشکلات اور موانع کی وجہ سے جن پر قابو نہیں پایا جا سکا وہ اب تیاری کی منزل کے قریب پہنچ سکا۔

ناظرین کو مولانا نسیم احمد فریدی صاحب کے مقدمہ سے (جو پہلے حصہ کے ساتھ شائع ہوا ہے) بہ تفصیل معلوم ہو چکا ہے کہ امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات تین ضخیم دفتروں میں تقسیم ہیں ——

دفتر اول۔ "دُرّ المعرفت" جو تین سو تیرہ (۳۱۳) مکاتیب پر مشتمل ہے جو مشہور روایت کی بنا پر اصحاب بدر کا عدد ہے۔

دفتر دوم "نور الخلائق" جس میں (اسماء حسنیٰ کے عدد کے مطابق) ننانوے مکاتیب ہیں۔

دفتر سوم "بحر المعارف" جس میں ایک سو چودہ (۱۱۴) مکاتیب ہیں اور یہ قرآن مجید کی سورتوں کا عدد ہے۔

مولانا فریدی کے اُس مقدمہ ہی سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ "تجلیات ربانی" میں تینوں دفتروں کے اُن مکاتیب کو چھوڑ کر جن کو صرف اہل معرفت اور اصحاب قلوب ہی سمجھ سکتے ہیں (اور وہی ان کے مخاطب ہیں) باقی تمام مکاتیب کو تلخیص کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ زبان امام ربانی کے مقام تجدید اور پیغام ہدایت کے مطابق پُر وقار اور پُر تاثیر ہو۔

پہلے حصہ میں صرف دفتر اول کے مکاتیب کی تلخیص مکمل ہوئی تھی، دفتر دوم اور دفتر سوم کے مکاتیب کی تلخیص اس دوسرے حصہ میں پیش کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور امت محمدیہ کی اصلاح و ہدایت کا وسیلہ بنائے۔

راقم سطور نے پہلے حصہ کے تعارفی پیش لفظ کے بالکل شروع میں مکتوبات امام ربانی کے بارہ میں

چند سطریں لکھی تھیں، اس حصہ دوم کے اس تعارف میں اُن سطروں کو پھر دہرانا اور اُنہی کو اس کا خاتمہ قرار دینا مناسب سمجھا ہے ——— میں نے لکھا تھا

بلا شبہ قرآن پاک اور احادیث نبویہ کے مجموعوں کے بعد ہدایت و اصلاح کا سب سے موثر مواد وہ ہے جو اُن اکابر امت کی تالیفات اور مکتوبات و ملفوظات میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قلب و قالب اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا خاص مقام عطا فرمایا تھا ——— اور بلا شبہ پورے اسلامی اور اصلاحی ادب میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے ——— ان میں احسان و تصوف، تعمیر باطن و تزکیۂ نفس و قلب، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت، احیاء سنت و انکار بدعت کی ترغیب و تلقین اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جس کی صدائے بازگشت نے گزشتہ تین چار صدیوں میں امت مصطفویہ کے حق میں میر کارواں کا کام انجام دیا ہے اور ان شاء اللہ آنے والی صدیوں میں بھی امت کو اس سے ہدایت و رہنمائی ملتی رہے گی ———

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس مجددی ذخیرۂ ہدایت کی قدر اور اُس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے ——— والحمد للہ رب العالمین وسلامٌ علی المرسلین والعاقبۃ للمتقین ٥

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ (لکھنؤ)

۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

(۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء)

انتخاب وتلخیص از دفتر دوم مکتوبات امام ربانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب (۹) مولانا محمد عارف خُتنی کے نام

[کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے بیان میں]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— مولانا محمد عارف خُتنی کو چاہیے کہ پہلے تمام معبودان باطل کی نفی کر کے بعدہٗ معبودِ برحق کا اثبات کریں اور جو کچھ بھی کیفیت وکمیت کے داغ سے داغدار ہے اُس کو لا کے تحت داخل کر کے خدائے بیچوں پر ایمان لانے کی دولت حاصل کریں۔ لا الٰہ الا اللہ کے اندر کامل وجامع طریقے پر نفی واثبات ہے (اسی باعث) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ (تمام ذکروں میں افضل واعلیٰ ذکر لا الٰہ اللہ ہے) اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور اُن آسمانوں کے آباد کرنے والے فرشتے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا (زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے) جُھک جائے گا ——— یہ کلمہ کیسے افضل اور وزنی نہ ہو جبکہ اس کا پہلا جزو (لا الٰہ) تمام ماسوی کی نفی کرتا ہے خواہ وہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں، عرش وکرسی ہوں یا لوح وقلم ہوں عالَم ہوں یا آدم ——— دوسرا جزو (الا اللہ) معبودِ برحق کو ثابت کر رہا ہے جو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے ——— حق تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ آفاق سے ہو یا اَنفُس سے وہ سب کا سب کیفیت وکمیت کا داغ اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس جو کچھ بھی آفاق وانفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہو گا وہ بدرجۂ اولیٰ کیفیت وکمیت سے متصف ہو گا جس کی نفی ضروری ہے۔ ہمارا معلوم وموہوم اور ہمارا مشہود ومحسوس سب کا سب کیفیت وکمیت کی صفت سے موصوف اور حدوث وامکان کے

عیب سے معیوب ہے۔ اس لیے کہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا ہی تراشیدہ ہے۔ ہمارا علم جس تنزیہ سے تعلق رکھتا ہے وہ بعینہٖ تشبیہ ہے تنزیہ نہیں ـــــ اور جو کمال ہمارے فہم کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے وہ نقصان ہے کمال نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر مکشوف ہوتا ہے وہ غیر حق ہوتا ہے اللہ تعالےٰ اُس سے بالاتر ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے کلام کی حکایت کی گئی ہے انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (کیا تم اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کو بھی ہمارا تراشا ہوا خواہ وہ ہاتھ سے تراشا ہوا ہو کہ عقل و وہم سے سب مخلوق ہے شایان عبادت نہیں ہے۔ شایانِ عبادت تو وہ خدائے بیچون و بیچگونہ ہے کہ جس کے دامنِ ادراک سے ہمارے عقل و وہم کا ہاتھ عاجز و کوتاہ ہے اور ہمارا دیدہ کشف و شہود جس کے عظمت و جلال کے شہود سے خیرہ ہے ـــــ لامحالہ خدائے بیچوں و بیچگونہ پر ایمان نصیب نہ ہوگا مگر بطریق غیب

مکتوب (۱۵) سادات شہر سامانہ اور وہاں کے قاضیوں اور باشندوں کے نام۔

[وہاں خطیب نے عید الضحیٰ کے خطبے میں خلفاء راشدینؓ کے اسماء ذکر نہیں کیے تھے اس پر اظہار ناراضگی۔]

سامانہ کے سادات عظام، قاضیانِ کرام اور تمام باشندوں کو لکھتا ہوں کہ ـــــ سُنا گیا ہے کہ وہاں کے خطیب نے عید قرباں کے خطبے میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر کو ترک کیا اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں پڑھا۔ اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ جب ایک جماعت نے (بعد کو) اُس خطیب کی اس حرکت پر اعتراض کیا تو اُس نے یہ عذر پیش نہیں کیا کہ سہو و نسیان سے ایسا ہو گیا بلکہ وہ (جواب میں) سرکشی کے ساتھ پیش آیا۔ اور کہا کہ اگر خلفائے راشدین کے نام ذکر نہیں کیے گئے تو کیا گناہ ہو گیا؟ یہ بھی سُنا گیا ہے کہ سامانہ کے بڑے بڑے آدمیوں اور عام باشندوں نے اس بارے میں نرمی برتی اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آئے۔ ع

وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے

ذکر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اگرچہ شرائط خطبہ میں سے نہیں ہے لیکن پھر بھی اہل سنت کے شعائر و علامات میں سے ہے اُن کا ذکر قصداً سرکشی کے ساتھ وہی شخص ترک کرے گا جس کا دل مریض

اور جس کا باطن خبیث ہے اگر ہم فرض کر لیں کہ اس نے تعصب و دشمنی کی بناء پر اُن کے ناموں کو ترک نہیں کیا لیکن وہ (حدیث) من تشبہ بقوم فھو منھم کا کیا جواب دے گا ؟ (جس کا مطلب یہ ہے کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے اُنھیں میں سے ہوتا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تہمت کی جگہوں سے پرہیز کرو" (اس حدیث پر عمل نہ کرکے) وہ مقام تہمت سے کیسے خلاصی پائے گا؟

—— اگر حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کے مقدم کرنے اور فضیلت دینے میں وہ خطیب تامل کرتا ہے پھر تو وہ اہلِ سنّت کے راستے کو چھوڑنے والا ہے۔ اور حضرات ختنین (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کی محبت میں اُس کو تردد ہے تو بھی وہ اہلِ حق سے خارج ہے، اس خطیب کو سمجھانا چاہیے کہ حضرات شیخینؓ کی فضیلت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے چنانچہ اس اجماع کو اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اُن ائمہ میں سے ایک امام شافعیؒ بھی ہیں —— امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی ہے —— ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ سے تواتر کے ساتھ یہ روایت ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے دار الخلافت میں اپنے متبعین کے مجمع کثیر کے سامنے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تمام اُمت میں افضل ہیں۔ پھر ذہبیؒ نے کہا ہے کہ اسّی سے اوپر راویوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت کی ہے —— اور بخاری نے روایت کیا ہے جن کی کتاب، کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں بہتر ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں پھر ایک اور شخص —— حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے عرض کیا پھر آپ ہیں تو فرمایا کہ میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔ حضرت علیؓ کے علاوہ بھی بہت سے اکابر صحابہؓ و تابعینؒ سے بہت سی روائتیں ہیں جو مشہور ہیں اور جن کا انکار جاہل یا مخالف کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا —— اُس بے انصاف خطیب سے کہنا چاہیے کہ ہم تمام اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیے گئے ہیں اور اُن سے بغض رکھنے سے منع کیے گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی اکابر صحابہ میں سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا اُن کو میرے بعد نشانۂ ملامت نہ بنانا جو اُن سے محبت رکھے گا میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت رکھے گا اور جو اُن سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے اُن سے بغض رکھے گا۔

جس نے ان کو ایذا دی اُس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالےٰ کو ایذا دینی چاہی اور جو اللہ کو ایذا دینے کا ارادہ کرے، قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو پکڑ لے" ـــــ اس قسم کے بدبودار شگوفے (ہندوستان میں) ابتدائے اسلام سے لے کر اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہ کبھی کھلے ہوں اس قسم کی باتوں سے پورے شہر کے بدنام ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ پورے ہندوستان سے اعتماد اُٹھ جانے کا خوف ہے۔ سلطانِ وقت (جہانگیر بادشاہ) اللہ تعالیٰ اُن کو دشمنانِ اسلام پر مظفر و منصور کرے ـــــ اہل سُنت ہیں اور حنفی مسلک رکھتے ہیں، اس بادشاہ کے زمانے میں ایسی بدعتیں کرنا بہت جرأت کی بات ہے بلکہ سلطان سے مقابلہ کرنا ہے اور اولوالامر کی اطاعت سے باہر نکلنا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سامانہ کے مخدومانِ عظام سے تعجب ہے کہ وہ اس معاملہ کو دیکھ کر نرمی برت رہے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ "اُن کو (یہود کو) جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے اُن کے زاہد اور عالم کیوں نہیں منع کرتے ہیں بیشک یہ جو کچھ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں" ـــــ دوسری جگہ فرماتا ہے "وہ (علماء یہود) یہود کو بُرے کام کرنے سے نہیں روکتے ہیں یہ بُرا کرتے ہیں" ـــــ اس قسم کے واقعات میں تغافل کرنا بدعتیوں کو دلیر بنانا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے ـــــ یہ بات بھی (بڑوں کی) سُستی سے ہو رہی ہے کہ مہدوی جماعت اس جگہ برملا اہل حق کو باطل کی طرف دعوت دے رہی ہے اور وہ تھوڑی سی مدت میں دو ایک آدمیوں کو اس طرح اُچک لیتے ہیں جس طرح بھیڑیا گلّے میں سے بھیڑ کو لے جاتا ہے ـــــ زیادہ کیا تکلیف دوں ـــــ چونکہ یہ (خطیب والی) خبر وحشت اثر مجھے شورش میں لے آئی اور اس نے میری رگِ فاروقی کو متحرک کر دیا اس لیے یہ چند کلمات لکھ دیئے (امید کہ) مجھے معذور رکھیں گے ـــــ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب (۱۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری کے نام

[چند سوالات کے مختصر جوابات]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ تمہارا خط پہنچا اس میں لکھا تھا کہ تمہاری طرف دو زبردست حادثے نمودار ہوئے ہیں۔ ایک طاعون دوسرا قحط۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بلاؤں سے بچائے۔ تم نے لکھا تھا کہ باوجود ان حوادث کے رات اور دن عبادت و مراقبہ میں صرف ہوتے

ہیں اس کیفیت پر اللہ کا شکر ہے ــــــ جو سوالات تم نے کیے ہیں ان کے (مختصر) جوابات یہ ہیں۔ کہ سنتوں میں اکثر اوقات چار نفل پڑھے جاتے ہیں ــــــ اور مُردوں کا کفن مسنون تین کپڑے ہیں ــــــ پگڑی باندھنا قدر مسنون سے زائد ہے۔ ہم تو قدر مسنون پر ہی اقتصار کرتے ہیں ــــــ عہد نامے کے بارے میں یہ ہے کہ ہم اس کو (قبر میں رکھنے کے لیے) نہیں لکھتے ایک تو اس وجہ سے کہ جسم انسانی کے گلنے سڑنے کی وجہ سے آلودگی کا احتمال ہے دوسرے سند صحیح سے یہ چیز ثابت بھی نہیں ہے تیسرے علما اہل سُنت کا عمل بھی یہ نہیں ہے ــــــ (ہاں) اگر تبرک کے طور پر کوئی پیرہن (مشائخ سے حاصل ہوا) ہو تو اس کو قمیص کی جگہ اگر کفن میں داخل کر دیں تو گنجائش ہے (مگر ایسا نہ ہو کہ وہ پیرہن تین کپڑوں سے زائد ہو) ــــــ شہدا کے کپڑے ہی ان کا کفن ہوتے ہیں ــــــ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے (بھی) وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو میرے انھیں پرانے کپڑوں میں کفنانا ــــــ محض ایمان بھی اگرچہ عذاب شدید یا عذاب خفیف یا عفو الٰہی کے بعد نجات دلانے والا ہے لیکن کلمۂ طیبہ کی مقبولیت، عمل صالح سے وابستہ ہے ــــــ موت وبا سے بھاگنا اسی طرح گناہ کبیرہ ہے جس طرح جہاد کے دن بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور جو شخص زمین وبا میں صبر کے ساتھ جما اور ڈٹا رہے اور مر جائے تو وہ شہدا میں سے ہے اور فتنۂ قبر سے مامون ہے اور جو صبر کرے اور نہ مرے وہ غازیوں میں سے ہے۔ ؎

اِن قال لی مُت مُتُّ سمعًا و طاعۃً

و قلتُ لداعی الموتِ اھلًا و مرحبا

(اگر مجھ سے دوست کہے کہ مر جا تو میں بہ سلسلۂ تعمیلِ حُکم مر جاؤں گا اور فرشتۂ موت سے خوش آمدید کہوں گا) چند روز ہو گئے ہیں کہ بلغم اور کھانسی نے مغلوب و عاجز کر دیا ہے اور ضعف لاحق ہو گیا ہے اسی بنا پر سوالات کے جوابات پر ہی اکتفا کیا گیا (کچھ اور نہیں لکھا جا سکا) والسلام

مکتوب (۱۷) مرزا حسام الدین احمد کے نام

[اس دنیا کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت مگر درحقیقت باعث ترقیات اور مرہم ہیں]

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ــــــ مجھ کو جو مکتوب شریف، شیخ مصطفیٰ کے ہاتھ تعزیت

کے سلسلے میں ارسال فرمایا تھا اُس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ بیشک ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم سب اُسی طرف رجوع کرنے والے ہیں" ـــــ یہ مصیبتیں بظاہر زخم معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں باعث ترقیات اور مراہم ہوتی ہیں ـــــ ان مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو نتائج و ثمرات اس دُنیا میں مرتب ہوئے ہیں وہ ان نتائج و ثمرات کا سواں حصہ (۱/۱۰۰) ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی عنایات سے آخرت میں اُمید و توقع ہے ـــــ اولاد کا وجود مستقل طور پر رحمت ہے ان کی حیات میں بھی منافع و فوائد ہیں اور ان کی موت پر بھی ثمرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

امام محی السنۃ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں تین دن طاعون واقع ہوا اُس میں ۸۳ لڑکے حضرت انسؓ کے جو کہ خادم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ فوت ہوئے ـــــ اور چالیس ۴۰ لڑکے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے فوت ہوئے۔ جبکہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تو ہم جیسے عاصی کس شمار میں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ طاعون سابق اُمتوں کے حق میں عذاب ہوتا تھا اور اُمت محمدیہ کے لیے شہادت ہے۔ حق یہ ہے کہ جو لوگ اس وبا میں مرتے ہیں متوجہ بحق ہو کر مرتے ہیں حرص ہوتی ہے کہ کوئی اس زمانے میں ان وبا میں مرنے والوں سے ملحق ہو جائے اور اپنا سامانِ سفر دُنیا سے آخرت کی طرف جانے کے لیے باندھ لے۔ یہ وبا اس اُمت کے لیے ظاہر میں غضب ہے لیکن حقیقت و باطن میں رحمت ہے ـــــ میاں شیخ طاہر (لاہوری) بیان کرتے تھے کہ لاہور کے اندر طاعون کے زمانے میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ (ملائکہ) کہہ رہے ہیں کہ جو ان ایام میں نہ مرے گا حسرت کرے گا ـــــ جس وقت نظر ان گزرنے والوں پر ڈالی جاتی ہے عجیب احوالِ غریبہ اور معاملاتِ عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے انھیں خصائص کے ساتھ ممتاز ہوں گے ـــــ مخدوما! فرزند عزیز قدس سرہٗ (خواجہ محمد صادق) کی مفارقت مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ (فی زماننا) کوئی اس جیسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہو۔ مگر صبر و شکر جو اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو عنایت فرما دیا ہے وہ بھی ایک بڑی نعمت اور بڑا انعام ہے ـــــ حضرتِ حق جل مجدہٗ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مصیبت کی جزا آخرت کے لیے مہیا رکھے۔ دُنیا میں اس کی کچھ بھی جزا ظاہر نہ ہو ـــــ ہر چند یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سوال و درخواست اپنی تنگیٔ سینہ کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو بڑا واسع الرحمۃ ہے (کہ دُنیا و آخرت دونوں جگہ کی جزا عطا کرے گا) ـــــ فللّٰہ الآخرۃ والاولیٰ

—— دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ دعائے خیر سے امداد و اعانت فرمائیں اور سلامتیٔ خاتمہ کی دعا کریں اور ان لغزشوں کو معاف کریں جو لازمۂ انسانیت ہیں اور بمقتضائے بشریت جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اُن سے بھی درگزر فرمائیں —— ربّنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ ——

مکتوب (۱۹) میر محب اللہ کے نام

[اتباعِ سنت و اجتناب از بدعت کی تاکید میں]

بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات —— سیادت پناہ برادرم میر محب اللہ کو لکھتا ہوں کہ اس طرف کے فقرا کے احوال لائق حمد ہیں —— میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری سلامتی اور ثابت قدمی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اس عرصے میں تم نے اپنی طرف کے احوال سے مطلع نہیں کیا۔ مسافت کی دوری بھی رکھ(؟) مانع ہے —— ہماری نصیحت بس یہی ہے کہ احکام دین کی پابندی اپنے اوپر لازم قرار دے لی جائے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور پیروی ہوتی رہے۔ سنت سنیہ کو ادا کیا جائے، بدعت غیر مرضیہ سے پرہیز ہو اگرچہ بدعت، روشنیٔ صبح کی طرح کیوں نہ دکھلائی دیتی ہو۔ اس لیے کہ بدعت میں درحقیقت کوئی بھی نور نہیں ہے۔ نہ بیمار کے لیے اُس کے اندر کوئی شفا ہے۔ نہ مرض کے واسطے اس میں کوئی دوا ہے —— (بدعت میں کیسے کوئی نور ہو جبکہ وہ) دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ سنت کو اٹھا دینے اور دور کرنے والی ہے یا اس سے ساکت ہے اگر ساکت ہے تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ سنت سے زائد ایک چیز ہو۔ اور جب زائد ہوئی تو وہ درحقیقت سنت کی ناسخ ہوئی۔ لہٰذا بدعت کسی قسم کی بھی ہو سنت کو اٹھا دینے والی اور سنت کی نقیض ہی ہوگی۔ پس بدعت میں کوئی بھلائی اور حسن نہیں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ دینِ کامل اور اسلام پسندیدہ کے اندر پیدا کی ہوئی بدعت میں حُسن کا حکم کہاں سے لگا دیا گیا جبکہ نعمتِ دین مکمل ہو چکی۔ —— ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ دین کے کامل، مکمل اور پسندیدہ ہونے کے بعد، بدعت کو تراشنا، حُسن و خوبی سے کوسوں دور ہے —— حق کے بعد ضلالت و گمراہی کے علاوہ اور کون شئے ہو سکتی ہے؟ اگر اہل بدعت یہ سمجھ لیں کہ دینِ کامل میں کوئی بدعت نکال کر اُس بدعت کو حسنہ بتانا، عدمِ کمالِ دین

اور عدمِ اتمام نعمت کی اطلاع دیتا ہے۔ تو وہ ہرگز بدعت کو حسنہ قرار دینے کی جرأت نہ کریں ـــــ
ربنالا تواخذنا ان نسینا او اخطانا والسلام علیکم وعلی من لدیکم ـــــ

مکتوب (۲۰) مولانا محمد طاہر بدخشی کے نام

[فضائلِ صلوٰۃ اور ارکان وشرائطِ صلوٰۃ کے بیان میں]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ـــــ مکتوبِ شریف جس کو جونپور کے اطراف سے لکھا تھا پہونچا ـــــ چونکہ وہ مکتوب تمہارے ضعفِ بدن کی اطلاع دے رہا تھا اس لیے باعث تشویش ہوا میں تمہاری صحت کی خبر کا منتظر رہوں گا آنے والے قاصدوں کے ہمراہ حالات وکیفیات تحریر کرو۔ محبت اطوارا! چونکہ یہ دنیا دار عمل ہے اور دار جزاء دار آخرت ہے اس لیے اعمالِ صالحہ کے کرنے میں کوشش کرنی چاہیے۔ اعمال میں بہترین عمل اور عبادات میں فاضل ترین عبادت 'اقامتِ صلوٰۃ ہے ـــــ نماز، دین کا ستون اور معراج مومن ہے (اس لیے) نماز کی ادائگی میں پورا اہتمام ملحوظ رکھا جائے اور احتیاط کرنی چاہیے کہ نماز کے ارکان وشرائط اور سنن وآداب، نماز کی شایان شان ادا ہوں ـــــ طمانیت وتعدیل ارکان کے متعلق بار بار تاکید کی جاتی ہے اس کی اچھی محافظت کریں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا جارہا ہے کہ وہ نماز کو ضائع کر رہے ہیں اور طمانیت وتعدیل ارکان کو برباد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں وعیدیں اور تہدیدیں وارد ہوئی ہیں ـــــ نماز جب درست ہوگئی تو (سمجھو) نجات کے لیے امید عظیم میسر آگئی۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے دین قائم ہوا اور عروج کا ذریعہ مکمل ہوگیا ...... والسّلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

مکتوب (۲۳) خواجہ محمد عبد اللہ عرف خواجۂ کلاںؒ

صاحب زادہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کے نام

[اتباعِ سُنّت اور اجتناب از بدعت کے بیان میں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ

وہ نصیحت جو صاحبزادہ کو (تم کو) اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے یہ ہے کہ سنّت کا اتباع ہو اور بدعت سے اجتناب کیا جائے، اسلام اس زمانہ میں اجنبی سا ہوگیا ہے اور مسلمان بھی نادر و غریب سے ہیں اور جب یہ بھی نہ رہیں گے تو اور زیادہ نادر و غریب رہ جائیں گے۔ یہاں تک کہ قربِ قیامت میں اجب کوئی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر باقی نہ رہے گا اُس وقت قیامت بُرے لوگوں پر قائم ہوگی۔ سعادت مند وہ ہے کہ اس ندرت و غربت کے زمانے میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنّت کو زندہ کردے یا چالو بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کردے ــــ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ہزار سال گزر چکے ہیں اور علامات قیامت ظاہر ہورہی ہیں۔ سنّت، زمانہ نبوی کی دوری کی وجہ سے مخفی ہوگئی ہے اور بدعت، جھوٹ کی اشاعت کی وجہ سے، جلوہ گر ہے۔ ایسے وقت میں کوئی شاہباز چاہیے جو سنّت کی نصرت کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کو رائج کرنا، دین کو خراب کرنے کا سبب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو ڈھا دینے کا موجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے ویران کرنے میں مدد کرتا ہے"۔ یہ حدیث تو تم نے سُنی ہوگی ــــ پوری ہمت اس طرف متوجہ رہنی چاہیے کہ کسی نہ کسی سنّت کی ترویج و اشاعت ہو اور بدعتوں میں سے کسی نہ کسی بدعت کا ازالہ کردیا جائے۔ ہر زمانے میں

۵؎ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں، صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف تھے، حضرت خواجہ حسام الدین احمدؒ سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ اپنے برادر خُرد کے ہمراہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں بھی رہے تھے۔ ۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۰۷۴ھ کو وفات ہوئی اپنے والد ماجدؒ کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

الفرقان بابت جمادی الاخریٰ و رجب ۱۳۷۸ھ میں آپ کے اور آپ کے برادر کوچک حضرت خواجہ خوردؒ کے حالات پر مستقل مقالہ شائع ہوا تھا، وہ اب "کتب خانہ الفرقان" کے شائع کردہ "تذکرہ خواجہ باقی باللہ" میں شامل ہوگیا ہے۔ ۱۲

خصوصاً اس ضعف اسلام کے زمانے میں، احکام اسلام کو قائم رکھنا، ترویج سنّت اور تخریب بدعت کے ساتھ وابستہ ہے ـــــ (کچھ) گزرے ہوئے لوگوں نے (کسی) بدعت میں کوئی خوبی دیکھی ہو گی جس کی وجہ سے بدعت کے بعض افراد کو انھوں نے مستحسن قرار دے دیا ہے۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلے میں اُن کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کی کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا ـــــ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کلّ بدعتہٍ ضلالۃ ـــــ ہر بدعت گمراہی ہے ـــــ اور فقیر یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اس غربت و ضعفِ اسلام کے زمانے میں سلامتی (صرف) سنّت کی ادائیگی کے ساتھ وابستہ ہے اور خرابی تحصیل بدعت سے جُڑی ہوئی ہے کوئی سی بھی بدعت ہو ـــــ میں بدعت کو ایک کدال کی شکل میں دیکھتا ہوں۔ جو اسلام کو ڈھا رہی ہے۔ اور سنّت کو ایک روشن ستارے کی مانند پاتا ہوں جو گمراہی کی اندھیری رات میں رہنمائی کر رہا ہے۔ علماء زمانہ کو اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کی ادائیگی کا فتویٰ نہ دیں۔ اگرچہ وہ ان کی نظر میں سپیدۂ صبح کی مانند روشن کیوں نہ ہو اس لیے کہ شیطان کی آراستگی (اور فریب دہی) کو غیر سنّت (بدعت) میں بڑا غلبہ اور دخل ہوتا ہے ـــــ پہلے زمانے میں جبکہ اسلام قوت رکھتا تھا (بعض) بدعتوں کی تاریکیوں کو (بھی) مجبوراً برداشت کر لیا جاتا تھا اور شاید وہ ظلمتیں نورِ اسلام کی درخشانی کی وجہ سے بعض اشخاص کے خیال میں نورانی بن گئی ہوں اور ان بدعتوں کے حسنہ ہونے کا حکم اسی وجہ سے لگا دیا گیا ہو ـــــ اگرچہ کوئی حُسن اور نورانیت کوئی بدعت اپنے اندر نہیں رکھتی ـــــ برخلاف اس وقت کے کہ یہ تو ضعفِ اسلام کا وقت ہے اس وقت بدعتوں کی ظلمتوں کو برداشت کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اس وقت (بدعت کی گنجائش نکالنے کے لیے) متقدمین یا متاخرین کا فتویٰ (اگر بالفرض ہو بھی) جاری نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ ہر وقت کے احکام علاحدہ علاحدہ ہیں۔ اس وقت پورا عالم، ظہورِ بدعت کی کثرت کی وجہ سے ایک دریائے ظلمت کی شکل میں نظر آ رہا ہے اور نورِ سنّت اپنی ندرت و غربت کے باعث رات کو چمکتا ہوا جگنو معلوم ہوتا ہے۔ عمل بدعت اس اندھیرے میں اور اضافہ کر رہا ہے اور نورِ سنت کو کم کرتا جاتا ہے (اس کے مقابلے میں) عمل سنّت، اس ظلمت کی تقلیل اور روشنی کی تکثیر کا باعث ہے پس جس کا جی چاہے وہ ظلمتِ بدعت کو بڑھائے اور جس کا جی چاہے نورِ سنت کو تکثیر کرے، جس کا جی چاہے وہ حزب الشیطان (شیطانی پارٹی) کو زیادہ کر دے اور جس کا جی چاہے وہ حزب اللہ (اللہ والی جماعت) میں اضافہ کر دے۔ "خبردار ہو جاؤ کہ شیطان کا گروہ ٹوٹا پانے

والوں میں سے ہے" ــــ " آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ والی جماعت ہی کامیابی حاصل کرنے والی جماعت ہے "ــــ صوفیائے وقت بھی اگر انصاف پر اُتر آئیں اور ضعفِ اسلام اور اشاعت دروغ کو ملاحظہ فرمائیں تو عملِ سنت کو ترک کر کے اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور عمل شیوخ کا بہانہ بنا کر اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ بے شک، اتباعِ سنت ہی نجات دینے والی اور خیر و برکات کا ثمرہ بخشنے والی ہے۔ سنت کے علاوہ (بدعات) کی پیروی میں خطرے ہی خطرے ہیں۔

مکتوب (۲۵) خواجہ محمد شرف الدین کے نام

[جو عمل بھی شریعت کے مطابق کیا جائے وہ داخل ذکر ہے، اگرچہ خرید و فروخت ہو۔]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ تمہارا خط جو تم نے مولانا عبد الرشید اور مولانا جان محمد کے ہمراہ بھیجا تھا پہونچا۔ روپے بھی پہونچے ــــ جزاکم اللہ سبحانہٗ خیرا ــــ تمہاری صحت کی خبر سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اے فرزند! فرصت کو اور صحت و فارغ البالی کو غنیمت جانو۔ ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھو ــــ ہر وہ عمل جو مطابق شریعتِ مطہرہ کیا جائے داخلِ ذکر ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو ــــ پس تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شرعیہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ وہ سب کام ذکر (کے حکم میں) ہو جائیں ــــ اس لیے کہ ذکر نام ہے غفلت کے دور کرنے کا۔ جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کا خیال رکھا گیا تو (اس صورت میں) اللہ تعالیٰ سے جو کہ (اچھے کاموں کا) حکم کرنے والا اور (بُرے کاموں سے) منع کرنے والا ہے ــــ غفلت نہ رہی ــــ اور (اس طرح سے) دوامِ ذکر حاصل ہو گیا........

مکتوب (۲۹) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے نام

[حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے غالباً کوئی تعزیتی مکتوب حضرت مجددؒ کو لکھا ہے جس کے جواب میں یہ مکتوب ارقام فرمایا گیا]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ مخدوما مکرما! مصائب کے آنے پر ہر چند کہ رنج و غم سہنا پڑتا ہے، لیکن بہت سی بھلائیوں اور ترقیوں کی بھی امید ہے۔ اس عالمِ رنگ و بو کی بہترین متاع، غم و اندوہ ہے، اور یہاں کے دسترخوان کی لذیذ ترین نعمت، اَلَم و مصیبت ہے ـــــ (الم و مصیبت کے) شکر پاروں پر تلخ دوا کا باریک غلاف لپیٹ دیا گیا ہے اور اس طرح سے امتحان کا ایک راستہ کھول دیا ہے۔ جو سعادت مند ہیں وہ اس کی (باطنی) حلاوت و شیرینی پر نظر کر کے اُس (ظاہری) تلخی کو شکر کی طرح استعمال کرتے ہیں اور تلخی کو شیرینی محسوس کرتے ہیں۔ وہ لوگ تلخی کو کیوں نہ شیریں پائیں جب کہ افعالِ محبوب حقیقی تمام کے تمام (درحقیقت) شیریں ہیں۔ شاید وہی (باطنی) مریض ان کو تلخ محسوس کرے گا جو غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہے ـــــ لیکن جو دولتِ معنوی کے سرمایہ دار ہیں وہ محبوب کی الم رسانی میں جس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں، اس قدر حلاوت و لذت اس کے انعام سے نہیں پاتے، ہر چند کہ دونوں محبوب ہی کی طرف سے ہیں، لیکن ایلام (الم رسانی) کی صورت میں محب کے نفس کو کچھ بھی حصہ نہیں ملتا (بس محبوب ہی کا منشا پورا ہوتا ہے) اور انعام میں نفس کی خواہش بھی پوری ہوتی ہے۔ ع

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها[1]

اے اللہ اُن مرحومین کے صبر کے اجر سے ہمیں محروم نہ رکھنا اور اُن کے بعد ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کرنا آپ کا وجود مبارک بھی اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں اہلِ اسلام کے لیے غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و قائم رکھے۔ والسّلام۔

مکتوب (۳۰) خواجہ محمد اشرف و مولانا حاجی محمد فرکتی کے نام

[صرف وہ آخری حصہ جس میں مکتوب الیہ ۲ یعنی مولانا حاجی محمد کے سوال کا جواب ہے۔]

...... مولانا حاجی محمد نے لکھا تھا کہ تقریباً دو مہینے ہو گئے ہیں کہ مشغولی باطن میں کچھ فتور

---

[1] نعمت والوں کو نعمت مبارک رہے

واقع ہوگیا ہے اور وہ ذوق وشوق کا عالم جو سابق میں تھا نہیں رہا۔

محب من! کوئی غم کی بات نہیں اگر ان دو چیزوں میں کوئی خلل واقع نہ ہوا ہو ـــــ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ (۲) اپنے شیخ سے محبت و اخلاص۔ ان دونوں چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں دل پر طاری ہو جائیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے ـــــ انجام کے لحاظ سے اس کو خراب وضائع نہیں کریں گے ـــــ لیکن اگر خدانخواستہ ان دونوں باتوں میں سے ایک میں بھی نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی در خرابی ہے، اگرچہ کتنی ہی حضور وجمعیت حاصل ہو اس لیے کہ وہ استدراج ہے اور اس کا انجام خرابی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ سے ان دونوں باتوں میں ثابت قدم رہنے کو تضرع وزاری کے ساتھ مانگیں اور اسی سے ان دونوں باتوں پر مستقیم رہنے کی التجا کریں۔ یہی دو چیزیں مدارِ کار اور مدارِ نجات ہیں ـــــ سلام مسنون تم پر اور تمام دینی بھائیوں پر خصوصاً محبِ قدیم مولانا عبدالغفور سمرقندی پر

مکتوب (۳۱) خواجہ شرف الدین حسین کے نام

[وعظ ونصیحت]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ فرزندِ عزیز یہ لمحاتِ زندگی غنیمت ہیں چاہیے کہ بے فائدہ کاموں میں صرف نہ ہوں بلکہ اللہ کی مرضیات کے مطابق صرف ہوں ـــــ

چاہیے کہ پانچوں وقت کی نماز جمعیت قلب کے ساتھ با جماعت اور تعدیل ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا ہو ـــــ نماز تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ صبح کے وقت استغفار کو بھی نہ چھوڑیں، خوابِ خرگوش سے لذت یاب نہ ہوں ـــــ یہ دنیا کے جو منافع ہیں ان پر بھی فریفتہ نہ ہوں، موت اور آخرت کی ہولناکی کا بھی دھیان رکھیں، الغرض دنیا سے روگرداں اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ بقدرِ ضرورت دنیا میں مشغول رہوں باقی تمام اوقات کو امورِ آخرت کی مشغولی سے معمور رکھیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دل گرفتاریٔ غیرِ حق سے آزاد اور ظاہر، احکامِ شرعیہ سے آراستہ ومزین ہو۔ مع ـــــ کار اینست غیر ایں ہمہ ہیچ[1] ـــــ باقی احوال بخیر ہیں ـــــ والسلام ـــــ

---

[1] کرنے کا کام یہ ہے باقی سب ہیچ ہے۔

مکتوب (۳۲)۔ مرزا قلیج اللہ کے نام

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ــــــ تعزیت نامہ پہونچا ــــــ ہم سب اللہ کی مخلوق ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف رجوع کرنا ہے ــــــ ہم بھی اللہ کی توفیق سے اُس کے فیصلے پر راضی ہوئے، تم بھی اس پر راضی رہو اور دُعا و فاتحہ خیر سے مدد و معاون بنو ــــــ تم نے مصیبت سے رہائی پائی اس خبر سے مسرت ہوئی۔ دو غموں میں سے ایک غم نے تسکین پائی، اللہ کا شکر ہے ــــــ تم نے جمعیتِ باطن میں فتور و نقصان پیدا ہو جانے کے متعلق شکایت لکھی تھی ــــــ ہاں بے شک، پریشانی ظاہر کو تصرفِ باطن میں تاثیر عظیم حاصل ہے جب کبھی باطن میں کدورت پائیں، اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کر لیا کریں جب کوئی خطرناک صورت حال نمودار ہو لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، پڑھ کر اس کو دفع کیا کریں۔ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (یہ دونوں سورتیں) بار بار پڑھنا ایسے وقت میں بہتر ہے ــــــ باقی حالات لائقِ حمد ہیں ــــــ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد و شکر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اہل دوزخ والے حالات سے پناہ مانگتا ہوں ــــــ فقیر پر چونکہ ضعف کا اثر ہے اس بنا پر تفصیل احوال میں مشغول نہ ہو سکا ــــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو شریعتِ مصطفویہ کی شاہراہ پر استقامت نصیب کرے، ــــــ والسلام ــــــ

مکتوب (۳۳)، مولانا محمد صالح کولابی کے نام

[اس بیان میں کہ محبوب، نظر محب میں بہر حال محبوب ہے چاہے وہ انعام فرمائے یا الم ہو پہنچائے]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ برادرم مولانا محمد صالح کو واضح ہو کہ محبوب، نظرِ محب میں بلکہ حقیقت امر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہی ہے ــــــ الم پہونچائے تب محبوب ہے، انعام فرمائے تب محبوب ہے ــــــ دولتِ محبت سے مشرف ہونے والے اکثر اہل اللہ کے نزدیک انعام کے وقت محبوب سے محبت زیادہ ہوتی ہے بمقابلہ وقتِ الم دہی کے ــــــ یا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دونوں وقت محبت مساوی ہوتی ہے ــــــ لیکن کچھ اہل اللہ ایسے ہیں جن کے نزدیک معاملہ برعکس ہے یعنی محبوب کی الم دہی زیادہ محبت بخش ہے بمقابلہ اُس کے انعام کے ــــــ اس دولتِ عظمیٰ کا

مقاربتہ الجیش حسنِ ظن ہے، محبوب کے ساتھ اس حد تک کہ اگر محبوب محب کے حلق پر چھری بھی چلا دے اور اس کے ایک ایک عضو کو جدا کر دے تو بھی محب اس میں اپنی بہتری اور بہبودی تصور کرے گا ——— جب اس حسنِ ظن کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے محبوب کے فعل کی کراہت نظرِ محب سے اٹھ گئی تو محبتِ ذاتی کی دولت سے ——— مشرف ہو گیا، اور اب، محبوب کے ایلام (الم دہی) میں اس کے انعام سے زیادہ لذت محسوس ہو گی ——— میں سمجھتا ہوں کہ یہ مقام مقامِ رضا سے بھی اونچا ہے۔ اس لیے کہ رضا نام ہے محبوب کی الم دہی سے کراہت دور کرنے کا، مگر اس مقام میں الم دہی سے لذت پاتا ہے۔ اس لیے کہ جتنی محبوب کی جانب سے سختی زیادہ ہوتی ہے محب کی خوشی و سرور میں اضافہ ہوتا ہے ...... اور جبکہ محبوب نظرِ محب میں بلکہ حقیقت میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو یقیناً محبوب ہر وقت اور ہر حال میں محب کی نظر میں بلکہ واقعی طور پر محمود و ممدوح بھی ہو گا۔ اور محب ایلام و انعام ہر دو حال میں اس کا مدح گو اور ثنا خواں ہو گا ...... شاید کہ حمد کو جو شکر پر فضیلت ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ شکر میں انعامِ منعم پیشِ نظر ہوتا ہے جو کہ صفت بلکہ فعل کی طرف راجع ہے۔ اور حمد میں حسن و جمالِ محمود ملحوظ ہوتا ہے خواہ وہ حسن و جمال، ذاتی ہو یا صفتی ہو یا فعلی۔ اور چاہے وہ انعام کی شکل میں ہو یا ایلام (یعنی تکلیف و مصیبت دہی) کی صورت میں ——— اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایلام ہے وہ اس کے انعام ہی کی طرح حسن (یعنی خوب اور پسندیدہ) ہے ——— پس حمد زیادہ وسیع ہوئی اور زیادہ جامع ہوئی تمام مراتبِ حسن و جمال کو اور خوشی و غمی دونوں حالتوں میں زیادہ پائدار ——— بخلاف شکر کے، اس لیے کہ وہ اپنے نقص و قصور کے ساتھ ساتھ جلد زائل ہو جانے والا اور انعام کے زائل ہو جانے پر ختم ہو جانے والا ہے ......

مکتوب (۳۶) خواجہ محمد تقی کے نام

[بحث امامت اور بیانِ حقیقت اہلسنت و جماعت میں ——— یہ ایک طویل مکتوبِ گرامی ہے۔ آخر اور درمیان سے کچھ حصہ چھوڑ کر بقیہ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تلخیص میں ربطِ مضمون کا لحاظ رکھا گیا ہے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ——— اللہ والوں سے محبت اور اُن سے ربط و اُلفت، ان کی باتوں کو سُننے کی رغبت اور اُن کے طور و طریق کی طرف

میلان، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اور اس کی دی ہوئی بڑی دولت ہے۔ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (انسان جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہے) پس درویشوں سے محبت رکھنے والا اُن کے ہی ساتھ ہے اور بزمِ قربِ حق میں اُن کا طفیلی ہے ——— سعادت اطوار خواجہ شرف الدین حسین نے بیان کیا ہے کہ مذکورۂ بالا صفاتِ حمیدہ آپ کے اندر پائے جاتے ہیں باوجود اس کے کہ آپ بہت سی بے فائدہ باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان اوصافِ حمیدہ کی موجودگی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے ——— آپ کی اصلاح و درستی ایک بڑی جماعت کی اصلاح و درستی کا سبب بن جائے گی اور آپ کی فلاح و کامیابی ایک بڑے گروہ کی فلاح و کامیابی کا باعث ہوگی

خواجہ شرف الدین حسین نے یہ بھی بتایا کہ آپ میری باتوں سے واقف ہیں اور میرے علوم کو سننے کی (مزید) رغبت رکھتے ہیں ساتھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر میں آپ کو چند باتیں لکھوں تو بہتر ہوگا۔ ان کے التماس کے بموجب چند ضروری باتیں لکھی جارہی ہیں ——— چونکہ اس زمانہ میں بحثِ امامت بہت چل رہی ہے اور ہر ایک اس میں اپنے ظن و تخمین سے باتیں کرتا ہے ضرورۃً اسی بحث پر کچھ لکھا گیا ہے اور مذہب اہلِ سنت و جماعت نیز دیگر مذاہب مخالفین کی حقیقت بیان کی گئی ہے ——— بجابت آثارا! اہلِ سنت و جماعت کی علامات میں سے تفضیل الشیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ کو افضلِ اُمت سمجھنا) اور محبتہ الختنین (علیؓ و عثمانؓ سے محبت رکھنا) ہے ——— تفضیل شیخین جب محبتِ ختنین کے ساتھ جمع ہو تو یہ خصائص اہلِ سنت و جماعت میں سے ہے ——— تفضیل شیخینؓ، صحابہؓ و تابعینؒ کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ اکابر ائمہ نے اس اجماع کو نقل کیا ہے۔ ان اکابر ائمہ میں امام شافعیؒ بھی ہیں ——— اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ ساری اُمت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی افضلیت قطعی ہے۔ اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بتواتر ثابت ہے کہ وہ اپنی خلافت کے زمانے میں گروہ کثیر کے روبرو فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اس اُمت میں سب سے بہتر ہیں۔ چنانچہ امام ذہبیؒ نے کہا ہے اور امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "بہترین مردم بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں، پھر ایک اور" حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے دریافت کیا، پھر آپ؟ فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں ——— بالجملہ، تفضیل شیخین راویوں کی کثرت کی بنا پر شہرت و تواتر کی حد تک پہونچ گئی ہے اس کا انکار کرنا یا جہالت کی وجہ سے ہے یا از راہ تعصب ——— ——— عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہیں جب انھوں نے مجالِ انکار نہ پائی تو (لاچار ہو کر) تفضیل شیخین

کے قائل ہو گئے اور کہا کہ جب حضرت علیؓ (خود) شیخینؓ کو اپنے اوپر فضیلت دے رہے ہیں تو میں بھی حضرت علیؓ کے قول کے مطابق شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر حضرت علیؓ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی فضیلت نہ دیتا، یہ گناہ کی بات ہے کہ میں ایک طرف حضرت علی کی محبت کا دعویٰ کروں اور دوسری طرف اُن کے قول کی مخالفت کروں" ——— اور چونکہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں فتنوں کا ظہور ہوا اور لوگوں کے احوال و معاملات میں بہت سا اختلال واقع ہوا اس بنا پر (کچھ) لوگوں کے دلوں میں (اس وقت) بہت کچھ کدورت پیدا ہو گئی اور عداوت و کینہ نے غلبہ پالیا۔ اس وجہ سے محبتِ ختنین" بھی از جملہ شرائطِ سنت و جماعت شمار ہوئی" تاکہ کوئی ناواقف اس راہ سے اصحابِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدگمانی نہ کرے اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت نہ پیدا کرے ——— پس محبتِ حضرت علیؓ شرطِ اہلِ سنت واقع ہوئی ——— جو ان سے محبت نہ کرے وہ اہلِ سنت و جماعت سے خارج ہے۔ اس کا نام خارجی ہے ——— اور جس نے محبتِ حضرت علیؓ میں غلو اور افراط کی سمت اختیار کی اور حدِ مناسب سے تجاوز کر گیا اور اصحابِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی اور اُن کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان کشائی کی اس کا نام شیعہ ہوا۔ پس اہلِ سنت محبتِ علیؓ کی افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہیں افراط و تفریط کو روافض و خوارج نے اختیار کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد حنبلؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی سے فرمایا" اے علی تم کو عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت ہے کہ یہود نے اُن سے دشمنی کی حتیٰ کہ ان کی والدہ مریمؑ پر بھی بہتان باندھا اور نصاریٰ نے ان کی محبت و عظمت میں اتنا غلو کیا کہ ان کو اس مرتبے پر اُتارا جس کے وہ ہرگز مستحق نہ تھے یعنی اللہ کا بیٹا کہا ——— پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے معاملے میں بھی دو گروہ ہلاک ہو گئے ایک وہ جو میری محبت میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا اور جو صفت میرے اندر نہیں ہے اس کو ثابت کرتا ہے اور دوسرا وہ جو میرے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اور دشمنی و عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کرتا ہے" .... وہ شخص جاہل و نادان ہے جو اہلِ سنت و جماعت کو محبانِ علیؓ میں سے نہیں جانتا اور محبتِ علیؓ کو شیعوں کے ساتھ مخصوص رکھتا ہے ——— محبتِ جنابِ امیرؓ رفض نہیں ہے، خلفائے ثلٰثہ سے اظہار بیزاری رفض ہے اور اصحابِ کرام سے بے تعلق ہونا مذموم ہے ——— امام شافعی فرماتے ہیں ؎

لو کان رفضا حب آلِ محمدٍ — فلیشھد الثقلان انی رافضی

یعنی اگر حبِّ آلِ محمدؐ رفض ہے (جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں) تو پھر زمین و آسمان گواہ رہیں کہ میں بھی اس رفض کا مرتکب ہوں .... اس فقیر کے والد ماجد (مخدوم شیخ عبدالاحد فاروقیؒ) جو کہ علم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اکثر اوقات محبتِ اہلِ بیت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو سلامتیٔ خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا بہت خیال رکھا جائے۔ ان کے مرضِ موت میں فقیر حاضر تھا، جب ان کا آخری وقت ہوا اور اس عالمِ فانی کا شعور کم ہو گیا اس وقت فقیر نے ان کو یہ بات یاد دلائی اور محبتِ اہلِ بیت کا استفسار کیا، فرمایا کہ "میں محبتِ اہلِ بیت میں غرق ہوں" اس وقت اللہ کا شکر ادا کیا گیا ——— محبت اہل بیت تو سرمایۂ اہلِ سنّت ہے، مخالفین اس حقیقت سے غافل اور اُن کی اعتدالی محبت سے ناواقف ہیں (مخالفین نے) جانبِ افراط کو اختیار کر لیا اور افراط کے علاوہ کو تفریط جان بیٹھے اور اس پر خارجی پن کا حکم لگا دیا .... یہ نہ سوچا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک اور حد بھی ہے وسط (جس کو حدِ اعتدال کہتے ہیں) جو مرکزِ حق اور جائے صدق ہے اور جو اہلِ سنّت کو نصیب ہے .... یہ کس قسم کی محبت ہے کہ اس کا حاصل ہونا جانشینانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرامؓ سے بیزاری اور اُن پر لعن و طعن کرنے پر ہی موقوف ہے؟ ——— اہل سنّت کا گناہ اگر ہے تو یہ ہے کہ وہ محبتِ اہلِ بیت کے ساتھ ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر بھی کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی باہمی تنازعات و اختلافات کے باوجود بدی کے ساتھ یاد نہیں کرتے اور ان کی یہ تعظیم و توقیر بھی محبتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بنا پر کرتے ہیں ....

قرآن واحادیث، اصحاب کرامؓ ہی کی تبلیغ سے ہم تک پہونچے ہیں۔ اگر اصحاب کرامؓ مجروح و مطعون ہوئے، تو وہ دین بھی جو ان کے ذریعہ سے ہم تک پہونچا ہے مجروح و مطعون ہو جائے گا، نعوذ باللہ من ذٰلک .... محض اپنے گمان سے کسی بزرگ دین کو خواہ مخواہ، دشمنِ علیؓ سمجھ لینا اور پھر اس کے حق میں لعن طعن کو جائز رکھنا انصاف سے دور ہے، یہ افراطِ محبت کے شگوفے ہیں .... اگر فرض کرو کہ تقیہ حضرت علیؓ کے حق میں جائز بھی ہو جائے تو کیا کہیں گے حضرت علیؓ کے ان اقوال کے بارے میں جو بطریق تواتر افضلیتِ شیخینؓ کے بارے میں اُن سے منقول ہیں۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ کے وہ کلماتِ قدسیہ جو ان کی خلافت۔ کے زمانہ میں خلفاء ثلٰثہ کی حقانیت کے اظہار میں ان کی زبان مبارک سے صادر

ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔ تقیہ تو اتنا ہی کافی ہوتا کہ اپنی خلافت کے استحقاق کو چھپا لیتے اور خلفائے ثلٰثہ کی خلافت کا (نعوذ باللہ) باطل ہونا ظاہر نہ کرتے لیکن حقانیتِ خلفائے ثلٰثہ کا اظہار اور بیانِ افضلیتِ شیخین رضی اللہ عنہما یہ تو ایک علاحدہ بات ہے جو ماورائے تقیہ ہے اور جس کو سچائی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ حبیبۂ حبیب رب العالمین ہیں اور جو آخر وقت تک آپ کی مقبولہ اور منظورۂ نظر رہیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کل مدتِ مرض الموت اُن کے حجرے ہی میں گزاری اور اُن کی آغوشِ مبارک ہی میں آپ نے اپنی جانِ پاک، جان آفریں کے سپرد کی اور پھر اُن ہی کے حجرے میں مدفون ہوئے۔ باوجود ان فضائل کے حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا عالمہ اور مجتہدہ بھی تھیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف دین (جو کہ عورتوں سے متعلق ہے) کا بیان ان کے حوالے سے کیا تھا، اصحابِ کرام مشکلاتِ احکام میں اُن سے رجوع کرتے تھے اور مسائلِ مشکلہ کا حل ان سے پاتے تھے۔ ایسی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک (اجتہادی) اختلاف کی بنا پر ملعون کرنا اور امورِ ناشائستہ ان کی طرف منسوب کرنا نہایت بیہودہ بات ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سے بعید ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر دامادِ حضرت پیغمبر اور آپ کے چچازاد بھائی تھے تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجۂ مطہرہ نیز آپ کی حبیبہ اور مقبولہ تھیں ...... اگر کوئی محبتِ علی کو مستقلاً اختیار کرتا ہے اور حبِ پیغمبر کو اس محبت میں کوئی دخل نہیں ہے تو ایسا شخص بحث سے خارج ہے، اور قابلِ مخاطبت نہیں ہے۔ ایسے شخص کی غرض تو دین کو باطل کرنا اور شریعت کو ویران کرنا ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ بغیر توسط حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ اختیار کرے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلق ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مائل و متوجہ ہو ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ (یقیناً) ایسے شخص سے بیزار ہیں، اور اس کے کردار سے ان کو (روحانی) صدمہ ہے۔ (در اصل)، اصحابِ پیغمبر اور خسران و دامادانِ پیغمبر سے دوستی و محبت رکھنا دوستی و محبتِ پیغمبر ہی کی وجہ سے ہے اور ان کی تعظیم و تکریم، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہی کی بنا پر ہے ۔۔۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس شخص نے اُن سے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) محبت رکھی اُس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی۔" ایسے ہی جو شخص ان حضرات کا دشمن ہے وہ بھی اپنے اندر دشمنیٔ پیغمبر رکھنے کی وجہ سے ان کا دشمن ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔۔۔۔ "جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔" مطلب یہ ہے کہ جو محبت میرے اصحاب سے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے متعلق ہے، ایسے ہی اُن سے جو بغض متعلق ہے وہ وہی بغض ہے جو مجھ سے متعلق ہے ......

اے مخاطب! بہت زیادہ پرہیز کر، اکابردین پر طعن کرنے سے اور مقتدایانِ اسلام کی برائی کرنے سے۔ وہ اکابردین جنھوں نے اپنی پوری طاقت کو صرف کیا ہے کلمۂ اسلام کو بلند کرنے اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی نصرت و حمایت میں، اور جنھوں نے اپنے مالوں کو خرچ کیا ہے تائید دین میں رات دن، خفیہ اور علانیہ اور جنھوں نے حبِ رسولؐ کی خاطر اپنے کنبے، برادری کو چھوڑا، اپنی اولاد و ازواج کو چھوڑا، اپنے وطنوں کو چھوڑا۔ جنھوں نے اپنے گھر، اپنے بہتے چشمے اپنی کھیتیاں اپنے باغات اور نہریں یہ سب چیزیں چھوڑیں جنھوں نے ذات رسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دی، جنھوں نے محبتِ رسولؐ کو اپنی ذات کی محبت اور اپنے اموال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں ——— اختیار کیا ——— یہ وہ ہیں جو شرفِ صحبتِ آنحضرتؐ سے مشرف ہیں اور صحبتِ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر برکاتِ نبوت سے بہرہ مند ہوئے۔ وحی اُن کے سامنے آئی، جبرئیل علیہ السلام کی حاضری ان کی موجودگی میں ہوتی تھی اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے خوارق و معجزاتِ رسولؐ کو دیکھا ہے، یہاں تک کہ ان کا غیب، شہادت اور ان کا علم، عینی ہو گیا ——— اور ان کو یقین کی وہ دولت عطا ہوئی جو ان کے بعد کسی کو نہیں ملی، یہاں تک کہ دوسروں کا کوہِ اُحد کے برابر سونا خیرات کرنا اُن کے ایک مُد یا نصف مُد جَو کے اجر کے برابر بھی نہیں ہے ——— یہ وہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں فرمایا ہے

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" — اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے خوش

دوسری جگہ انجیل کے حوالے سے فرمایا گیا ہے

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

اور انجیل میں ان اصحابِ محمد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی مثال یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک کھیتی کی طرح جس نے دکھ زدہ اور نرم و نازک اکھوا زمین سے برآمد کیا پھر اس کو طاقت دی پھر وہ موٹا ہوا پھر وہ اپنی ساق پر سیدھا قائم ہو گیا۔ کاشتکار اسے دیکھ دیکھ کے خوش ہوتے ہیں ——— تاکہ جلیں اُن سے دل کافروں کے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ سے جلنے والوں کو "الکفار" فرمایا ہے، پس صحابہؓ سے جلن اور کینہ اور غصہ سے اسی طرح پرہیز کرنا ضروری ہے جس طرح کفر سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب (۳۷) مولانا عبدالحیٔ (جامع مکتوبات جلد ثانی) کے نام

[فضائل کلمہ طیبہ کے بیان میں]

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ ـــــ غضبِ الٰہی کو فرو کرنے کے لیے اس کلمہ سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے ـــــ جب یہ کلمہ طیبہ اس غضب الٰہی کو فرو کر دیتا ہے جو کہ آتش دوزخ میں داخل کرنے کا سبب تھا تو پھر دوسرے غصّوں کو جو کہ اس سے کم درجہ ہیں، بطریق اولیٰ دور کرے گا۔ یہ کلمہ غضب الٰہی کو کیوں فرو نہ کرے جب کہ بندہ اس کو بار بار پڑھ کر اور ماسویٰ کی نفی کر کے سب چیزوں سے روگردان ہو جاتا ہے اور اپنا قبلۂ توجہ، معبود برحق کو بنا لیتا ہے۔ غضب الٰہی کا سبب بندے کی وہ توجہاتِ مختلفہ تھیں جن میں بندہ مبتلا ہو گیا تھا جب توجہات ماسویٰ سے ہٹ کر ایک مرکزِ اصلی پر آ گئیں تو غضب بھی نہ رہا ـــــ اس حقیقت کا مشاہدہ عالمِ مجاز میں کر سکتے ہو۔ مثلاً ایک آقا اپنے غلام سے ناراض ہوا اور اس پر غصہ کرے اور غلام اپنے حسنِ طبیعت کی مدد سے اپنی توجہ کو سب سے ہٹا کر آقا کی طرف کر دے اس وقت آقا کے دل میں خواہ مخواہ غلام کے لیے جذبۂ شفقت پیدا ہو گا اور غصہ و رنج دور ہو جائے گا ـــــ فقیر اس کلمہ طیبہ کو رحمت حق کے اُن ننانوے (۹۹) خزانوں کی کنجی محسوس کرتا اور سمجھتا ہے جن کو آخرت کے لیے ذخیرہ کیا گیا ہے ...... ظلماتِ کفر اور کدوراتِ شرک کو دور کرنے کے لیے اس کلمۂ طیبہ سے زیادہ کوئی سفارشی نہیں ہے ـــــ جس کسی نے اس کلمے کی تصدیق کر کے ذرّہ ایمان بھی حاصل کر لیا ہو گا وہ اگرچہ (بعض) رسوم کفر اور (بعض) رذائل شرک میں (اپنی بدبختی کی وجہ سے) کبھی مبتلا ہو گیا ہو مگر امید ہے کہ اس کلمہ طیبہ کی سفارش سے (بالآخر) عذاب سے باہر آئے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے نجات پا جائے گا .... اس کلمہ کے (کچھ فضائل سنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جس شخص نے صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا ـــــ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ محض لا الٰہ الا اللہ کہہ لینے سے کس طرح جنت کا داخلہ میسر ہو جائے گا؟ درحقیقت وہ لوگ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف

نہیں ہیں ـــــ اس فقیر کو محسوس ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم کو بھی اس کلمہ طیبہ کے (صرف) ایک بار کہنے کی وجہ سے بخش دیں اور بہشت میں داخل کردیں تو گنجائش ہے ـــــ فقیر کو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کلمۂ مقدسہ کی برکات اگر تمام عالم میں تقسیم کردیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سب کو کافی ہوں اور سب کو سیراب کردیں ـــــ پھر جب کہ اس کے ساتھ (اس کا دوسرا جزو) محمد رسول اللہ بھی جمع ہو جائے تو اس وقت اس کی برکات کا کیا ٹھکانہ ہے........ ان دونوں کلموں کا مجموعہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) جامع کمالاتِ ولایت و نبوت اور ان دونوں کمالات کی سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے...... اے اللہ! ہمیں اس کلمۂ طیبہ کی برکات سے محروم نہ رکھنا۔ ہم کو اس بات پر ثابت قدم رکھنا اس کی تصدیق پر ہی ہم کو موت دینا۔ اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہی ہمیں اٹھانا اور اس کلمے کی اور اس کلمے کے مبلغین علیہم الصلوات والتسلیمات کی عزت و حرمت کے طفیل ہم کو جنت میں داخل کرنا....

.... اس کلمہ مقدسہ کی عظمت کا ظہور پڑھنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہوتا ہے جس قدر پڑھنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا اس کلمے کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا۔ یَزِیدُکَ وَجْھُہٗ حُسْنًا اِذَا مَا زِدْتَہٗ نَظَرًا (جس قدر تو اس کے چہرے پر نظر زیادہ ڈالے گا اسی قدر اس کا چہرہ تیری نظر میں اپنا حسن زیادہ کرے گا ـــــ دنیا کے اندر رہ کر معلوم نہیں کہ کوئی آرزو اس آرزو سے زیادہ ہوگی ـــــ کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمۂ طیبہ کی تکرار سے محظوظ ہوا جائے لیکن کیا کیا جائے تمام آرزوئیں میسر نہیں ہوتیں۔ غفلت بھی ہوتی رہی ہے اور حقوق کی ادائیگی کے لیے، مخلوق سے اختلاط کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں ـــــ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

مکتوب (۳۹) سید عبدالباقی سارنگپوری کے نام

[فضیلتِ شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق دریائی حصہ]

...... فضیلتِ شیخین رضی اللہ عنہما بر اجماع اہل سنت ہے۔ بعد انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کوئی بشر نہیں ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت رکھتا ہو ـــــ اس اُمت میں اسبق و اقدم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اُن کے توسل سے (اُن کے بعد) دولتِ افضلیت کا

شرف پایا اور اُن ہی کے توسط سے وہ دوسروں سے افضل ہیں ـــــ اسی بنا پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے تھے اور خطبے میں (جب تک اُن کا لقب امیر المومنین قرار نہ پایا) خلیفہ رسول اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے یاد کیے جاتے تھے۔ اس میدان کے شہسوار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت فاروق اُن کے ردیف (پیچھے بیٹھنے والے) ہیں۔ وہ ردیف بہت اچھا ہے، جو شہسوار کے حقوق رفاقت ادا کرے اور اُس کے خاص اوصاف میں اس کا شریک ہو.......

مکتوب (۴۷) خواجہ محمد قاسم بدخشی کے نام

[نصیحت و تنبیہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ـــــ اللہ کا شکر ہے کہ تمھارے کلام سے حرارتِ طلب معلوم ہوتی ہے اور جمعیتِ قلب کی بُو آتی ہے۔ شاید کہ یہ بات قربِ صحبت کے اثر سے ہو (کیونکہ تھوڑا سا ہی عرصہ ہوا ہے کہ تم مختصر سی صحبت اُٹھا چکے ہو) مگر تمھارے بے فائدہ مشغلوں نے تمھیں موقع نہیں دیا کہ تم ایک ہفتہ بھی یہاں رہتے ـــــ تمھارے کل ایامِ صحبت معلوم نہیں کہ دس روز بھی ہیں یا نہیں؟ خدا سے شرم کرنا چاہیے کہ عمر کے ہزاروں دنوں میں سے ایک دن بھی خدا کے واسطے منتخب نہیں کرتے اور تعلقاتِ گوناگوں سے اپنے آپ کو نہیں چھڑاتے ـــــ تمھارے اوپر صحبت و دلیل قائم ہو چکی ہے اور تم خود بھی محسوس کرتے ہو کہ اس صحبت کی ایک ساعت ریاضت کی بہت سی چلہ کشی سے بہتر ہے اس کے باوجود تم (یہاں کی) صحبت سے گریزاں ہو اور بہانے بنا کر اپنے آپ کو یہاں سے دُور رکھتے ہو ـــــ تمھارا جوہر استعداد نفیس ہے لیکن کیا فائدہ؟ جب کہ قوت سے فعل میں نہیں آیا ـــــ تمھاری استعداد بلند ہے لیکن تمھاری ہمت پست ہے ـــــ بچوں کی طرح سے جوہر ہائے نفیس کو چھوڑ کر حقیر ٹھیکریوں سے مانوس ہو گئے ہو۔ ــہ

لہ یہ غالباً خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کے صاحبزادے ہیں۔ جواہر ہاشمیہ میں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے تحریر ہے کہ ایک صاحب زادے خواجہ سید قاسم تھے اُن صاحب زادے کے متعلق ایک زمانہ تک برہان پور میں قیام کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک دستاویز پر العبد فقیر محمد قاسم بن خواجہ محمد ہاشم مرحوم بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۰۶۹ھ تحریر دیکھی گئی۔ جواہر ہاشمیہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے والد ماجد کے خلیفہ بھی تھے۔

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت ؏ کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور[1]

اب بھی کچھ نہیں گیا ہے ــــ اصل کی طرف توجہ لگائی جائے ــــ بہترین بات تو صحبتِ اربابِ جمعیت ہے اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی میں ــــ جس کو تم نے ایک صاحبِ دولت سے حاصل کیا ہے ــــ مشغول رکھا جائے اور جو چیزیں ذکر کے منافی ہیں اُن سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ حلال و حرام کا بہت خیال رکھا جائے۔ سستی میں اپنا وقت نہ گزاریں۔ پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پابندی کے ساتھ پڑھیں۔ تعدیلِ ارکان میں پوری کوشش کریں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ اوقاتِ مستحبہ میں نماز ادا ہو ــــ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

مکتوب (۴۸) خواجہ محمد طالب بدخشی کے نام

[تعزیت اور مقامِ رضا کی ترغیب میں]

الحمد للہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ــــ خواجہ محمد طالب، ہمیشہ مطلوب کے چاہنے والے رہیں ــــ (اپنے فرزند) محمد صدیق کی خبرِ وفات تم نے تحریر کی تھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ برادرِ عزیز! حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مومنوں کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں چاہے وہ اموال ہوں چاہے وہ جانیں ہوں۔ زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے ــــ پس ناچار اللہ تعالیٰ کا فعل بھی عزیز تر اور محبوب تر ہوگا ــــ (بلکہ مناسبِ مقام تو یہ ہے کہ عاشق، محبوب کے فعل سے لذت یاب اور خوش ہو ــــ صبر کی میں تم کو کیا تلقین کروں کیوں کہ اس تلقینِ صبر سے کراہت کی طرف اشارہ ہوتا ہے (کہ تم اس فعل کو ناگوار سمجھتے ہوگے) ــــ مقامِ رضا ہرچند رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے لیکن (فعلِ محبوب سے) لذّت پانا اور مزہ محسوس کرنا یہ ایک بات ہی دوسری ہے ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ؏ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت[2]

والسلام ......

---

[1] صبح کے وقت روزِ روشن کی طرح تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ اندھیری رات میں تو نے کس سے عشق بازی کی تھی۔

[2] عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑکا تو معشوق کے علاوہ جو کچھ بھی ہے سب کو جلا ڈالا۔

مکتوب (۴۹) خواجہ گدا کے نام

[اس بیان میں کہ ماسویٰ سے فراموشی طریقت کا پہلا قدم ہے]

نحمدہٗ ونصلی علی نبیہٖ ونسلّم وعلیہ وآلہ الکرام ـــــ خواجہ محمد گدا سے جو نصیحت کی جا رہی ہے وہ یہ ہے ـــــ کہ عقائد کی تصحیح اور احکام فقہیہ کی بجا آوری کے بعد، ذکر الٰہی کی مداومت رہے اُس طریقے پر کہ ہم سے سیکھا ہے۔ چاہیے کہ ذکر اس قدر غالب آجائے کہ غیر اللہ کو باطن میں باقی نہ چھوڑے اور غیر اللہ سے ہر قسم کا تعلق، قلب سے زائل کر دے ـــــ اُس وقت قلب کو ماسویٰ سے فراموشی حاصل ہوگی اور وہ غیر اللہ کو دیکھنے اور جاننے سے فارغ ہو جائے گا۔ پھر تو بہ تکلف بھی اشیاء کو (ماسویٰ کو) یاد دلائیں گے تب بھی قلب اُن کو یاد اور شناخت نہ کرے گا، ہمیشہ مطلوب حقیقی میں غرق رہے گا جب معاملہ یہاں تک پہنچے گا تو اس راہ کا ایک قدم اُس نے (سالک نے) طے کیا ہوگا۔ کوشش کریں کہ کم از کم اس ایک قدم میں ہی کوتاہی نہ ہو اور غیر اللہ کی "دید و دانش" میں گرفتار نہ رہیں ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

(توفیق و سعادت کی گیند میدان میں ڈال دی گئی ہے بازی لے جانے کے لیے میدان میں کوئی شہسوار بھی نکل کر نہیں آتا، شہسواروں کو کیا ہو گیا ہے؟) ....

مکتوب (۵۰) مرزا شمس الدین کے نام

[اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اور ابتدائے انتہا تک شریعت کے بغیر چارہ نہیں]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت! صورتِ شریعت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر اور رسولِ خدا جو اللہ کی طرف سے شریعت لائے ہیں اُس پر ایمان لانے کے بعد ـــــ احکامِ شرعیہ بجالائے جائیں، باوجود نفسِ امّارہ کی سرکشی کے جو اُس کی آفرینش میں رکھی ہوئی ہے ـــــ اس مقام پر ایمان، صورتِ ایمان ہے۔ نماز، صورتِ نماز ہے اور روزہ، صورتِ روزہ ہے علیٰ ہذا القیاس تمام احکام شرعیہ۔ اس لیے کہ جب نفس ـــــ کفر و انکار

پڑتا ہوا ہے تو پھر حقیقتِ ایمان اور حقیقتِ اعمال صالحہ کیسے متصور ہو سکتی ہے ــــ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بات ہے کہ محض صورتِ ایمان و اعمال کو قبول فرما کر اُس جنت میں داخل ہونے کی بشارت دے دی جو اُس کا محل رضا ہے ــــ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ایمان کے اندر اُس نے (صرف) تصدیق قلبی پر اکتفا فرمایا ہے اور نفس کے ایقان کی تکلیف نہیں دی ہے ــــ ہاں جنت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اصحابِ صورت، صورتِ جنت سے بہرہ ور ہوں گے اور اربابِ حقیقت، حقیقتِ جنت سے۔ اصحابِ صورت اور اربابِ حقیقت ایک ہی قسم کے میوے کو استعمال کریں گے مگر صاحبِ صورت اس میں ایک قسم کی لذت پائے گا اور صاحبِ حقیقت دوسری قسم کی ــــ ...... یہ صورتِ شریعت (بھی) بشرطِ استقامت، فلاح و نجاتِ اُخروی کا سبب اور داخلۂ جنت کا باعث ہے۔ جب صورتِ شریعت کو دُرست کر لیا ولایتِ عامہ حاصل ہو گئی (جیسا کہ قرآن شریف میں ہے) واللّٰہُ ولیُّ الذین آمنُوا ــــ (خدا ان کا دوست ہے جو ایمان لائے) ــــ اس وقت اللہ کی عنایت سے سالک اس لائق ہو گیا کہ طریقت کے میدان میں قدم رکھے اور ولایتِ خاصہ میں داخل ہو، نیز نفس کو سرکشی سے آہستہ آہستہ اطمینان کی طرف کھینچے، (نفسِ مطمئنہ بنائے) لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ولایتِ خاصہ تک کی منزلوں کا طے کرنا بھی اعمالِ شریعت سے وابستہ ہے ــــ ذکرِ الٰہی جو اس راہِ طریقت کا اعلیٰ توشہ ہے وہ خود ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے ــــ مناہیِ شرعیہ سے بچنا بھی ضروریاتِ دین سے ہے۔ خود ادائے فرائض بھی قربِ خداوندی کا باعث ہے ہی ــــ اور راہِ بین و راہ نما پیر و مرشد (جو کہ وسیلہ ہے) کی تلاش بھی مامورِ شرعی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابتغوا الیہِ الوسیلۃ ــــ حاصل کلام یہ کہ شریعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے چاہے صورتِ شریعت ہو چاہے حقیقتِ شریعت ــــ اس لیے کہ تمام کمالاتِ ولایت و نبوت کی جڑ احکامِ شرعیہ ہیں ــــ کمالاتِ ولایت، صورتِ شریعت کے نتائج ہیں اور کمالاتِ نبوت، حقیقتِ شریعت کے ثمرات ہیں......

مکتوب (۵۳) مشائخ عصر میں سے ایک صاحب کے نام، اُن کے ایک سوال کے جواب میں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ نے اپنی اس حالت کا علاج دریافت کیا ہے کہ جب میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتا ہوں تو نفس میں یہ احساس اور غرور پیدا ہوتا ہے کہ میں بہت ہی نیک اور بڑا عبادت گزار ہوں اور جب مجھ سے کوئی حرکت خلافِ شرع سرزد ہو جاتی ہے تو مجھ میں

خاکساری ولاچاری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

مگر ما! دوسری صورت میں خاکساری ولاچاری کا جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اس ندامت کا نتیجہ ہے جو توبہ کا ایک شعبہ ہے، اگر معاذ اللہ خلافِ شرع کام کے بعد ندامت بھی پیدا نہ ہو اور گناہ کے بعد بھی نفس خوش اور مگن رہے تو یہ گناہ پر اصرار ہے۔ اور صغیرہ پر اصرار کبیرہ تک پہونچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار تو کفر کی دہلیز ہے۔ بہر حال گناہ ہوجانے کے بعد ذلت وخواری کا جو احساس پیدا ہوتا ہے یہ نعمتِ الٰہی ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کیفیت میں اور ترقی واضافہ ہو اور وہ گناہ کے ارتکاب سے باز رکھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کروگے تو میں اور زیادہ نعمتوں سے تم کو نوازوں گا)

اور پہلی حالت جو آپ نے لکھی ہے (کہ عبادت وریاضت کرنے سے غرور اور بالاتری کا احساس پیدا ہوتا ہے) یہ دراصل عُجُب کی کیفیت ہے اور یہ سَمِّ قاتل اور مہلک مرض ہے جو اعمالِ صالحہ کو اس طرح نیست ونابود کردیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلاکر راکھ کردیتی ہے۔ اور اس بیماری کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت وغیرہ اعمالِ صالحہ کو بہت اچھا اور قیمتی سمجھتا ہے اور اس کا علاج اس کے برخلاف رویہ اختیار کرنا ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنی حسنات کو بدگمانی کی نظر سے دیکھے اور ان کے اندر جو خرابیاں اور برائیاں چھپی ہوئی ہیں اُن پر نظر جمائے، پھر وہ محسوس کرے گا کہ اس کے وہ اعمال قابل قبول ہی نہیں ہیں اور وہ خود بھی مقبولوں میں نہیں ہے، بلکہ مردودوں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"بہت سے لوگ ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔"

اور ایک دوسری حدیث میں ہے

"کتنے ہی روزہ رکھنے والے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ان کے روزہ کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں اور کتنے ہی تہجد گزار ہیں جن کے تہجد کی حقیقت اور اس کا انجام بے خوابی اور بیداری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"

کسی کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ اس کے اعمالِ حسنہ خرابی سے خالی ہیں'—— ذرا بھی غور وتوجہ سے اگر وہ دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے اعمالِ حسنہ میں ساری خرابیاں دیکھ لے گا اور حسن وخوبی کی بو بھی ان میں محسوس نہ کرے گا۔ کیسا عُجُب اور کہاں کا احساس بالاتری! بلکہ اپنے ان

اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کے احساس سے وہ شرمندہ اور دل شکستہ ہوگا اور یہی چیز اس کے اعمال کی قیمت عند اللہ بڑھادے گی اور ان کو قابل قبول بنادے گی، بس اس کی کوشش کریں کہ اپنے اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی عادت ہو جائے۔ اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ——— اللہ کے جن بندوں کو یہ بات پوری طرح نصیب ہو جاتی ہے وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا لکھنے والا داہنی طرف کا فرشتہ بالکل معطل اور بے کار بیٹھا ہے اور ان کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں لکھی جارہی ہے اور گناہوں کا لکھنے والا بائیں جانب کا فرشتہ برابر لکھنے میں مشغول ہے اور ہر عمل سراسر قصور اور گناہ ہے اور وہ فرشتہ ہر عمل کو گناہوں کے خانہ میں لکھ رہا ہے جب عارف اس سرحد پر پہونچ جاتا ہے تو کیا بتایا جائے کہ رب کریم کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے ؎ قلم اینجا رسید و سر بشکست (یہاں پہونچ کے قلم ٹوٹ گیا آگے کچھ لکھنے کے قابل نہیں رہا۔)

مکتوب (۵۵) صاحبزادگان گرامی قدر خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصومؒ کے نام

[اس بیان میں کہ در اصل قرآن مجید ہی تمام احکام شرعیہ کا اصل ماخذ ہے، پھر اس ضمن میں اجتہاد اور الہام کے بارے میں خاص تحقیقات اور ائمہ مجتہدین میں سے امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کی فقہ کا امتیاز۔]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کو جامع اور ان پر حاوی ہے...... البتہ شریعت کے بعض احکام وہ ہیں جو قرآن مجید کے عبارۃ النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص سے سمجھے جاتے ہیں اور اس وجہ سے تمام عربی داں کسی حد تک ان کو سمجھ سکتے ہیں، اور بعض احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی راہ سے سمجھ میں آتے ہیں، قرآن مجید سے ان احکام کا فہم و استنباط صرف ائمہ مجتہدین کا حصہ ہے......

اور ایک تیسری قسم احکام کی اور بھی ہے اور وہ وہ احکام ہیں جن کو (قرآن مجید سے) کوئی انسان اپنی زباں دانی یا اجتہادی صلاحیت سے خود نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ قرآن مجید کا نازل کرنے والا حق تعالیٰ خود نہ بتلائے اور یہ صرف پیغمبرؐ کا حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے جو احکام تعلیم

فرمائے ہیں ان کی نوعیت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تفہیم سے آپ نے ان کو خود قرآن مجید سے سمجھا ہے اور اپنی طرف سے بیان فرمایا ہے۔ اسی لیے ان احکام کو حدیث اور سنت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ امت کو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا اصل ماخذ بھی قرآن مجید ہی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مخصوص تعلیم اور تفہیم سے ان احکام کو قرآن ہی سے سمجھا ہے ....

(اس کے بعد حضرات انبیا علیہم السلام اور حضرات مجتہدین کرام کے اجتہاد کے بارے میں ایک نہایت دقیق اور تفصیلی بحث فرمانے کے بعد اور یہ بتلانے کے بعد کہ بعض اوقات کامل مجتہد کے اجتہاد کی بنیاد اتنی دقیق اور غامض ہوتی ہے کہ عام اہل علم اور بہت سے اصحاب اجتہاد کے لیے بھی اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے، فرماتے ہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں جب نزول فرما ہوں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت ہی کا اتباع کریں گے۔ اور اجتہادی مسائل میں مجتہدین کی طرح اجتہاد سے بھی کام لیں گے، اور بعید نہیں ہے کہ بہت سے ظاہر بیں علما ان کے اجتہاد کی بنیاد اور ماخذ کے دقیق ہونے کی وجہ سے ان سے اتفاق نہ کریں، جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہوا ہے کہ ورع وتقویٰ اور سنتِ نبویؐ کے کامل اتباع کی برکت سے وہ اجتہاد و استنباط کے اس مقام عالی پر فائز ہوئے جہاں دوسرے نہیں پہونچ سکے، بلکہ دوسروں کو اس کا سمجھنا بھی مشکل ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے ان کو کتاب وسنت کا مخالف جانا، اور ان کا اور اُن کے خاص تلامذہ کا نام ہی "اصحاب رائے" رکھ دیا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ان کی بالغ نظری اور ان کی فقیہانہ فراست ودرایت کے مقام کو نہیں سمجھا جا سکا، حضرت امام شافعیؒ نے ان کے اجتہاد وتفقہ کی گہرائی اور باریکی کو کسی درجہ میں سمجھا تو اعتراف کیا اور کہا "الفقهاء كلهم عيال أبي حنيفة" (سارے فقہا اور مجتہدین امام ابو حنیفہ کے آل وعیال ہیں) افسوس ہے ان لوگوں کی جسارت بے جا پر جو اپنے قصورِ نظر کی وجہ سے دوسروں میں قصور دیکھتے ہیں۔....

..... بلا شائبہ تعصب اور بغیر کسی بناوٹ کے کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت نظر کشفی میں ایک عظیم دریا کی طرح نظر آتی ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذہب تالابوں اور چھوٹی نہروں کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کا سوادِ اعظم فقہ حنفی کی پیروی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مسلک اصول وفروع میں دوسرے تمام مسلکوں کے مقابلہ میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔...... عجیب معاملہ

ہے امام ابو حنیفہ کا قدم حدیث و سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرسل حدیثوں کو مسند حدیثوں کی طرح واجب الاتباع سمجھتے ہیں، اور اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں مقدم رکھتے ہیں۔ اسی طرح صحابۂ کرام کے اقوال اور فتاوی کو اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں مقدم رکھتے ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام کے اقوال اور فتاوی کو اپنی رائے کے مقابلہ میں مقدم اور واجب الاتباع مانتے ہیں۔ دوسرے حضرات کا طریقہ یہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود مخالفین ان کو "صاحبِ رائے" کہتے ہیں۔ اور ایسے الفاظ سے ان کو یاد کرتے ہیں جو حد ادب سے نکل جاتے ہیں ...... حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو توفیق دے کہ دین کے اس امام اور پیشوا کے ساتھ وہ اپنے رویہ کو صحیح کریں۔ اور اپنی تیز کلامیوں سے اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہونچائیں ...... افسوس! کچھ لوگ جو خود کمالِ علمی سے محروم ہیں چند حدیثیں یاد کرکے اور شریعت کے احکام کو انھیں میں منحصر سمجھ کر اپنے کو ہمہ داں سمجھنے لگے ہیں۔ اور جو کچھ خود نہیں جانتے ہیں اپنے کو اس کی نفی اور انکار کا حقدار سمجھتے ہیں۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است ؎ زمین و آسمانِ او ہمان است

افسوس ہے ان کے بے جا تعصب پر اور ان کی حقیقت ناشناس نگاہ پر ...... لیکن مذہبِ حنفی کے بارے میں اپنے اس یقین و اطمینان اور عملاً اس کے التزام کے باوجود مجھے حضرت امام شافعیؒ سے ذاتی محبت ہے اور میرے دل میں ان کی بڑی عظمت ہے اور اسی لیے بعض نفلی اعمال میں اُن کے مسلک کی پیروی کرتا ہوں،

اس طویل تمہید کے بعد اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں ...... یہ بات تو معلوم اور ثابت ہو چکی کہ احکام شرعیہ کے ثبوت میں اعتبار بس کتابؒ و سنتؒ اور مجتہدین کے قیاسؒ و اجماعؒ اُمت کا ہے۔ ان چار دلائلِ شرعیہ کے بعد کوئی پانچویں دلیل نہیں ہے جس سے کوئی حکم شرعی ثابت کیا جاسکے۔ مقربین بارگاہ خداوندی کا الہام اور اہلِ قلوب کا کشف ایسی چیز نہیں ہے جس سے کسی چیز کی حلت و حرمت یا اس کا فرض یا سنت ہونا ثابت کیا جاسکے۔ خواص اولیاء اللہ کو مجتہدین کی تقلید اسی طرح ضروری ہے جس طرح عام مسلمانوں کو کشف والہام کی وجہ سے وہ مجتہدین کی تقلید کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتے۔ ذوالنون مصریؒ، بایزید بسطامیؒ اور جنیدؒ و شبلیؒ، اجتہادی اور فقہی احکام میں زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ عام مسلمانوں کی طرح

عہ اُس کیڑے کی مانند جو ایک پتھر میں پوشیدہ رہ کر زندگی گزارتا ہے اور اس کے لیے وہی پتھر زمین و آسمان ہے۔

مجتہدین کی تقلید کے پابند ہیں، عام مسلمانوں کے مقابلہ میں ان اکابر کی فضیلت، دوسری باتوں میں ہو۔ یہ صاحب کشف و مشاہدہ ہیں۔ تجلیات اور ظہورات ان کا خاص حصہ ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ محبوب حقیقی جل جلالہٗ کی محبت سے سرشار ہو کر یہ اس کے ماسوا سے کٹ گئے ہیں اور غیر کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں اُسی سے واصل ہیں اور وہی اور صرف وہی ان کو حاصل ہے۔ دنیا میں رہ کر دنیا سے بے تعلق ہیں اور خود اپنے کو بھی بھلا دیا ہے۔ جیتے ہیں تو بس اس کے لیے جیتے ہیں اور مرتے ہیں تو بس اس کے لیے مرتے ہیں ......
ان کا الہام صحیح ہوتا ہے اور ان کو ایک طرح کا شرفِ ہم کلامی حاصل ہوتا ہے ان کے خواص اور اکابر کے قلوب میں اللہ تعالیٰ خاص معارف و اسرار براہِ راست القا فرماتا ہے اور معارف اور اسرار کے اس خاص دائرہ میں یہ اپنے الہام کی اسی طرح پیروی کرتے ہیں جس طرح مجتہد اپنے اجتہاد کی پیروی کرتا ہے...... بہر حال اولیاءِ عارفین کے یہ علوم و معارف اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں۔ جن سے حق تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں کو نوازتا ہے، اگرچہ یہ بھی احکام شرعیہ کی پیروی کے ثمرات ہوتے ہیں۔ اور جس طرح درخت کے بغیر پھل کی توقع کرنا بے وقوفی کی بات ہے، اسی طرح شریعت کی پیروی کے بغیر معارف اور اسرارِ الٰہی کی تمنا کرنا بھی سراسر بے عقلی اور حقیقت ناشناسی ہے، بہر حال جو شریعت کی پیروی نہیں کرتا وہ معرفت سے بے نصیب ہے، اور اگر کوئی چیز معرفت کے قبیل کی محسوس کرتا ہے تو وہ معرفت نہیں استدراج ہے جو جوگیوں اور سادھوؤں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے "کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فھو زندقۃ والحاد"[1] ....
بہر حال یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کے بارہ میں خاصانِ خدا کے قلوب پر کچھ ایسے معارف اور اسرار و حقائق وارد ہوں جن سے شریعت ساکت ہو، یا اپنے ذاتی حرکات و سکنات کے بارہ میں وہ اللہ تعالیٰ کا اذن یا غیر اذن، مرضی یا نامرضی محسوس کریں، ان باتوں کا چونکہ احکام شرعیہ سے تصادم نہیں ہوتا اس لیے یہ حضرات اپنے ذاتی رویہ میں اپنے ان الہامی معارف اور وجدان کی پیروی کرتے ہیں اور اس طرح ان حضرات کی عام حرکات و سکنات، بجائے خواہش نفس کے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے اذن و حکم سے وابستہ ہو جاتی ہیں......... اسی سے ان بزرگوں کی بلند مقامی کو سمجھا جا سکتا ہے.......

---

[1] ہر وہ حقیقت جس کو شریعت نے رد کر دیا در اصل بے دینی ہے۔

مکتوب (۵۷) ملا غازی کے نام

(۱) ذکر اللہ اور درود شریف میں سے کون کس وقت افضل ہے
(۲) کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہونچتا

کچھ عرصے سے حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا اشتغال رکھتا تھا اور انواع و اقسام کے درود پڑھتا تھا اور نتائج و ثمرات بھی اس پر مرتب پاتا تھا، نیز اسرار ولایت خاصہ محمدیہ کی جانب راہ یاب ہوتا تھا ——— جب کچھ مدت اس عمل پر گزری اتفاقاً اس عمل کے التزام میں سستی رونما ہوئی اور اشتغال کی توفیق زائل ہوگئی اور صرف اُن درودوں پر اکتفا کیا جو نماز میں معین ہیں ——— اب یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ تسبیح و تقدیس اور تہلیل میں مشغول رہوں۔ دل میں کہتا تھا کہ اس امر میں کوئی حکمت ضرور ہوگی دیکھو کیا بات ظاہر کرتے ہیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود پڑھنے سے بہتر ہے، درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس ذات گرامی پر درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی ——— دو وجہ سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس شخص کو میرا ذکر سوال و درخواست سے باز رکھے میں اس کو اُن لوگوں سے بہتر اور زیادہ تر دیتا ہوں جو مجھ سے سوال کرتے ہیں" ———

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ماخوذ ہے۔ ذکر کا ثواب جس طرح ذاکر کو ملتا ہے آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس ثواب کے مثل ملتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ——— "جس شخص نے کسی طریقۂ نیک کی بنا رکھی ہیں اس کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جو شخص بھی اس نیک طریقے پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی" ——— اسی طرح ہر عمل نیک جو کسی اُمتی سے وجود میں آتا ہے اس کا اجر جس طرح عامل کو ملتا ہے پیغمبر کو بھی جو اس عمل کے مقرر کرنے والے ہیں، اسی قدر اجر ملتا ہے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو ——— اور اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل نیک کرنے والا پیغمبر کو ثواب پہونچانے کی نیت سے عمل کرے۔ اس لیے کہ یہ اجر کا دینا محض عطائے حق ہے۔ عمل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ اگر عمل کرنے والا پیغمبر کی نیت بھی کرے گا تو یہ امر خود عامل کے اجر و ثواب کی زیادتی کا باعث ہوگا اور یہ زیادتی اجر و ثواب بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے گی ———

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ــــ اس میں شک نہیں کہ ذکر سے مقصودِ اصلی یادِ حق ہے اور اجر کا طلب کرنا اس کے ضمن میں ہے اور درود شریف میں مقصودِ اصلی طلبِ اجر و حاجت ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے ــــ پس وہ فیوض و برکات جو واسطۂ ذکر سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچتے ہیں اُن فیوض و برکات کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ ہوں گے جو از راہِ درود ان کو پہونچتے ہیں ــــ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہر ذکر یہ رتبہ نہیں رکھتا ــــ جو ذکر، لائقِ قبول ہے وہی اس خصوصیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر ایسا ذکر نہیں ہے تو درود ہی کو اس پر فضیلت ہوگی اور درود وہی سے وصولِ برکات کی زیادہ توقع ہوگی ــــ ہاں ایسا ذکر جس کو طالب کسی شیخِ کامل سے حاصل کرے اور شرائطِ طریقہ کے ساتھ اس پر مداومت کرے وہ درود سے افضل ہے .... اسی لیے مشائخِ طریقت نے مبتدی کے لیے سوائے ذکر کرنے کے کچھ تجویز نہیں کیا ہے اور اس کے حق میں فرائض (واجب) اور سنن کو کافی سمجھا ہے اور امورِ نافلہ سے منع کیا ہے۔

اس بیان میں واضح ہوا کہ امت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اپنے پیغمبر سے مساوات پیدا کر سکے اگرچہ وہ فرد، کمالات میں بڑے درجہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ کمالات جو اس کو حاصل ہوئے ہیں شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں۔ پس یہ تمام کمالات جو اس فرد کو حاصل ہیں پیغمبر کے لیے بھی ثابت ہوں گے ــــ دوسرے متبعین کے کمالات اور کمالاتِ مخصوصۂ پیغمبر کے ساتھ ساتھ۔ اسی طرح وہ فردِ کامل کسی اور پیغمبر کے رتبے کو بھی نہیں پہونچ سکتا اگرچہ اس پیغمبر کی کسی ایک شخص نے بھی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو کسی نے بھی قبول نہ کیا ہو ــــ ہر پیغمبر اصل میں صاحبِ دعوت ہے اور تبلیغِ شریعت پر مامور ــــ امتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا ــــ اور یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہے کہ کوئی کمال، دعوت و تبلیغ کے مرتبے کو نہیں پہونچتا ــــ اس لیے کہ اللہ کے بندوں میں وہ بندہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے جو بندوں کی دوستی اللہ سے اور اللہ کی دوستی بندوں سے کرادے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام داعی و مبلغ ہی کا ہے ــــ تم نے سنا ہوگا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی، شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور علماء کی سیاہی و روشنائی کا پلہ، شہداء کے خون کے پلہ سے بھاری ہوگا ــــ اُمت کو یہ دولتِ دعوت و تبلیغ بالاصالہ میسّر نہیں ہے، جو کچھ بھی دعوت و تبلیغ ان کے پاس ہے وہ پیغمبر کے طفیل میں ضمنی طور پر ہے۔ اصل اصل ہوتا ہے اور

فرع اصل سے نکلتی ہے ـــــ اس مقام سے اس اُمت کے اندر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی فضیلت سمجھنی چاہیے ـــــ دعوت و تبلیغ کے مختلف درجات ہیں اور "داعیان و مبلغان" کے درجات میں بھی فرق ہے ـــــ علماء کا وظیفہ خاص احکامِ ظاہر کی تبلیغ ہے۔ صوفیہ احکامِ باطن کا اہتمام کرتے ہیں ـــــ اور جو عالم بھی ہو اور صوفی بھی، وہ تو اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور وہی ظاہر و باطن کی دعوت و تبلیغ کے شایانِ شان ہے اور (درحقیقت) وہی نائب و وارثِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

علماء کی ایک جماعت اس اُمت کے مُحدّثین کو، جو کہ تبلیغ احادیثِ نبوی کرتے ہیں، اس اُمت میں افضل سمجھتی ہے ـــــ اگر ان کو مطلقاً افضل سمجھتے ہیں تو اس میں جائے تردد ہے اور اگر فقط مُبلغانِ ظاہرِ احکام کے مقابلے میں اُن کو افضل سمجھتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے ـــــ مطلق افضلیت تو اس جامع مبلّغ کے لیے ہے کہ جو تبلیغ ظاہر بھی کرے اور تبلیغ باطن بھی (یعنی) ظاہر و باطن دونوں کی دعوت دے ـــــ ......

...... ہاں ظاہر ہر چند عمدہ اور مدارِ نجات ہے، نیز کثیر البرکۃ اور عموم المنفعۃ ہے، لیکن ظاہر کا کمال باطن سے وابستہ ہے، ظاہر بغیر باطن کے ناتمام ہے اور باطن بے ظاہر کے بدانجام ہے ـــــ اور جو شخص باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کرلے تو یہ اکسیر اعظم ہے۔ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ـــــ والسّلام علٰی من اتّبع الهدیٰ ـــــ

مکتوب (۶۰) محمد تقی کے نام

[اس بیان میں کہ غیر اہم باتوں سے باز رہ کر ضروریات دین میں مشغول رہنا چاہیے۔]

الحمد للہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ تمہارے خط کے مطالعے سے مشرف ہوا ـــــ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے برحق ہونے اور خلفاء راشدینؓ کی ترتیب خلافت کے مطابق افضلیت کے بارے میں نیز اختلافاتِ صحابہؓ کے سلسلے میں سکوت اختیار کرنے کے بارے میں جو لکھا ہے اور جو دلائل تم نے درج کیے ہیں اُن سے فرحت فراواں ہوئی ـــــ بس اتنا ہی اعتقاد بحث امامت میں کافی ہے اور موافقِ اہل سنت و جماعت ہے ـــــ مخدوما! بحثِ امامت فروعِ دین سے ہے، اُصولِ شریعت میں سے نہیں ہے۔ ضروریات دوسرے ہیں کہ جو اعتقاد و عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ علم کلام اور علم فقہ، اعتقاد و عمل کے متکفل ہیں ـــــ ضروریاتِ دین کو چھوڑ کر فضولیات و زوائد میں مشغول ہونا اپنی عمر کو لایعنی

وغیر ضروری کاموں میں صرف کرنا ہے ـــــ حدیث میں آیا ہے ـــــ بندے کا لایعنی وغیر ضروری میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ سے اُس کے اعراض کی علامت ہے" اگر بحثِ امامت ضروریاتِ دین اور اصولِ شریعت سے ہوتی جیساکہ شیعہ گمان کرتے ہیں تو ضروری تھا کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کتاب مجید میں خلیفہ کا تعین وتقرر فرما دیتا اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلافت کا حکم کسی ایک کے متعلق صراحۃً فرماتے اور کسی کو تصریح کے ساتھ خلیفہ بنا دیتے ـــــ چونکہ کتاب وسنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا اس لیے معلوم ہوا کہ بحث امامت غیر ضروری وزائد بحث ہے جو اُصولِ دین سے نہیں ہے ـــــ کوئی فضولی ہی ہوگا جو فضولیات وزوائد میں مشغول رہے ـــــ دین کی اتنی ضروریات سامنے ہیں کہ غیر ضروری باتوں کی نوبت ہی نہیں آسکتی سب سے پہلے تصحیح عقائد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال واجبی سے ہے ـــــ اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اور دین کی جو باتیں یقین وتواتر سے معلوم ہوئی ہیں، مثلاً حشر ونشر، عذاب وثواب اُخروی، دائمی اور وہ تمام باتیں جو شارع علیہ السّلام سے سُنی گئی ہیں ـــــ سب حق ہیں اُن میں عدم وجود اور تخلف کا کوئی احتمال نہیں ہے ـــــ اگر یہ اعتقاد نہ ہوگا نجات نہ ہوگی ـــــ علاوہ ازیں احکام فقہیہ کی ادائیگی کے بغیر چارہ نہیں اور ادائے فرائض وواجبات بلکہ ادائے سنن ومستحبات کے بغیر کوئی راستہ نہیں ـــــ شریعت کی حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حدودِ شریعت میں احتیاط برتنی چاہیے تاکہ عذاب آخرت سے چھٹکارا نصیب ہو ـــــ جب اعتقاد وعمل درست کرے گا تب کہیں طریقِ صوفیہ کی نوبت آئے گی اور کمالاتِ ولایت کا امیدوار بن سکے گا ـــــ بحثِ امامت ضروریاتِ دین کے مقابلے میں بالکل معمولی چیز ہے ـــــ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ چونکہ مخالفین اہل سنت نے اس بحث میں حد سے تجاوز کیا ہے اور اصحاب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن وتشنیع کرتے ہیں لہٰذا ضرورت کی بنا پر اُن مخالفین کے رد میں طویل طویل تحریرات لکھی گئی ہیں ـــــ اس لیے کہ دینِ متین سے فساد کو دور کرنا یہ بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ والسلام

مکتوب (۶۱)

[مولانا احمد برکی مرحوم کی تعزیت اور اُن کے متوسلین کو نصیحت۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــــ مغفرت پناہ

مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی تعزیت کرتے ہوئے لکھتا ہوں ـــــ مولانا کا وجود شریف اس وقت میں مسلمانوں کے لیے حق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا ـــــ اے اللہ اُن کے غم کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور ہمیں اُن کے بعد آزمائش میں مبتلا نہ کرنا ـــــ دوستوں سے امید ہے کہ گزرے ہوؤں کی (بذریعہ ایصال ثواب) امداد و اعانت کریں گے۔ اور سب سے یہی سوال ہے ـــــ نیز تمام محبوں اور مخلصوں کو لازم ہے کہ مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت گاری اور دلجوئی کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ مرحوم کے فرزند تعلیم یافتہ ہوکر علوم شرعیہ سے مزین ہو جائیں مرحوم کے احسانات کا معاوضہ اُن کے فرزندوں پر احسان کی صورت میں دیں۔ ھل جزاءُ الاحسان الا الاحسان (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) ـــــ مرحوم کے طور طریقے کی رعایت اور اُن کے جیسے احوال و اوقات کا لحاظ رکھیں ـــــ "طریقۂ ذکر" اور حلقۂ مشغولی" میں کوتاہی واقع نہ ہونے پائے ـــــ سب اہلِ طریق جمع ہوکر بیٹھیں .... تاکہ اثرِ صحبت ظاہر ہو ـــــ فقیر نے اس سے پہلے یوں ہی اتفاقیہ طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا (احمد برکی) کوئی سفر اختیار کریں تو اس وقت شیخ حسن کو قائم مقام بنا دیا جائے، قضا و قدر کے نزدیک اُس سفر سے سفرِ آخرت مراد تھا ـــــ اس وقت بھی بار بار غور کرنے کے بعد شیخ حسن ہی کو ان کی جانشینی کے لیے مناسب سمجھتا ہوں، یہ بات دوستوں پر گراں نہ گزرے کیونکہ یہ ہمارے اور اُن کے اختیار کی بات نہیں ہے ـــــ اس معاملے میں فرمانبرداری لازم ہے۔ شیخ حسن کا طور و طریقہ مولانا کے طور طریقہ سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے ـــــ آخر میں مولانا نے جو ایک نسبت خاص ہماری جانب سے اخذ کی تھی شیخ حسن کو اُس نسبت میں شرکت حاصل ہے ـــــ "یارانِ دیگر" اس حقیقت سے قلیل النصیب ہیں ـــــ .... حاصلِ کلام یہ ہے کہ دوستوں کو چاہیے کہ شیخ حسن کو قائم مقام بنانے میں پس و پیش نہ کریں اُن کو ہی "سرِ حلقہ" جان کر اپنے کام میں مشغول ہوں ـــــ اخوی خواجہ اویس میری اس تجویزِ جانشینی کو دوستوں کے ذہن نشین کر کے حلقۂ مشغولی کی جانب رہنمائی کریں ـــــ اور وہ شیخ حسن کو بھی اس کی ترغیب دیں ـــــ شیخ حسن کو بھی چاہیے کہ اپنے پیر بھائیوں کا خیال خاطر رکھیں اور حقوقِ برادری اچھی طرح ادا کریں ـــــ مطالعہ کتب فقہ کو نہ چھوڑیں اور شریعت کے احکام کی اشاعت کریں ـــــ متابعتِ سنّتِ مطہرہ کی ترغیب دیں بدعت سے ڈرائیں اور طریق التجا و تضرع و زاری کو ہاتھ سے نہ دیں ـــــ ایسا نہ ہو کہ اقران و اماثل پر تقدم و ریاست حاصل ہو جانے سے نفسِ امارہ اُن کو جا دے ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و ابتر کر دے ـــــ

ہر وقت اپنے کو قاصر و ناقص جانیں اور طالبِ کمال رہیں ـــــ نفس و شیطان دو زبردست دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ راہ سے بے راہ اور خائب و خاسر کردیں ؎

ہمہ اندر زمن بتو این است ـــ کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ہندوستان تم لوگوں سے دور ہے سال میں صرف ایک قافلہ آتا ہے اور خیر خبر لاتا اور لے جاتا ہے۔ اپنے حالات کو لکھتے رہیں۔ اگر ہم تک نہ پہونچیں تو حالات کے لکھنے سے تو غافل نہ رہیں ـــــ میاں شیخ یوسف ہم سے نزدیک ہیں ـــــ ایک مدت تک سرہند رہے اور بہت سے فوائد حاصل کیے اور "حقیقت فن" سے اطلاع پائی۔ واپس آنے کے وعدے پر اپنے گھر گئے ہیں۔ مستعد اور صادق الاخلاص آدمی ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہی توفیق خیر دینے والا ہے ـــــ چونکہ تم لوگ دور پڑے ہوئے ہو اس لیے نصیحت میں مبالغہ کیا گیا ہے ـــــ ہوشیار رہو اور ریاست و سرداری کو وبالِ جان سمجھو ـــــ ترساں و لرزاں رہو ـــــ ایسا نہ ہو کہ ریاست و سرداری میں لذت محسوس ہونے لگے اور وہ ہلاکت ابدی تک پہونچادے ـــــ رَبَّنَا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین ـــــ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلٰم علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین ـــــ

مکتوب (۶۲) خانخاناں کے نام

[اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اور تمدن و معاشرت میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے اور خوبیٔ انسان احتیاج ہی میں ہے۔]

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے ترقیات صوری و معنوی کی درخواست کرتا ہوں اس لیے کہ آپ کی خیریت و صلاح مسلمانوں کے جم غفیر کی جمعیت و رفاہیت کو شامل ہے اور آپ کے لیے دعا کرنا گویا تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ آپ کو ان تمام باتوں سے محفوظ رکھے جو آپ کے شایانِ شان نہیں بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ چونکہ آپ کو اکابر سلسلہ نقشبندیہ سے محبت و ارادت اور اخلاص کے ساتھ تعلق ہے اس لیے آپ کے دردِ سر کا باعث ہورہا ہوں ـــــ مخدوما مکرما! اہل سلسلہ نقشبندیہ اس ہندوستان میں نووارد

کی حیثیت رکھتے ہیں اور چونکہ اس ملک میں بدعت کا رواج ہے اس لیے ان کو اس سلسلے کے اکابر کے ساتھ ــــــ جو کہ سنت کے پابند ہیں ــــــ مناسبت کم ہے ــــــ یہی وجہ ہے کہ خود سلسلہ نقشبندیہ کے بعض لوگوں نے اپنی کوتاہی نظر کے باعث اپنے طریقے میں بدعتیں اختیار کر لی ہیں اور بدعت کا ارتکاب کر کے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کیا ہے وہ اس عمل کو اپنے گمان میں اس طریقے کی تکمیل سمجھتے ہیں۔ حاشا وکلا (یہ گمان ان کا صحیح نہیں ہے) درحقیقت یہ جماعت اس طریقے کی تخریب کے درپے ہے اور یہ لوگ اس طریقے کے اکابر کی حقیقتِ معاملہ سے آگاہ نہیں ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ انھیں سیدھے راستے پر چلائے ــــــ چونکہ اس سلسلہ نقشبندیہ کے متوسل اس ملک میں قلیل الوجود ہیں اس لیے اس سلسلے کے مریدوں اور محبوں پر اس طریقے کے خلفاء اور طلباء کی امداد و اعانت ضروری ہے ــــــ کیونکہ آدمی مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور وہ تمدن و معاشرت میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے ــــــ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: "اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ لوگ کافی ہیں جو مسلمانوں میں سے آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔" جب کہ مومنین کو مہماتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی کفایت کے اندر دخل ہے تو پھر دوسروں کے لیے کیا مضائقہ ہے ــــــ اس وقت تک اکثر رؤسا، درویشی سے عدم احتیاج مراد لیتے ہیں ایسا ہرگز نہیں، احتیاج تو انسان کی ذاتی چیز ہے بلکہ تمام ممکنات کی ذاتی ہے ــــــ انسان کی خوبی ہی احتیاج میں ہے اور اس میں "ذُلّ و بندگی" اسی راہ سے پیدا ہوتی ہے ــــــ اگر فرض کیجیے انسان سے احتیاج زائل ہو جائے اور وہ استغنا پیدا کر لے تو سوائے عصیان و سرکشی اور طغیان و نافرمانی کے اس کو کچھ اور حاصل نہ ہوگا ــــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــــ "بیشک انسان اس وقت گردن کشی کرتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔" زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو فقراء گرفتاریٔ ماسوا سے آزاد ہیں وہ اسباب کی جو احتیاج رکھتے ہیں اسے مسبب الاسباب کے سامنے پیش کرتے ہیں اور فراخیٔ دولت کو اللہ تعالیٰ کے خوانِ نعمت ہی سے سمجھتے ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ ہی کو معطی و مانع تصور کرتے ہیں ــــــ اور چونکہ اسباب کو کارکنانِ قضا و قدر نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر درمیان میں رکھا ہے اور حُسن و قبح کو اسباب سے منسوب کیا ہے اس لیے یہ درویش کبھی شکر و شکایت کو اسباب کی طرف راجع کرتے ہیں اور نیک و بد کو ظاہری اسباب سے ہی جانتے ہیں۔ اگر اسباب کو دخل نہ دیں تو ایک کارخانۂ عظیم (یعنی کارخانۂ شریعت و احکامِ شریعت اور

ثواب و عذاب وغیرہ) کو باطل قرار دے دیں گے۔ "اے پروردگار تو نے وجود اسباب کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا"
—— (بلکہ ان اسباب کی پیدائش میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو حد بیان میں نہیں آسکتیں)۔
شریعت و سیادت پناہ، حقائق و معارف آگاہ، میر محمد نعمان کا وجود شریف آپ کے علاقے میں بہت غنیمت ہے اور ان کی دعا و توجہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی توجہات کے برکات و فیوض آپ کی حکومت و ریاست کے لیے دست و بازو ہیں —— میں ان کو حضور و غیبت میں آپ کا ممد و معاون پاتا ہوں —— ایک سال سے زیادہ ہوا کہ انھوں نے آپ کی خوبیوں کو ظاہر کیا تھا اور فقیر سے جو آپ کو مناسبت ہے اس کا تذکرہ کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ اس علاقے کی صوبیداری دوسرے کے سپرد کر دی گئی ہے توجہ اور دعا کی ضرورت ہے" —— فقیر نے جب اُن کے اس مکتوب کا مطالعہ کیا تو اس بارے میں توجہ حاصل ہوئی اور آپ کو اس وقت رفیع القدر پایا اسی وقت ایک شخص اس طرف جا رہا تھا جواب میں یہ عبارت لکھ دی تھی کہ خانخاناں در نظر، رفیع القدر می در آید (خانخاناں نظر کشفی میں رفیع القدر دکھائی دیتے ہیں)
والامر عند اللہ سبحانہٗ —— والسّلام۔

مکتوب (۶۳) نور محمد انبالوی کے نام

[ایک استفسار کا جواب]

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات —— جو مکتوب روانہ کیا تھا پہونچا —— دریافت کیا تھا کہ پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے اور اس سے طلب حق کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ —— جاننا چاہیے کہ مقصود اصلی، حق تعالیٰ ہے اور پیر (محض) ایک وسیلہ ہے جناب قدس تک پہونچنے کا —— اگر کوئی طالب اپنی راہ یابی دوسرے شخص کے پاس دیکھتا ہے اور اس کی صحبت میں رہ کر حق تعالیٰ کی طرف اپنے دل کو متوجہ پاتا ہے تو جائز ہے کہ اپنے پیر کی حیات ہی میں بغیر اس کی اجازت کے اس دوسرے شخص کے پاس جائے اور اس سے طلب ہدایت کرے لیکن یہ ضرور چاہیے کہ پیر اول سے انکار نہ کرے اور اچھائی کے ساتھ اس کو یاد کرے (غرضکہ دوسرے شیخ سے ہدایت حاصل کرنا جائز ہے) علی الخصوص اس زمانے میں کہ پیری و مریدی ایک رسم و عادت سے زیادہ نہیں رہی ہے اور اکثر پیران وقت جو خود اپنی خبر نہیں رکھتے اور ایمان و کفر کی تمیازی

حدود قائم نہیں کر سکتے وہ خداوند کریم سے کیا خبردار ہوں گے اور مرید کو کیا راہ راست دکھائیں گے؟ ۔ ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں ۔۔۔۔ کے خبر دارد از چُناں و چنیں[1]

اس مرید پر افسوس ہے کہ ایسے (ناقص) پیر پر اعتماد کر کے بیٹھا رہے اور دوسرے کی طرف رجوع کر کے راہِ خدا معلوم نہ کرے ــــــ یہ شیطانی وسواس ہیں جو پیرِ ناقص کے زندہ ہونے کے باعث، طالب کو راہِ حق سے باز رکھتے ہیں ــــــ جس جگہ بھی رُشد و جمعیتِ دل میسر ہو بے تامل وہاں رجوع کرنا چاہیے اور وسواس شیطانی سے پناہ ڈھونڈھنی چاہیے ــــــ

مکتوب (۶۴) محمد مومن ولد خواجہ علی خاں مرحوم کے نام

[نصیحت]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــ اللہ تعالیٰ تم کو نامناسب باتوں سے محفوظ رکھے ــــــ (حدیث شریف میں ہے) الدنیا سجن المومن دُنیا مومن کا قید خانہ ہے ــــــ قید خانہ کے مناسب حال تو درد و الم اور اندوہ و مصیبت ہی ہیں ــــــ احوالِ دل کی رنگ برنگی سے دل تنگ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے کے باعث ملول نہ ہوں ــــــ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۔ (بے شک دشواری سے متصل آسانی ہے البتہ دشواری سے متصل آسانی ہے) دیکھو اس جگہ ایک تنگی و دشواری کے ساتھ دو آسانیاں ملا دی گئی ہیں شاید ان سے فراخیٔ دُنیا اور فراخیٔ آخرت مراد ہو ۔ ع با کریماں کار ہا دشوار نیست ــــــ باقی احوال اس طرف کے سیادت مآب میر سید عبدالباقی زبانی کہیں گے .... والسّلام ــــــ

مکتوب (۶۵) مولانا محمد ہاشم کے نام

[نصیحت]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــ بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ــــــ اس عرصہ میں کوئی معتد بہ خبر، احوال باطن سے متعلق تم نے نہیں لکھی جو باعث فرحت ہوتی ــــــ دُنثو، امورِ دُنیا

---

[1] جبکہ پیٹ کے اندر کا بچہ خود اپنے ہی سے واقف نہیں ہے تو اسے اور حالات کی کیا خبر ہوگی ۔

محض بے فائدہ ہیں، دنیا اور مافیہا اس لائق نہیں کہ احوالِ آخرت کی یاد کو چھوڑ کر لغویات میں مشغولیت ہو ـــــ ہر چند تمھاری نیت بخیر ہو لیکن (بزرگوں کا) یہ مقولہ تم نے سنا ہوگا حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوکاروں کی (بعض) نیکیاں مقربین کے حق میں سیئات ہوتی ہیں) ـــــ بہرحال احوال باطن کی جانب (خاص طور پر) متوجہ رہیں اور ضمنی و ثانوی درجے کی چیزوں کو ان کے درجے ہی پر رکھیں۔ ..... اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کے فقرا ہر چند کہ رزقِ معین نہیں رکھتے لیکن بے سعی و کوشش، بفراغت و وسعت گزار رہے ہیں۔ قدر کافی سے زیادہ پہونچ رہا ہے۔ نیا روز اور نئی روزی ہمارے لیے نقدِ وقت ہے۔ باقی حالات بھی لائقِ حمد ہیں ـــــ اس مہینے وبا نے رجوع کیا تھا جس کسی کی موت مقدر تھی وہ مر گیا اب وہ وبا برطرف ہو گئی ہے۔ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ہے۔ والسّلام

مکتوب (۶۶) خانخاناں کے نام

[توبہ، رجوع الی اللہ، تقویٰ کے بیان میں]

ـــــ بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ

چونکہ ہم نے عمر گرامی کو معاصی و تقصیرات اور بیہودہ گوئیوں میں گزارا ہے اس لیے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ توبہ اور انابت کی بات کہی جائے اور ورع و تقویٰ کا تذکرہ کیا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ـــــ "اے ایمان والو! رجوع کرو تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف شاید کہ تم فلاح پا جاؤ" ـــــ

دوسری جگہ فرماتا ہے ـــــ "اے ایمان والو! رجوع کرو تم اللہ کی طرف رجوعِ خالص، امید ہے تمھارے پروردگار سے کہ وہ تمھارے جرم معاف کر دے اور تم کو داخل کر دے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں" ـــــ ایک جگہ فرماتا ہے ـــــ "چھوڑ دو علانیہ اور پوشیدہ گناہوں کو" ـــــ پس گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اور ہر ایک کے حق میں فرضِ عین ہے ـــــ افرادِ انسان میں سے کوئی فرد توبہ سے مستغنی نہیں ہے ـــــ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی (باوجود معصوم ہونے کے) توبہ سے مستغنی نہیں ـــــ (چنانچہ) حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ـــــ "میں ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں" ـــــ (آگے توبہ کی تفصیل ہے) اگر معاصی

حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حقوق العباد سے متعلق نہیں ہیں۔ جیسے زنا، شراب پینا، گانا سننا قرآن مجید کا بغیر وضو کے چھونا، یا کسی بدعت کا عقیدہ رکھنا، ان چیزوں سے توبہ، اللہ تعالیٰ سے ندامت و استغفار تحسّر و عذر خواہی کے ساتھ ہوگی ـــــ اگر فرائض میں سے کوئی فرض چھوڑا ہے تو توبہ کے ساتھ اس فرض کا ادا کرنا بھی ضروری ہے ـــــ اور اگر معاصی کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو، توبہ کی صورت یہ ہوگی کہ ان حقوق کو واپس کیا جائے یا ان کو معاف کرایا جائے اور ان لوگوں کے ساتھ احسان کیا جائے اور ان کے لیے دعائے خیر کی جائے ـــــ اگر صاحب مال اور وہ شخص جس کی ہتک عزت کی ہے مرگیا ہے پس اس کے لیے استغفار و صدقہ کیا جائے اور اگر اس کے وارث موجود ہوں، تو مال اس کی اولاد اور اس کے ورثہ کو واپس کیا جائے ـــــ اور اگر اس کے وارثوں کا پتہ نہیں ہے تو مال اور ارتکاب قصور کے بقدر فقرا و مساکین پر صدقہ کردے اور نیت صاحب مال کی اور اس شخص کی کرے جس کو بلا وجہ تکلیف پہونچائی تھی ـــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا ہے ـــــ اور وہ اپنے قول میں یقیناً سچے ہیں ـــــ وہ فرماتے تھے کہ فرمایا سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بندے نے کوئی گناہ کیا ہو پھر وہ کھڑا ہو پس وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی طلب معافی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے ـــــ "جس شخص نے کوئی گناہ کیا یا کوئی برا کام کرکے اپنے اوپر ظلم کیا پھر استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا" ـــــ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اس گناہ پر نادم ہوا پس یہ ندامت اُس گناہ کا کفّارہ ہے" ـــــ ایک حدیث میں ہے ـــــ "جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور توبہ کی اس کے بعد پھر گناہ کا اعادہ کیا اور استغفار کیا، پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا تو چوتھی بار وہ شخص کذابین میں لکھا جائے گا کہ بار بار جھوٹی توبہ کرکے توڑ دیتا ہے) حدیث شریف میں ہے کہ ـــــ ہلاک ہوگئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم عنقریب توبہ کرلیں گے (اور وہ خواہ مخواہ توبہ میں تاخیر کرتے ہیں) ـــــ لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی ـــــ "اے پیارے بیٹے توبہ میں کل کی تاخیر نہ کرنا اس لیے کہ موت تجھ کو اچانک آکر گھیرلے گی یہ اتھوڑی سی مہلت بھی

ہوگی، حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا ہے "جس کسی نے ہر صبح و شام توبہ نہ کی وہ ظالموں میں سے ہے"
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا ہے کہ "ایک کوڑی جو حرام طریقے پر حاصل کی تھی اس کا واپس کرنا اُس سے ستر گنا صدقہ کرنے سے بہتر ہے — یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک درہم کا چھٹا حصہ (جو غلط طریقے سے حاصل ہوا ہو) واپس کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول حجوں سے بہتر ہے — "اے اللہ ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے" —

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے — اے میرے بندے تو ان فرائض کو ادا کر جن کو میں نے فرض کیا ہے ایسی صورت میں تو تمام لوگوں میں زیادہ عابد ہو جائے گا۔ اور جن باتوں سے میں نے منع کیا ہے اُن سے باز رہ تمام لوگوں میں تو زیادہ متقی ہو جائے گا اور جو میں نے تجھے عطا کیا ہے اس پر قناعت کر تمام لوگوں میں تو زیادہ غنی ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا — "اے ابو ہریرہ تو پرہیز گار ہو جا ایسی صورت میں تو تمام لوگوں میں بہترین عبادت گزار ہو جائے گا" — حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے — "ایک ذرہ برابر تقویٰ، ہزار مثقال وزن روزے اور نماز سے بہتر ہے" — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے — "کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہم نشین زہد و تقویٰ والے ہوں گے" —

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ "مجھ سے نہیں نزدیک ہوتے نزدیک ہونے والے (کسی عمل کے ذریعے) جو پرہیز گاری و تقویٰ کی مانند ہو" — (یعنی تقویٰ قرب خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) بعض علمائے ربّانی نے فرمایا ہے کہ تقویٰ تمام و کمال کو اس وقت تک نہیں پہونچتا جب تک ان دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم نہ کرلے اور اُن پر عمل نہ کرے —

(۱) غیبت سے زبان کو محفوظ رکھنا۔ (۲) بدگمانی سے پرہیز (۳) تمسخر سے پرہیز (۴) حرام سے نظر کو پوشیدہ رکھنا (۵) راست گوئی (۶) اللہ تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننا۔ تاکہ خود بینی میں مبتلا نہ ہو جائے (۷) اپنے مال کو راہِ حق میں صرف کرے نہ کہ راہ باطل میں (۸) اپنی بڑائی اور اونچائی

کا طالب نہ ہو (۹) نماز ہائے پنجگانہ کی ادائگی پر مداومت۔ (۱۰) طریقۂ اہل سنت وجماعت پر استقامت۔

اے اللہ تو ہمارے نور کو مکمل کردے اور ہمیں بخش دے تو ہر چیز پر قادر ہے ——

مخدوما مکرما! اگر توبہ تمام گناہوں سے میسر ہو اور تمام حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز ہو تو یہ ایک بڑی نعمت اور اعلیٰ دولت ہے —— ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور کچھ محرمات سے پرہیز یہ بھی غنیمت درجے میں ہے —— ممکن ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کے برکات وانوار، دوسرے اجزاء میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و پرہیز گاری کی توفیق میسر ہو جائے —— جس کسی چیز کو تمام وکمال حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اس کو بالکلیہ بھی نہیں چھوڑ دینا چاہیے —— اے اللہ ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما اور ہم کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ، بصدقۂ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب (۶۷) خان جہاں کے نام

[یہ ایک تفصیلی مکتوب گرامی ہے جس میں عقائد اہل سنت وجماعت اور ارکانِ اسلام کو بیان فرمایا گیا ہے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——

آپ کا مکتوب گرامی جو ازروئے کرم والتفات روانہ کیا تھا پہونچا —— خدا کا شکر ہے کہ اس پُر از اشتباہ زمانے میں بھی سعادت مند اغنیاء کو اپنے حُسنِ فطرت کی بنا پر (بظاہر) کوئی مناسبت نہ ہونے کے باوجود، فقراء سے نیازمندی کا تعلق ہے اور اس گروہ سے عقیدت ہے —— یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ گوناگوں تعلقات دنیاوی اس دولت (عقیدت) کے حصول میں مانع نہیں ہوئے اور پراگندگیٔ توجہ نے درویشوں کی محبت سے باز نہیں رکھا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجا لانا اور امیدوارِ خیر وفلاح رہنا چاہیے —— حدیثِ نبوی میں ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہے)

سعادت ونجابت آثارا! آدمی کو اس کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد کی تصحیح فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے بموجب کرے جو کہ سوادِ اعظم اور بڑی جماعت ہے —— تاکہ

فلاح و نجات اُخروی کی امید ہو سکے ـــــ اعتقادات کی نا پاکی یعنی معتقدات اہل سنت و جماعت کے برخلاف عقائد ہونا زہر قاتل ہے، ایسا زہر قاتل، جو کہ موت ابدی اور عذاب سرمدی تک پہونچا تا ہے ـــــ عمل میں سستی و کاہلی ہو تو امید مغفرت ہو بھی سکتی ہے لیکن اعتقاد کی خرابی اور کمزوری گنجائشِ مغفرت نہیں رکھتی ـــــ (قرآن مجید میں ہے) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (بیشک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا اس جرمِ عظیم کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ معاف کردیتا ہے جس کو چاہتا ہے) اہل سنت و جماعت کے معتقدات، اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں ان کے مطابق تصحیح عقائد کر لینا چاہیے۔ اور حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے تضرع و زاری کے ساتھ اس دولت پر استقامت کی درخواست کرنا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ قدیم کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیا، اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اسی کی تخلیق سے عدم سے وجود میں آئی ہیں، اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہے اور تمام چیزیں حادث اور نو پیدا ہیں ـــــ جو ذات قدیم و ازلی ہے وہی باقی و ابدی ہے اور جو چیزیں حادث اور نئی پیدا شدہ ہیں وہ فانی اور نیست ہونے والی ہیں، معرضِ زوال میں ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ یگانہ ہے اپنا کوئی شریک نہیں رکھتا، نہ وجوب وجود میں اور نہ استحقاقِ عبادت میں ـــــ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کے لیے واجب الوجود ہونا مناسب شان ہے اور نہ اس کے سوا کسی کا مستحقِ عبادت ہونا لائق و سزاوار ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کاملہ ہیں، منجملہ صفاتِ خداوندی کے یہ صفات بھی ہیں، حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، کلام، تکوین ـــــ یہ سب صفات قدامت و ازلیت کے ساتھ متصف ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں .... اللہ تعالیٰ جواہر، اجسام اور اعراض کی صفات و لوازم سے منزہ ہے۔ زمان، مکان اور جہت کی بھی حضرت حق تعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں .... اللہ تعالیٰ نہ تو جسم و جسمانی ہے، نہ جوہر و عرض، نہ محدود و متناہی ہے، نہ طویل و عریض، نہ دراز و کوتاہ ہے نہ فراخ و تنگ ـــــ بلکہ وہ واسع ہے ایسی وسعت کے ساتھ جو ہمارے فہم میں نہیں آسکتی، وہ محیط ہے اس احاطہ کے ساتھ جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے ـــــ وہ قریب ہے

ایسے قرب کے ساتھ جو ہماری عقل میں نہیں آسکتا ـــــ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور یہ ساتھ ہونا وہ نہیں ہے جو عام طور پر متعارف ہے ـــــ بس ہم تو ایمان لائیں کہ اللہ واسع ہے، محیط ہے، قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے ـــــ مگر ہم ان صفات کی کیفیت کو نہیں جانتے ہیں کہ کیا ہیں؟ ......

اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ـــــ نیز کوئی چیز نہ اس کی ذات میں حلول کرتی ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے ـــــ ذاتِ حق تعالیٰ کا جُزء، جُزء ہونا محال ہے اور اس کی ذات میں ترکیب و تحلیل بھی ناممکن ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل و کفو نہیں ہے اور نہ اُس کے زن و فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہر ہر صفت، بیچون و بیچگونہ، بے مشابہ و بے نمونہ ہے ـــــ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اُن اسماء و صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف ہے جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے ـــــ جو کچھ ہمارے فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہمارے عقل و تصور میں سماتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے اور بلند ہے ـــــ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ـــــ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (نظریں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں)، سه

دور بینانِ بارگاہِ الست[1]
بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی توقیفی ہیں، یعنی صاحبِ شرع سے سماع پر موقوف ہیں۔ شرع میں جس نام کا اطلاق حضرت حق سبحانہٗ پر کرنا آیا ہے اس کا اطلاق کیا جائے اور جو نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس نام میں معنی کمال پڑے ہوئے کیوں نہ ہوں ـــــ مثلاً اللہ تعالیٰ پر جواد کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ نام آیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہنا چاہیے اس لیے کہ شرع میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت نہیں آئی ـــــ

قرآن مجید، کلام خداوندی ہے جس کو حرف و صوت کے لباس میں لا کر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعہ بندوں کو امر و نہی فرمائی گئی ہے ـــــ جس طرح ہم اپنے کلام نفسی کو تالو اور زبان کے ذریعہ حرف و صوت کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے مقاصد

---

[1] بارگاہِ الست کو دور سے دیکھنے والے سوائے اس کے اور کچھ پتہ نہ چلا سکے کہ وہ ذات موجود ہے۔

پوشیدہ کو میدانِ اظہار میں لاتے ہیں اسی طرح حضرتِ حق سبحانہٗ نے اپنے کلامِ نفسی کو بغیر تالو اور زبان کے توسط کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حرف وصوت کا لباس عطا فرما کر بندوں کے لیے بھیجا ہے ــــ اور اوامر و نواہی کو حرف وصوت کے ضمن میں لا کر منصۂ ظہور پر جلوہ گر کیا ہے ....
ایسے ہی دوسری کتب اور صحیفے جو پہلے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں وہ سب بھی کلامِ حق ہیں ــــ جو کچھ قرآن میں ہے اور پہلی کتب وصحف میں مندرج ہے وہ سب احکامِ خداوندی ہیں جن کا ہر وقت کے مناسب بندوں کو مکلف فرمایا گیا ہے ــــ

مومنوں کا حضرتِ حق سبحانہٗ کو بہشت میں بے جہت، بے مقابلہ اور بے کیف و بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ ہم اس دیدارِ اُخروی پر ایمان لائیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں، اس لیے کہ دیدارِ خداوندی، بیچون ہے اور اس دنیا میں اس کی حقیقت دنیا والوں پر ظاہر نہیں ہو سکتی ....
اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے بندوں کا خالق ہے۔ اُن کے افعال کا بھی خالق ہے۔ خیر ہو یا شر سب اُسی کی قدرت و مشیت سے ہے۔ لیکن وہ خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں، اگرچہ خیر و شر دونوں اُسی کی مشیت کے ماتحت ہیں ــــ مگر اتنی بات ملحوظ رہے کہ تنہا شر کی نسبت، حق تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے اس میں بے ادبی ہے۔ اُس کو فقط خالق الشر کہنا نہ چاہیے بلکہ خالق الخیر و الشر کہا جائے ــــ .... معتزلہ، دوئی کے درپے ہو کر خالقِ افعال، بندے کو جانتے ہیں اور خیر و شر کی نسبت (ازروئے خلق و پیدائش) بندے کی طرف کرتے ہیں۔ شرع اور عقل دونوں معتزلہ کو اس عقیدے میں کاذب قرار دیتے ہیں ــــ البتہ حقانی علماء بندے کی قدرت کو اس کے فعل میں دخیل مانتے ہیں اور بندے میں کسب ثابت کرتے ہیں ــــ اس لیے کہ رعشہ دار آدمی کی حرکت میں اور ایک با اختیار کی حرکت میں واضح فرق ہے ــــ یہی فرق گرفت اور مواخذہ کا سبب بنتا ہے اور ثواب و عقاب کا اثبات کرتا ہے ــــ اکثر لوگ بندے کے قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندے کو محض مضطر و عاجز جانتے ہیں۔ انھوں نے مُرادِ علماء کو نہیں سمجھا ہے۔ بندے میں قُدرت و اختیار کا ثابت کرنا یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ بندہ جو چاہے وہ کرلے اور جو نہ چاہے وہ نہ کرے۔ یہ تو بندگی کی حقیقت سے دور ہے بلکہ بندے میں قدرت و اختیار کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ جن امور کا مکلف ہے اس سے عہدہ برا ہو سکے ــــ مثلاً نمازِ پنجوقتہ ادا کر سکے، چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکے، بارہ مہینے میں

ایک ماہ روزہ رکھ سکے، تمام عمر میں ایک مرتبہ بشرط زاد و راحلہ حج کر سکے —— اسی طرح باقی احکامِ شرعیہ ہیں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندے کے ضعف کو دیکھتے ہوئے سہولت و آسانی کر دی ہے۔ خود فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا ہے) —— نیز فرماتا ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا —— (اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تکلیفاتِ شاقہ کی گرانی میں تخفیف کر دے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) ....

انبیاء علیہم السلام، مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں تاکہ وہ اُن کو حق کی دعوت دیں اور گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر لے آئیں۔ جو اُن کی دعوت قبول کرے، اُس کو بہشت کی بشارت دی ہے اور جو ان کی دعوت کو رد کرے اس کے لیے عذاب دوزخ کی وعید ہے —— جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کی ہے اور جو جو اطلاع دی ہے وہ سب حق اور سچ ہے اس میں خلاف کا شائبہ بھی نہیں ہے، اور خاتم انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اُن کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ ان کی کتاب (قرآن) تمام پہلی کتابوں کے مقابلے میں بہترین کتاب ہے۔ کوئی دین ان کی شریعت کا ناسخ نہ ہوگا۔ قیامت تک اُن کا دین رہے گا۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام اجب قرب قیامت میں آسمان سے اُتریں گے آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے ....

جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احوالِ آخرت بیان فرمائے ہیں سب حق ہیں، مثلاً عذاب گور، فشار قبر، سوالِ منکر و نکیر، فنائے عالم، آسمانوں کا پھٹنا، ستاروں کا بکھرنا، زمین اور پہاڑوں کا اٹھا لینا اور اُن کا پارہ پارہ ہو جانا، حشر و نشر، جسم میں اعادۂ روح، زلزلۂ قیامت، قیامت کی دہشتناکی حسابِ اعمال، اعضاء کی گواہی، اعمال ناموں کا دائیں بائیں اُڑنا میزان کا قائم ہونا، تاکہ اس میں حسنات و سیئات کا وزن کریں اور اچھائی برائی کی کمی و زیادتی معلوم کریں، اگر پلۂ حسنات بھاری ہوا تو علامتِ نجات ہے، اگر اس میں ہلکاپن ظاہر ہو تو علامتِ نقصان و خسران ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت سے گنہگار بندوں کے لیے شفاعتِ انبیاء، اولاً بالذات اور شفاعتِ صلحیٰ ثانیاً و بالتبع ثابت ہے —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے —— "میری شفاعت میری اُمت کے گنہگاروں کے لیے ثابت ہے"۔

پُل صراط بھی حق و ثابت ہے جس کو پشت دوزخ پر رکھیں گے اور مومنین اس کو پار کر کے بہشت میں جائیں گے اور کافر اس پر لغزش کھا کر دوزخ میں گریں گے۔ بہشت جو کہ مومنین کو نعمتیں پہونچانے کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوزخ جو کہ کافروں کو عذاب دینے کے لیے بنائی گئی ہے، یہ دونوں ٹھکانے مخلوق ہیں یہ ہمیشہ باقی رہیں گے فنا نہ ہوں گے، حساب کتاب کے بعد جب مومنین بہشت میں جائیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، بہشت سے باہر نہیں آئیں گے ــــ ایسے ہی کفار جب دوزخ میں داخل ہوں گے ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، اُن کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ــــ (نہ تو کفار کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی) جس کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا اس کو اگر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دوزخ میں بھیجیں گے تو بقدر عصیاں عذاب دے کر بالآخر اس کو دوزخ سے نکال لیں گے، نیز گنہگار مومن کے چہرے کو کفار کے چہروں کی طرح سیاہ نہ کریں گے اور حرمتِ ایمان کی وجہ سے گنہگار مومن کی گردن میں کفار کی طرح طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیر نہ ڈالیں گے۔

ملائکہ خداوند کریم کے مکرم بندے ہیں وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جس کام کا اُن کو حکم دیا گیا ہے اس کو بجا لانے دیتے ہیں، زن و شوہر ہونے سے وہ پاک ہیں، توالد و تناسل ان کے حق میں معدوم ہے ــــ بعض فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیغام رسانی کے لیے منتخب اور تبلیغ وحی کے کام سے مشرف کیا ہے، انبیا علیہم السلام کی (اکثر) کتابوں اور صحیفوں کو لانے والے یہی ملائکہ ہیں، اس لیے کہ یہ خطا اور خلل سے محفوظ اور شیطان کے مکر و حیلہ سے معصوم ہیں ملائکہ نے حق سبحانہ سے انبیاءؑ کو جو کچھ پہونچایا وہ سچ اور صحیح ہے اس میں احتمال و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ــــ ملائکہ عظمت و جلال باری تعالیٰ سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں اور اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ــــ

ایمان نام ہے اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کا اُن باتوں کی جو تواتر و یقین کے ساتھ اجمالاً اور تفصیلاً ہم تک پہونچی ہیں ــــ اعمال، نفسِ ایمان سے خارج ہیں لیکن ایمان میں کمال بڑھاتے اور حُسن پیدا کرتے ہیں ....

مومن، ارتکابِ معاصی سے اگرچہ کبائر ہی کیوں نہ ہو ایمان سے باہر نہیں ہوتا ......

اگر مومن عاصی، غرغرۂ موت سے پہلے توبہ کرے تو نجاتِ عظیم کی امید ہے اس لیے کہ قبولِ توبہ کا وعدہ ہے —— اگر وہ توبہ سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ خدائے تعالیٰ کے سپرد ہے اگر چاہے تو معاف کرکے بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو آگ سے یا کسی اور طریقے سے بقدرِ معصیت عذاب کرے —— لیکن آخر کار اس کی نجات ہوگی اور اس کا انجام بہشت میں داخل ہونا ہے، اس لیے کہ آخرت میں رحمتِ خداوندی سے محروم ہونا اہلِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو بھی ذرّہ برابر ایمان رکھتا ہے وہ امیدوار رحمت ہے —— معصیت کی بنا پر اگر ابتدا میں رحمت کو نہ پہونچے گا تو آخر میں اللہ کی عنایت سے ہمہ آغوشِ رحمت ہو ہی جائے گا ——

بحثِ خلافت و امامت، اہلِ سنّت کے نزدیک اگرچہ اُصولِ دین سے نہیں لیکن چونکہ فرقۂ شیعہ نے اس بارے میں غلو کیا ہے اور افراط و تفریط سے کام لیا ہے اس لیے بضرورت، علماء اہلِ حق رضی اللہ عنہم نے اس مبحث کو علم کلام سے ملحق کردیا ہے، اور حقیقتِ حال کو بیان فرمایا ہے ——

امامِ برحق اور خلیفۂ مطلق، حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ —— ان خلفاء راشدین کی افضلیت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے —— افضلیتِ حضراتِ شیخین، باجماع صحابہ و تابعین ثابت ہوئی ہے .... حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں —— علماءِ اہلِ سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ غنیۃ الطالبین، میں حضرت عائشہ رضؓ کو مطلقاً حضرت فاطمہ رضؓ پر فضیلت دیتے ہیں اور فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ علم و اجتہاد میں سبقت رکھتی ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا، زہد و تقویٰ اور انقطاع میں فضیلت رکھتی ہیں، اسی بنا پر حضرت فاطمہ کو بتول کہتے تھے، بتول انقطاع کے معنیٰ میں مبالغہ کا صیغہ ہے —— حضرت عائشہ صدیقہ، مرجع فتاوائے صحابہ تھیں، کسی علمی مسئلہ میں کوئی مشکل اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہیں آتی تھی مگر اس کا حل حضرت عائشہ رضؓ کے پاس ہوتا تھا —— محاربات و منازعا

جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ہوئے ہیں، مثلِ جنگ جمل اور محاربہ صفین کے، ان کو اچھے معانی کی طرف پھیرنا اور ہوا و تعصب سے دور رکھنا چاہیے ....

تمام اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیے۔ اور ان میں سے کسی ایک کے حق میں بھی بدگمان نہیں ہونا چاہیے — ان کی منازعت کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر قرار دینا چاہیے۔ طریق فلاح و نجات یہی ہے۔ اس لیے کہ اصحاب کرامؓ سے دوستی رکھنا، دوستیٔ پیغمبرؐ کی ہی وجہ سے ہے — صحابہؓ سے بغض رکھنا بغض پیغمبرؐ تک کھینچ کرلے جائے گا — ایک بزرگ فرماتے ہیں جس نے اصحاب رسول اللہؐ کی تعظیم و توقیر نہیں کی وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں لایا —

علاماتِ قیامت، جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے سب حق ہیں، ان میں احتمالِ تخلف نہیں، مثلاً برخلافِ عادت آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، ظہور مہدی علیہ الرضوان، نزولِ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام، خروج دجال، ظہور یاجوج و ماجوج، خروجِ دابۃ الارض، ظہورِ دُخان .... اور آخری علامت آگ جو عدن سے اٹھے گی —

ایک جماعت (مہدویہ) اپنی نادانی سے یہ گمان کرتی ہے کہ اہل ہند میں سے جس شخص نے دعوائے مہدویت کیا تھا وہی مہدی موعود ہوا ہے بس ان کے گمان سے مہدی موعود آچکے اور آکر فوت بھی ہو چکے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُن کی قبر فرہ میں ہے — لیکن، وہ صحیح احادیث جو بحدِ شہرت بلکہ معنیٰ کے لحاظ سے حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں اس طائفۂ مہدویہ کی تکذیب کر رہی ہیں، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دُنیا ختم نہیں ہوگی تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو میرے اہل بیت میں سے نہ بھیجے۔ اس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا۔ وہ شخص زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ جور و ظلم سے پُر ہوگئی تھی۔" .... حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مہدیؓ کے زمانے ہی میں نزول فرمائیں گے اور وہ قتال دجال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موافقت کریں گے — ....

شیخ ابن حجر مکیؒ نے علاماتِ مہدیٔ منتظر کے بیان میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں مہدی کی دو سو علامات لکھی ہیں — نہایت نادانی کی بات ہے کہ باوجود مہدیٔ موعود کے بارے میں واضح

بیان موجود ہونے کے ایک گروہ گمراہی میں پڑ گیا ـــــ اللہ تعالیٰ اُن کو سیدھا راستہ نصیب فرمائے۔

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ـــــ "بنی اسرائیل میں اکھتر فرقے ہو گئے تھے وہ سب ناری ہیں سوائے ایک فرقے کے ـــــ قریب ہے کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں متفرق ہو جائے ان میں سوائے ایک فرقۂ ناجیہ کے باقی سب ناری ہوں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ فرقۂ ناجیہ کون سا ہوگا؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقے پر ہوں گے ـــــ اور وہ فرقۂ ناجیہ گروہ اہلسنت و جماعت ہے اس لیے کہ وہی آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی متابعت کا التزام کرنے والے ہیں ـــــ اے اللہ ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھنا اور اُن کے زمرے میں موت دینا اور ان کے ہی گروہ میں محشور کرنا، اے اللہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب کو ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنی رحمت سے نوازنا تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے ـــــ

بعد از تصحیح عقائد ـــــ اوامر کی تعمیل اور نواہیٔ شرعیہ سے پرہیز ضروری ہے اور اس کا تعلق عمل سے ہے ـــــ پنج وقتہ نماز سُستی کیے بغیر، تعدیلِ ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، کیونکہ نماز کفر و ایمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے ـــــ اور جب طریقۂ مسنونہ پر نماز ادا کرنا میسر ہو جائے تو سمجھو کہ اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آ گئی کیونکہ نماز اصل دوئم ہے، اصل سوئم، ادائے زکوٰۃ ہے۔ اصل چہارم، ماہ رمضان کے روزے ہیں، اصل پنجم، حج بیت اللہ ہے ـــــ اصل اول ایمان سے تعلق رکھتی ہے اور باقی چاروں اُصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں ـــــ تمام عبادات میں جامع ترین اور فاضل ترین نماز ہے ـــــ قیامت کے روز حساب کی ابتدا نماز سے ہوگی، اگر نماز درست نکلی تو دوسری باتوں کا حساب بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بہ سہولت نمٹ جائے گا ـــــ

حتی الامکان ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نامرضیات کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے، اپنی تقصیرات پیش نظر رہیں اور تقصیرات کے ارتکاب سے خجل و منفعل ہونا چاہیے، ندامت و حسرت کرنا چاہیے، طریق بندگی یہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ـــــ اللہ سبحانہ و تعالیٰ توفیق دینے والا ہے ـــــ جو شخص بے محابہ، مولائے حقیقی کے خلافِ مرضی اعمل کرتا ہے

اور اس پر نادم بھی نہیں ہوتا، وہ متکبر اور سرکش ہے۔ اس کے اصرار و سرکشی سے اندیشہ ہے کہ وہ حلقۂ اسلام سے باہر آکر دائرہ اعداء میں داخل نہ ہو جائے ——— رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ———

جس دولت و نعمت سے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو ممتاز کیا ہے اور دوسرے لوگ اُس دولت سے غافل ہیں، بلکہ قریب ہے کہ آپ بھی اس دولت کو نہ پائیں، وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت (جہانگیر) ہفت پشت سے مسلمان ہے ساتھ ہی ساتھ اہل سنت اور حنفی ہے۔ (آپ کی بات کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے) ———

اگرچہ چند سال سے اس زمانے میں جو کہ قرب قیامت کا اور زمانۂ نبوت سے بُعد کا زمانہ ہے ——— بعض طلبائے علوم نے لالچ کی بنا پر جو کہ خُبثِ باطن کا نتیجہ ہوتی ہے ——— اُمراء و سلاطین سے تقرب ڈھونڈھ کر اُن کی خوشامد کرنا شروع کر دی۔ دینِ متین میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈال دیے اور بے وقوفوں کو راہِ مستقیم سے ہٹا دیا ——— یہ بادشاہِ عظیم الشان جب کہ آپ کی بات اچھی طرح سُنتا اور اس کو قبول کرتا ہے تو کتنی اعلیٰ درجہ کی بات ہوگی کہ صراحتہً یا اشارۃً کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام کو موافقِ معتقداتِ اہل سنت و جماعت، بادشاہِ وقت کے کانوں میں ڈال دیں اور جتنی گنجائش بھی نکلے اہلِ حق کی باتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں بلکہ اس بات کے منتظر رہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکلے جس کی بنا پر الخ مذہب درمیان میں آ جائے ——— تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار اور کفر و کافری کے باطل ہونے کا بیان ہو سکے ——— کفر خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عاقل اس کو پسند نہیں کرتا، اس کے باطل ہونے کو بلا تامل ظاہر کرنا اور کفار کے معبودانِ باطل کی بے توقیری کرنا چاہیے ——— خدائے برحق بے شُبہ خالقِ سمٰوات ہے ——— کسی نے سُنا ہے کہ کفار کے معبودانِ باطل نے کبھی ایک مچھر بھی پیدا کیا ہو اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں ——— پھر ان بتوں پر مکھی زنی کرے اور آزار پہونچائے تو یہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے چہ جائے کہ دوسروں کی محافظت کریں ——— کافر شاید اپنے اس کمزور پہلو کو پیش نظر رکھ کر ہی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود تو بس نزدِ حق تعالیٰ ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہم کو خداوند کریم سے قریب کر دیں گے ——— یہ لوگ بے عقل ہیں انھوں نے کہاں سے یہ جان لیا کہ ان پتھروں کو

مجالِ سفارش ہوگی اور اللہ تعالیٰ شرکا کی سفارش کو جو کہ درحقیقت دشمنانِ دین ہیں اپنے دشمنوں کے پوجنے والوں کے حق میں قبول کرے گا۔ یہ شرک کا معاملہ تو ایسا ہے جیسا کہ کچھ باغی جو سلطان کی اطاعت سے نکل جائیں اور بے وقوفوں کی ایک جماعت ان باغیوں کی امداد کرنے لگے یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ باغی کسی وقت میں سلطان کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے اور ان کے وسیلہ سے ہم سلطان کا تقرب حاصل کر سکیں گے —— کتنے بے وقوف ہیں یہ لوگ کہ باغیوں کی خدمت کر رہے ہیں اور باغیوں کی سفارش سے اپنے لیے معافی طلب کر رہے ہیں اور تقرب ڈھونڈھ رہے ہیں —— یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے؟ اور باغیوں کا سر کیوں نہیں کچلتے تاکہ اہلِ قرب اور اہلِ حق میں سے ہو جائیں اور امن و امان میں رہیں —— یہ بے عقل لوگ ایک پتھر کو لے کر اس کو خود تراشتے ہیں پھر سالہا سال اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں —— حاصلِ کلام یہ ہے کہ دینِ کفار تو ظاہری البطلان ہے اور مسلمانوں میں سے جو کوئی راہِ حق اور طریقِ مستقیم سے دور جا پڑا ہے وہ اہلِ ہوا و بدعت ہے —— طریقِ مستقیم، (صرف) طریقِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے ...... پس وہ مسلک و مذہب جو بعد زمانۂ آنحضرت اور بعد زمانۂ خلفاءِ راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات (طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف) نمودار ہوا۔ وہ اعتبار سے ساقط ہے، اور شایانِ اعتبار نہیں —— اس دولتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم و فضل سے ہم کو فرقۂ ناجیہ میں داخل فرمایا اور وہ اہلِ سنت و جماعت ہیں —— ہم کو ہوا و بدعت والوں کے فرقوں میں سے نہیں بنایا۔ اور ان کے اعتقاداتِ فاسدہ میں مبتلا نہیں فرمایا —— اور ہم کو اس جماعت (معتزلہ) میں نہیں بنایا جو کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص صفت (خلاقی) میں شریک کرتے ہیں، بندے کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں دیدارِ آخرت کے منکر ہیں جو کہ (در اصل) سرمایۂ کونین ہے —— اور وہ واجب تعالیٰ سے وجودِ صفاتِ کاملہ کی نفی کرتے ہیں —— نیز اُن دو گروہوں (خوارج و روافض) سے بھی ہم کو نہیں بنایا، جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ سے رنج و کینہ اور اکابرینِ دین سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان بزرگانِ دین (صحابہؓ) کو ایک دوسرے کا دشمن خیال کرتے اور اُن پر آپس میں بغض و کینہ رکھنے کی تہمت لگاتے ہیں ...... اللہ تعالیٰ ان گروہوں کو توفیقِ خیر دے اور صراطِ مستقیم

دکھائے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُس جماعت سے کبھی ہم کو نہیں بنایا۔ جو حق تعالیٰ کے لیے جہت و مکان ثابت کرتے ہیں اس کو جسم و جسمانی سمجھتے ہیں اور واجب قدیم میں حدوث و امکان کی علامات ثابت کرتے ہیں ـــــ اب میں پھر وہی بات کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ سلطان کی حیثیت روح کی ہے اور تمام لوگ مانند جسم کے ہوتے ہیں، اگر روح صالح ہے جسم و بدن بھی صالح ہے، اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ پس اصلاحِ سلطان کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے، اور اصلاح کلمۂ اسلام کے اظہار میں مضمر ہے، جس طرح بھی اور جس وقت بھی مناسب ہو ـــــ اور اس کے ساتھ ساتھ معتقداتِ اہل سنت و جماعت بھی کبھی کبھی سلطان کے گوش گزار کرنا ضروری ہیں اور مخالفین کا رد کرنا بھی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہوئی تو سمجھو کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثتِ عظمیٰ حاصل ہوگئی ـــــ آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے۔ اس دولت کی قدر پہچاننی چاہیئے .... ـــــ واللہ سُبحانہ الموفق ـــــ

مکتوب (۶۸) خواجہ شرف الدین حسین کے نام (آخری حصہ)

یہ وہ زمانہ ہے کہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایسے وقت میں) غربائے اہل اسلام کو بشارت دی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ "زمانۂ فتنہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری طرف ہجرت کرنا" ـــــ تم کو معلوم ہے کہ غلبۂ فتنہ و فساد کے وقت سپاہی اگر تھوڑی سی بھی جرأت کرتے ہیں تو (بادشاہ کے دل میں) بہت کچھ وقعت پیدا کر لیتے ہیں ـــــ امن و امان کے وقت اگر ہزار دوڑ دھوپ کریں بے اعتبار ہے، پس کام کرنے کا اور کام کے قبول ہونے کا وقت یہی ہے جو فتنوں کا وقت ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ (قیامت میں) مقبولانِ خدا میں محشور ہو تو مرضیاتِ حق تعالیٰ کے لیے اپنی تمام مرضیات سے دست بردار ہو جاؤ اور سنتِ سنیہ کی متابعت کے علاوہ کسی چیز کو اختیار نہ کرو ـــــ (دیکھو) اصحاب کہف، غلبۂ فتنہ کے وقت صرف ایک عمل ہجرت سے اتنے اونچے درجے کو پہونچ گئے تم تو محمدی ہو اور داخلِ خیر الامم، تو تم اپنے وقت کو لہو و لعب میں ضائع نہ کرو اور بچوں کی طرح معمولی چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں[1] گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

---

[1] ہم نے تجھ کو خزانۂ مقصود کا پتہ بتلا دیا ہے۔ اگر ہم وہاں تک نہیں پہونچے تو کیا بعید ہے تو ہی وہاں تک پہونچ جائے۔

مکتوب (۶۹) محمد مراد بدخشی کے نام

[نماز اور اس کے متعلقات کے بیان میں نیز دیگر نصائح]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ

آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا پہونچا ـــــ چونکہ دوستوں کی ثابت قدمی اور استقامت کا مضمون تھا اس لیے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ ثبات و استقامت میں اضافہ فرمائے۔ تم نے لکھا تھا کہ جس کام پر مامور ہوں اس پر ان دوستوں کے ساتھ جو داخلِ طریقہ ہوئے ہیں مداومت کرتا ہوں ـــــ اور نماز پنجگانہ با جماعت بجا(س ساٹھ نمازیوں کے ہمراہ ادا کرتا ہوں اللہ کا شکر ہے ـــــ یہ عجیب نعمت ہے کہ باطن، ذکر الٰہی سے معمور و آباد ہے اور ظاہر، احکام شرعی سے آراستہ ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اکثر آدمی ادائیگی نماز میں سستی برتتے ہیں اور اطمینان و تعدیلِ ارکان کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے اس بارے میں تاکید کے ساتھ لکھتا ہوں اچھی طرح سن لیں ـــــ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چراتا ہے" صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ اپنی نماز سے کوئی کس طرح چراتا ہے؟ ارشاد فرمایا (اس طرح، کہ) "وہ نماز کے رکوع و سجود میں اپنی پشت کو ثابت و برقرار نہ رکھے" ـــــ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود کو پورا نہیں کر رہا تو فرمایا کہ کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا ہے کہ اگر ایسی نمازیں پڑھتے پڑھتے تو مرا تو غیر دین محمدؐ پر مرے گا" ـــــ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کامل و مکمل نہ ہوگی کسی کی نماز تاوقتیکہ وہ بعد از رکوع اچھی طرح نہ کھڑا ہو اور اپنی پشت کو ثابت و برقرار نہ کرلے اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑلے" اور ایسے ہی فرمایا کہ "جب تک نمازی دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے اور اپنی پشت کو سیدھا نہ کرے اور ثابت نہ رکھے اس کی نماز پوری نہ ہوگی"۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے مگر اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں کی جاتی یہ وہ شخص ہے جو کہ رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا" ـــــ کہتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع

وسجود اچھی طرح ادا نہیں کر رہا انھوں نے (بعد فراغت نماز) اس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ اس طریقے سے نماز پڑھتے ہوئے تجھے کتنا عرصہ ہو گیا؟ اس نے کہا چالیس سال، فرمایا تو نے اس چالیس سال کے عرصہ میں نماز ادا ہی نہیں کی، اگر تو اسی حال میں مر گیا تو سنتِ محمد رسول اللہ پر نہیں مرے گا" ـــــ منقول ہے کہ جب بندۂ مومن نماز اچھی طرح پڑھتا ہے اور رکوع و سجود ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے تو اس کے لیے وہ نماز بشاشت والی اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز نمازی کے لیے دعائے خیر کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی" ـــــ اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے گا تو وہ نماز ظلمانی ہوگی اور فرشتوں کو اس سے کراہت پیدا ہوگی وہ اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جائیں گے۔ وہ نماز نمازی کو بددعا کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اسی طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا" ـــــ پس نماز کامل طریقے پر ادا کرنا چاہیے اور تعدیلِ ارکان اچھی طرح محفوظ رہے ـــــ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ عمدہ طریقے پر ادا کیے جائیں اور دوسروں کو بھی اچھی طرح نماز پڑھنے کی ہدایت کی جائے نیز طمانینت و تعدیلِ ارکان کا راستہ بتایا جائے اس لیے کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک سا ہو گیا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا اسلام کی اہم ترین باتوں میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی سنت کو زندہ کرتا ہے جب کہ وہ مردہ ہو گئی ہو تو اس شخص کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے" ـــــ یہ بھی جاننا چاہیے کہ جماعت کی صفیں درست کرنا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی نمازی (صف سے) آگے یا پیچھے نہ کھڑا ہو ـــــ کوشش کی جائے کہ سب ایک دوسرے کے برابر رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوّل صفوں کو درست فرماتے تھے اس کے بعد تکبیر تحریمہ پڑھتے تھے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا اقامت صلوٰۃ ہی سے ہے" ـــــ اے اللہ اپنی جانب سے ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں درستی کا سامان مہیا فرما دے ـــــ

سعادت آثارا! عمل، نیتِ صحیح سے درست ہوتا ہے تم چونکہ کفار دارالحرب سے جہاد کے لیے جا رہے ہو اوّل تصحیحِ نیت کرو تاکہ اس پر اچھا نتیجہ مرتب ہو ـــــ چاہیے کہ اس جنگ سے مقصود، اعلائے کلمۂ اسلام اور دشمنانِ دین کی توہین و تخریب ہو کیوں کہ ہم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور حکم

جہاد سے مقصود یہی ہے ـــــ امورِ دیگر کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی نیت کو باطل نہ کریں ـــــ مجاہدوں کی تنخواہ جو بیت المال سے مقرر ہوتی ہے یہ منافی جہاد نہیں اور نہ اس سے مجاہدوں کے اجر میں کوئی نقصان واقع ہوتا ہے۔ البتہ بری نیت، عمل کو باطل کرتی ہے ـــــ تصحیح نیت کے ساتھ بیت المال سے کھانے پینے کا خرچ لے کر جہاد کریں بعدہٗ غازیوں اور شہیدوں کے اجر کے امیدوار ہوں۔ تمہارے حال پر رشک آتا ہے کہ باطن میں حق کے ساتھ مشغول ہو اور ظاہر میں نماز بجماعت کثیرہ ادا کرتے ہو اس کے ساتھ ساتھ دولت جہاد سے بھی مشرف ہو رہے ہو۔ جو اس راہ میں زندہ رہتا ہے۔ غازی و مجاہد ہے، مرتا ہے تو شہید ہے ـــــ لیکن یہ مرتبہ تصحیح نیت کے بعد ہی متصور ہے۔ اگر حقیقتِ نیت میسر نہ ہو تو تکلف کر کے خود کو صحیح، نیت پر لایا جائے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی جائے تاکہ حقیقتِ نیت میسر ہو جائے۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علیٰ کل شیءٍ قدیر ـــــ

دوسری نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے وہ پابندیٔ نماز تہجد کی ہے۔ نمازِ تہجد ضروریات طریقت سے ہے۔ ہم نے زبانی بھی یہی تم سے کہا تھا کہ اگر یہ بات مشکل معلوم ہو اور خلافِ عادت (تہجد کے لیے) بیدار ہونا میسر نہ ہو تو اپنے متعلقین میں سے کچھ آدمیوں کو اس کام کے لیے مقرر کیا جائے تاکہ وہ اس وقت کسی نہ کسی طرح بیدار کر دیں اور تم کو خوابِ غفلت میں نہ پڑا رہنے دیں ـــــ جب وہ لوگ چند روز ایسا کریں گے تو پھر بے تکلف اس دولتِ عظمیٰ پر مداومت میسر ہو جائے گی ـــــ

ایک اور نصیحت یہ کرنی ہے کھانے میں لقمہ، حلال کا (خاص) خیال رکھا جائے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ کوئی شخص جو کچھ کسی جگہ سے پائے اس کو (بغیر تحقیق) کھالے اور حلال و حرام شرعی کا لحاظ نہ کرے۔ یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے کرے بلکہ اپنا ایک آقائے حقیقی رکھتا ہے کہ جس نے امر و نہی کی تکلیف دی ہے اور بذریعہ انبیاء علیہم السلام اس نے اپنی رضا اور عدم رضا کو بیان فرمایا ہے۔ وہ بندہ بڑا بے سعادت ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خواہش رکھتا ہو اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک و مِلک میں تصرف کرے ـــــ شرم کی بات ہے کہ آقائے مجازی کی رضامندی کا تو خیال رکھا جاتا ہے اور نہیں چاہتے کہ کوئی دقیقہ اس بارے میں فروگذاشت ہو جائے اور مولائے حقیقی بتاکید و مبالغہ ناپسندیدہ باتوں سے منع فرماتا ہے اچھی طرح سرزنش کرتا ہے اس پر بھی کچھ توجہ نہیں کرتے (بتاؤ) اس حرکت کا نام اسلام ہے یا کفر؟ غور کرو ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے

ابھی تلافی ما فات ممکن ہے ___ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں" یہ حدیث کی بشارت ہے (توبہ کرنے والے) گنہگاروں کے حق میں ___ اس کے باوجود اگر کوئی گناہ پر اصرار کرے اور اس سے خوش ہو تو وہ منافق ہے ___ (محض) صورتِ اسلام اس سے عقوبت وعذاب کو دفع نہیں کرے گی ___ اس سے زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے عاقلوں کو اشارہ کافی ہے ___

ایک بات یہ لکھنا ہے کہ خوفناک مواقع میں اور ان جگہوں میں جہاں، دشمنوں کا غلبہ ہو امن (بہیت) دفع کے لیے سورۂ قریش کا پڑھنا مجرب ہے۔ کم از کم ہر دن اور ہر رات میں گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ لیں اور حدیث مصطفوی میں وارد ہوا ہے۔ من نزل منزلاً ثم قال اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شر ما خلق لا یضرہ شئ حتی یرتحل من منزلہ ذٰلک (جو شخص کسی جگہ اترے پھر یہ کلمات ادا کرے جن کا ترجمہ یہ ہے میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں کلمات خدا کے ذریعہ جو کہ کامل ہیں اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے، تو کوئی موذی چیز اس کو نقصان نہیں پہونچائے گی یہاں تک کہ وہ اس منزل سے کوچ کرے ___ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مکتوب (۷۵) میرزا مظفر خاں کے نام

[مصائب، دوستانِ خدا کے لیے کفارہ ہیں اور اللہ تعالےٰ سے
تضرع وزاری کے ساتھ عفو و عافیت طلب کرنا چاہیئے]

اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے ان تمام باتوں سے جو آپ کے شایان شان نہیں ہیں۔ (واضح ہو کہ) دنیاوی مصائب کا آنا دوستانِ خدا کی لغزشوں کا کفارہ ہے ___ اس وقت تک تضرع وزاری اور التجا وانکسار کے ساتھ، عفو و عافیت کو جناب قدس سے طلب کرنا چاہیے جب تک اثرِ قبولیت مفہوم نہ ہو اور فتنوں کا دب جانا معلوم نہ ہو جائے ___ ہر چند ہم اور سب خیر اندیش اسی کام میں ہیں (آپ کے حق میں دعا کر رہے ہیں) لیکن صاحب معاملہ کو اس کام کا زیادہ حق پہونچتا ہے (صاحب معاملہ کو خود زیادہ سے زیادہ دعا کرنی چاہیے) دوا کھانا اور پرہیز کرنا خود مریض کا کام ہے دوسرے لوگ (تیماردار) اس کے ازالۂ مرض میں مددگار ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حقیقتِ معاملہ

تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی محبوبِ حقیقی کی طرف سے پہونچے کشادگیٔ پیشانی اور فراخیٔ سینہ کے ساتھ احسان مانتے ہوئے قبول کرنا چاہیے بلکہ اس سے لذت یاب ہونا چاہیے۔ اگر محبوب کو محب کی رسوائی مطلوب ہے تو وہ رسوائی محبِ صادق کے نزدیک اس نیک نامی سے بہتر ہے جو کہ نفس کو مطلوب ہے۔ اگر محب کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو وہ محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔ ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دین ؏ خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

.... والسّلام

مکتوب (۷۷) مولانا حسن برکی کے نام (آخری حصہ)

...... تم نے دریافت کیا تھا کہ ختم کلام اللہ، نماز نفل اور تسبیح و تہلیل کا ثواب والدین یا استاد یا عزیزوں کو بخش دینا بہتر ہے یا نہ بخشنا بہتر ہے ـــــ جاننا چاہیے کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں دوسروں کو بھی نفع پہونچتا ہے۔ اور خود کو بھی ـــــ اور ثواب نہ بخشنے میں نفع، صرف اپنے ہی ساتھ مخصوص و محدود رکھتا ہے (ثواب بخش دینے کی صورت میں) ممکن ہے کہ بطفیلِ دیگراں ہی عمل قبول فرمالیں ـــــ والسّلام

مکتوب (۸۱) محمد مراد قور بیگی کے نام

[نصیحت]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ ـــــ مجھے ڈر ہے کہیں دوستانِ نیک انجام، دنیا (جو کہ بظاہر تازگی اور شیرینی اپنے اندر رکھتی ہے) کی آرائشوں میں پھنس کر بچوں کی طرح اس کے فریفتہ ہو جائیں اور دشمنِ لعین (شیطان) کی رہنمائی میں مباح سے مشتبہ کی طرف اور مشتبہ سے حرام کی طرف رغبت نہ کرنے لگیں۔ ایسا ہوا تو مولائے حقیقی کے سامنے خجل و شرمندہ ہونا پڑے گا۔ توبہ اور رجوع الی اللہ میں قدمِ راسخ رکھنا اور منہیات شرعیہ کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے ـــــ

؎ اگر سلطانِ دین ہم سے بالفرض طمع کرنے کا مطالبہ کرے تو ہم طمع کریں گے اور قناعت کے سر پر خاک ڈال دیں گے۔

ہمہؔ اندر زمن بتو ایں است — کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است

حضرت حق سبحانہ نے اپنے کرم و فضل سے جائز امور کا دائرہ خود اپنے بندوں کے لیے وسیع کر دیا ہے۔ کوئی بڑا بدقسمت ہوگا جو تنگیٔ سینہ کی بنا پر اس قدر فراخی و وسعت کو تنگی سمجھ کر اس دائرہ وسیع سے باہر قدم رکھے اور حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے مشتبہ و حرام میں مبتلا ہو جائے حدودِ شرعیہ کا پابند رہنا چاہیے ان حدود سے بال برابر تجاوز نہ کرنا چاہیے۔ رسم و عادت کے ساتھ نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے نسبتہً پھر بھی بہت ہیں مگر ایسے پرہیزگار جو حدودِ شرعیہ کی محافظت کریں بہت کم ہیں۔ وہ امتیازی خط جو اہل حق اور اہل باطل دونوں سے وجود میں آجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سبب استحکام دین، تقویٰ ہے" نیز ارشاد فرمایا ہے۔ "پرہیزگاری کے برابر کسی چیز کو شمار نہ کرو" —— (ہمارے خوشحال) دوست ہر چند پر تکلف کھانے کھائیں اور لباسہائے فاخرہ، زیب تن کریں مگر لذت و انتفاع تو فقرا ہی کے طعام و لباس میں ہے

ع آنکہ آں داد بشاہاں بگدایاں ایں داد[عہ]

اُس حال میں (امیری میں) اور اِس حال میں (درویشی میں) بہت بڑا فرق ہے۔ وہ (اکثر) رضائے حق سے بعید ہے اور یہ رضائے حق سے نزدیک ہے اُس کا محاسبہ سخت ہوگا اور اِس کا ہلکا —— اے ہمارے رب ہم کو اپنی جانب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں درستی و کامیابی ارزانی فرما ——

مکتوب (۸۲) خواجہ شرف الدین حسین کے نام [نصیحت]

[نصیحت]

اے اللہ ہماری آنکھوں میں دنیا کو حقیر کر دے اور آخرت کی عظمت ہمارے قلوب میں بٹھا دے۔ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم —— اے فرزند عزیز باتمیز! تم دنیائے دوں کی طرف ہرگز راغب نہ ہونا اور اس فانی طمطراق پر فریفتہ نہ ہو جانا کوشش کرو کہ تمام حرکات و سکنات میں شریعتِ مطہرہ

عہ میری تجھے ایک ہی نصیحت ہے وہ یہ کہ تو کم سن ہے اور مکانِ دنیا پر از فریب ہو لہٰذا احتیاط اور پرہیزگاری قدم قدم پر ضروری ہے)

عہ جس ذات نے شاہوں کو کرو فر دیا اُسی نے فقیروں کو سادگی عطا فرمائی۔

کے تقاضے کے مطابق عمل درآمد ہو اور ملتِ بیضا کی موافقت میں زندگی گزرے ــــ سب سے پہلے تصحیح اعتقاد، علمائے اہلِ سنت و جماعت کی رائے کے مطابق ضروری ہے بعد ازاں عملی احکام فقہیہ کا نمبر ہے۔ فرائض کی ادائگی میں پورا اہتمام کرنا چاہیے حلال و حرام میں بہت احتیاط سے کام لیا جائے (یہ بھی یاد رکھو کہ عباداتِ نافلہ، عباداتِ فرائض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں ....

بہت سے آدمی اس زمانے میں اشاعتِ نوافل اور تخریب فرائض میں مشغول ہیں نفلی عبادتوں کی ادائگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتبار قرار دے رکھا ہے۔ بہت سا روپیہ موقع بے موقع مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن ایک جیتل (معمولی قیمت کا سکہ) زکوٰۃ کی ادائگی میں ان کو دینا مشکل ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ میں دینا لاکھوں روپیہ صدقۂ نافلہ میں دینے سے بہتر ہے ــــ ادائگی زکوٰۃ میں محض حکم خداوندی پورا کیا جاتا ہے اور صدقۂ نافلہ کا منشا اکثر و بیشتر ہوائے نفسانی ہے ــــ اسی لیے فرض میں ریاکاری کی گنجائش نہیں ہے اور نفل میں ریاکاری کے لیے بڑا میدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ میں اظہار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنے سے تہمت کو دور کر دے اور صدقۂ نافلہ میں پوشیدگی بہتر ہے کیونکہ اس میں یہی صورت، قبولیت کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ احکام شرعیہ کی پابندی کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے تاکہ مضرتِ دنیا سے خلاصی کی شکل بنے اگر حقیقۃً ترکِ دنیا میسر نہ ہو تو (کم از کم) ترکِ حکمی سے تو کوتاہی نہ ہونی چاہیئے۔ ترکِ حکمی، التزام شریعت ہے۔ اقوال میں بھی اور افعال میں بھی ــــ

واللہ سبحانہٗ الموفقُ ــــ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مکتوب (۸۴) شیخ حمید بنگالی کے نام

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی ــــ برادرم میاں شیخ حمید نے عجیب گوشہ نشینی اور ایک سوئی اختیار کر رکھی ہے کہ اس میں سلام و پیام کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اس سات آٹھ سال میں (صرف) ایک مکتوب تمہاری جانب سے پہونچا ہے اور وہ بھی ناتمام و ناکمل۔ یہاں سے جو مکتوبات جاتے ہیں معلوم نہیں کہ تم تک پہونچتے ہیں یا نہیں؟ برادر شیخ عبدالحئی چونکہ اپنے وطن کی جانب متوجہ ہیں اس لیے ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ ایک بار وہ تمہارے

پاس پہونچیں اور تمہارے احوال پر مطلع ہوں ـــــ شیخ عبدالحیٔ پانچ سال کے قریب ہمارے پاس رہے ہیں اکثر خدماتِ حضوری اُن سے متعلق تھیں وہ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب اور احوال جذبہ و سلوک سے آگاہ ہیں۔ شیخ عبدالحیٔ مذکور سے کہدیا گیا ہے کہ وہ چند روز تمہارے مکان پر ٹھہریں اور جو علوم و معارف، مناسب وقت ہوں ان کو تم سے بیان کریں ـــــ تم بھی احوال گزشتہ اور موجودہ احوال و مواجید جو کچھ ہوں ان کے سامنے ظاہر کر دو اور وہ جو کچھ نصیحت کریں اس کا لحاظ رکھو ـــــ باقی حالات مشارٌ الیہ (شیخ عبدالحیٔ) تم سے زبانی کہیں گے ان شاء اللہ تعالےٰ۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ ـــــ

مکتوب (۸۷) فتح خاں افغان کے نام

[نصائح]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ مکتوب شریف، جو فقراء سے کمالِ محبت و اخلاص کا پتہ دے رہا تھا پہونچا ـــــ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس محبت پر استقامت بخشے ـــــ نصیحت جو سعادت مند دوستوں کو کرنی ہے وہ اتباعِ سنتِ نبویہ اور اجتناب از بدعتِ نامرضیہ کی نصیحت ہے ـــــ جو شخص کسی ایسی سنت کو زندہ کرتا ہے جو متروک العمل ہو چکی ہو اس کے لیے سَو شہیدوں کا ثواب ہے ـــــ بس کیا ٹھکانا ہے اس شخص کے ثواب کا جو فرائض میں سے کسی فرض کو اور واجبات میں سے کسی واجب کو زندہ کرے ـــــ پس نماز میں تعدیلِ ارکان جو کہ اکثر علماءِ حنفیہ کے نزدیک واجب اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض اور بعض علماءِ حنفیہ کے نزدیک، سنت ہے ـــــ یہ تعدیلِ ارکان کا عمل اکثر لوگوں سے ترک ہو رہا ہے، اس عمل کا زندہ کرنا بھی سَو شہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہوگا ـــــ اسی پر قیاس کر لیا جائے تمام احکامِ شرعیہ کو کہ وہ حلال و حرام اور مکروہ وغیر مکروہ سے متعلق ہیں ـــــ علماء نے فرمایا ہے کہ تین رتی چاندی کا واپس کرنا اس شخص کو جس سے ظلم کے ساتھ بغیر وجہِ شرعی یہ چاندی حاصل کی گئی ہے دو سَو درہم خیرات کرنے سے بہتر ہے ـــــ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگرچہ کوئی شخص عملِ صالح سنت کے مطابق ہی رکھتا ہو لیکن اس پر تین رتی

کسی کا حق رہ گیا ہو، وہ شخص جب تک اُن تین رتی کو ادا نہ کرے گا (اول دہلے میں) اس کو بہشت میں داخل نہ کیا جائے گا ــــــ حاصل کلام یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ کر کے متوجہ باطن رہنا چاہیے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودگی نہ ہو ــــــ دیگر، بغیر امدادِ باطن کے احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے ــــــ علما فتویٰ دیتے ہیں (اور اس پر پورے طریقے سے) عمل درآمد، اہل اللہ کرتے ہیں ــــــ باطن کے اہتمام کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ ظاہر کا اہتمام بھی ہو، جو شخص (صرف) باطن میں مشغول ہو اور ظاہر کے درست کرنے سے باز رہے وہ ملحد ہے۔ اس کے احوالِ باطن، استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں حالِ باطن کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ ظاہر احکامِ شرعیہ سے آراستہ ہو ــــــ طریق استقامت یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے ــــــ

مکتوب (۸۸) مُلّا بدیع الدین کے نام

(رضا بقضا کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ بندۂ مقبول وہ ہے کہ اپنے مولائے حقیقی کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی مرضی کا تابع ہے وہ بندۂ نفس ہے ــــــ اگر مولیٰ اپنے بندے کے گلے پر چھری بھی چلا دے تب بھی بندے کو شاداں و خنداں ہونا اور اس فعل مولیٰ کو اپنا پسندیدہ فعل محسوس کرنا بلکہ اس سے لذت یاب ہونا چاہیے اور اگر عیاذاً باللہ اس کو اس فعل سے کراہت ہوتی ہے اور اس کا سینہ تنگ ہوتا ہے تو وہ دائرۂ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے راندہ و مہجور ہے ــــــ طاعون جب کہ مولائے حقیقی کی مراد ہے چاہیے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش وخرم ہوں، غلبۂ طاعون سے پیشانی پر بل نہ ڈالیں اور دل تنگ نہ ہوں، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ فعلِ محبوب ہے اس سے لذت یاب ہوں ــــــ ہر کسی کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے اس میں کمی و بیشی کا کوئی احتمال نہیں ہے، پس پریشانی کس بات کی ہے؟ ــــــ زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ (دعائیں کر کے) بلاؤں سے عافیت و امان طلب کریں اور اللہ کے غصے سے پناہ ڈھونڈھیں ــــــ بندے کی دعا اور سوال اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ــــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

کہ تم مجھ سے دعا کرو تا کہ میں اس کو قبول کروں ــــ مولانا عبدالرشید نے آکر تمہارے علاقے کے حالات بیان کیے ــــ اللہ تعالیٰ تم سب کو بلّیات ظاہرہ و باطنہ سے محفوظ رکھے ــــ

مکتوب (۸۹) سیادت پناہ میر محب اللہ کے نام

[نصیحت]

الحمد للہ ــــ اللہ ہم کو اور تم کو تمہارے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے ــــ صدقے میں اپنے حبیب سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ــــ اس طرف کے نقراء کے احوال و اوضاع، لائق حمد ہیں ــــ اللہ ہی کے لیے تعریف وشکر ثابت ہے دائم اور اللہ کے نبی پر صلوٰۃ وسلام لازم ہے پیہم ــــ اللہ تعالیٰ سے تمہاری سلامتی، عافیت اور ثابت قدمی مطلوب ہے۔

مخدوما، مکرما، شفقت آثارا! ــــ کام کا وقت نکلا جا رہا ہے اور جو سکنڈ گزر رہا ہے وہ عمر کا ایک حصہ کم اور موت کا وقت قریب کرتا جاتا ہے ــــ آج آگاہ نہ ہوئے تو کل بروز قیامت بجز حسرت وندامت اور کچھ حاصل نہ ہو گا ــــ کوشش کی جائے کہ اس چند روزہ زندگی میں شریعت مطہرہ کے موافق زندگانی بسر ہو جائے تاکہ نجات کی شکل پیدا ہو ــــ یہ وقت عمل کا وقت ہے۔ عیش وعشرت کا وقت تو آگے آنے والا ہے جو کہ اس وقت کے عمل کا ثمرہ ہو گا ــــ عمل کے وقت عیش کرنا اپنی زراعت کو بغیر پکے کھانا اور اس کے ثمرات سے محروم رہنا ہے ــــ زیادہ کیا لکھوں ــــ خدا کرے کہ دولت صوری ومعنوی حاصل ہو ــــ

مکتوب (۹۲)۔ سیادت مآب میر محمد نعمان اکبرآبادی کے نام

[ولایت، قرب الٰہی کو کہتے ہیں، خوارق وکرامات، ولایت کے لیے شرط نہیں، نیز سجدۂ تعظیمی کا بیان]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ سیادت مآب برادرم میر محمد نعمان

خوش وقت رہیں اور جانیں کہ ظہورِ خوارق وکرامات، شرطِ ولایت نہیں ہے ——— جس طرح علماء حصولِ خوارق وکرامات کے مکلف نہیں اولیاء بھی ظہورِ خوارق کے مکلف نہیں ہیں ——— اس لیے کہ ولایت مراد ہے قربِ الٰہی سے اور اللہ تعالیٰ اپنا قرب اپنے اولیاء کو اس وقت عنایت فرماتا ہے جب وہ غیرِ حق کو فراموش کر دیتے ہیں ——— ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرماتے ہیں لیکن احوالِ غائب پر اس کو مطلع نہیں فرماتے۔ ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کو اپنا قرب بھی عطا فرماتے ہیں اور اطلاعِ مغیبات بھی بخشتے ہیں اور ایک تیسرا شخص ہے کہ اس کو قرب کی دولت نہیں دیتے اور مغیبات پر اطلاع دے دیتے ہیں ——— یہ تیسرا شخص اہلِ استدراج سے ہے نفس کی صفائی نے اس کو کشفِ مغیبات میں گرفتار کر دیا اور گمراہی میں ڈال دیا ہے ——— قرآن مجید کی یہ آیت شریفہ اس قسم کے لوگوں کی خبر دے رہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ ——— "یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر ہیں ——— آگاہ ہو جا کہ یہ لوگ کاذب ہیں ان پر شیطان مسلط ہو گیا ہے بس اس نے ان کے دلوں سے اللہ کے ذکر کو بھلا دیا ہے۔ یہ لوگ لشکرِ شیطان ہیں۔ آگاہ ہو جا کہ لشکرِ شیطان زیاکار ہے" ——— بھلا اور دوسرا شخص جو دولتِ قرب سے مشرف ہے اولیاء اللہ سے ہے ——— کشفِ مغیبات کا ہونا نہ ہونا ان دونوں کے اندر کوئی زیادتی و نقصان پیدا نہیں کرتا۔ البتہ درجاتِ قرب کے اعتبار سے ان میں فرق ہوتا ہے ——— بسا اوقات وہ شخص جس کو کشف نہیں صاحبِ کشف سے افضل او رپیش قدم ہوتا ہے۔ اس قرب کی زیادتی کی وجہ سے جو اس کو حاصل ہوتی ہے ——— صاحبِ عوارف (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) نے جو کہ شیخ الشیوخ اور مقبولِ جمیع صوفیاء ہیں اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس بات کی تشریح فرمائی ہے۔ اگر کوئی میری بات کا یقین نہ کرے اس کتاب کا مطالعہ کرے اس میں کرامات و خوارق کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ تمام کرامات و خوارق، اللہ تعالیٰ کی بخشش ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ دولتِ کشف و کرامت عطا کرتے ہیں اور ایک وہ شخص جو ان سے مرتبے میں بلند ہوتا ہے اس کو کرامات میں سے کچھ بھی عطا نہیں کرتے ——— یہ کرامات (محض) تقویت یقین کے لیے عطا فرماتے ہیں۔ جس کسی کو یقین کامل عطا فرمایا گیا ہے اس کو ان کرامات کی حاجت نہیں ہوتی، یہ تمام کرامات

ذکرِ ذات سے کم درجہ ہیں ......"

خواجہ عبداللہ انصاریؒ جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقّب ہیں کتاب منازل السائرین میں فرماتے ہیں ـــــ "فراست دو قسم کی ہے (۱) فراستِ اہلِ معرفت (۲) فراست اہلِ جوع و ریاضت۔ فراست اہلِ معرفت کا تعلق طالبین کی استعداد معلوم کرنے اور اولیائے واصلین کی شناخت کرنے سے ہے اور ریاضت کرنے والے اور ریاضت کے سلسلے میں بھوکا رہنے والوں کی فراست کا تعلق کشفِ صُور اور کشفِ احوالِ مغیباتِ مخلوقات سے ہے۔ چونکہ اکثر انسان جنابِ قدس سے بے تعلق اور دنیا میں مشغول و منہمک ہیں اس لیے ان کے دل بھی کشفِ صور اور مغیباتِ مخلوقات کی خبر دینے کی طرف مائل ہیں۔ ان عوام کے نزدیک یہ خوارق ہی بہت بڑا کمال ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ خوارق والے بڑے اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔ عوام اہلِ حقیقت کے کشف سے اعراض کرتے ہیں اور اہلِ حقیقت بالہامِ خداوندی جو کچھ بیان کرتے اس کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہلِ حق ہوتے جیسا کہ یہ گمان کرتے ہیں تو ضرور ہمارے اور تمام مخلوقات کے احوال غیبی کی خبر دیتے ـــــ اور جب ان کو ہمارے احوال کے کشف پر قدرت نہیں تو پھر کس طرح ان امور کے کشف پر قادر ہوں گے جو احوالِ مخلوقات سے اعلیٰ ہیں ـــــ یہ لوگ فراست اہلِ معرفت کو جھٹلاتے ہیں جس کا تعلق ذات و صفاتِ خداوندی اور افعالِ واجبی جلّ سلطانہ سے ہے، اپنے قیاسِ فاسد کی وجہ سے یہ لوگ اہلِ حقیقت کے علوم و معارفِ صحیحہ سے محروم رہے اور انھوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو مخلوق کی طرف نظر جمانے سے محفوظ رکھا ہے، اپنی جنابِ قدس کے ساتھ ہی ان کو مخصوص فرما دیا اور اپنے ماسوا سے ہٹا دیا ہے۔ محض اپنی اس حمایت و غیرت کی وجہ سے جو ان کی طرف متوجہ ہے ـــــ اگر اہلِ حقیقت احوالِ مخلوق کے درپے ہو جاتے تو جنابِ قدس میں حضوری کی لیاقت ان میں نہ رہتی"ـــــ

شیخ الاسلام ہرویؒ نے اس قسم کی باتیں اور بھی ارشاد فرمائی ہیں ـــــ میں نے اپنے خواجہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ "بعضے اولیائے کرام جن سے کرامات و خوارق بہت کچھ ظاہر ہوئے۔ آخر وقت میں اس ظہورِ کرامات سے نادم و شرمندہ تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش یہ تمام خوارق و کرامات ہم سے ظاہر نہ ہوتے"

——— اگر کثرتِ ظہورِ خوارق کے اعتبار سے فضیلت ہوا کرتی تو اس شرمندگی کے کیا معنی ؟ (جو بعض اولیا کو ظہورِ کرامات پر آخر وقت میں ہوئی) ——— رہا یہ سوال کہ جب ظہورِ خوارق، ولایت میں شرط نہیں تو پھر ولی، غیر ولی میں کیونکر امتیاز ہو ؟ اور اہلِ حق کی اہلِ باطل سے کس طرح تمیز ہو ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چاہے امتیاز نہ ہو اور اہلِ حق و اہلِ باطل باہم مختلط نظر آیا کریں۔ حق و باطل کا اختلاط تو (ظاہری نظروں میں) اس دنیا میں لازمی ہے ——— ولی کو خود اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے ——— بہت سے اولیاء اللہ ہیں کہ وہ اپنی ولایت کی اطلاع نہیں رکھتے پھر دوسروں کو ان کی ولایت سے واقف ہونا کس طرح ضروری ہو ؟ البتہ نبی میں معجزات کے بغیر چارۂ کار نہیں تاکہ نبی اور غیر نبی کا امتیاز ہو، اس لیے کہ نبوتِ نبی کا جاننا ضروری ہے ——— ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے اس لیے بس معجزۂ نبی اس کے لیے کافی ہے ——— اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے علاوہ کسی اور بات کی دعوت دیتا ہوتا تو اس وقت خارقِ عادات کے بغیر کام نہ چلتا مگر چونکہ اس کی دعوت شریعتِ نبی کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے اس کو خارقِ عادات کی چنداں ضرورت نہیں ——— علمائے ظاہر شریعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اولیائے ظاہر شریعت کی طرف بھی دعوت دیتے ہیں اور باطنِ شریعت کی طرف بھی ——— وہ اول مریدوں اور حق کے طالبوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کی ادائیگی کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکرِ حق کا راستہ بتاتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مستغرق رکھیں حتیٰ کہ ذکرِ خدا غالب آجائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ تمام ماسوا سے ایسا نسیان حاصل ہوجائے کہ اگر تکلف سے بھی اشیا کو یاد کرے تو وہ اس کو یاد نہ آئیں۔ یقینی بات ہے کہ ولی کو اس دعوت کے واسطے جس کا تعلق ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے ہے خوارق کی ضرورت نہیں ——— پیری و مریدی، نام ہے اسی دعوت کا اس کو خارقِ عادات و کرامات سے کوئی واسطہ نہیں ——— میں کہتا ہوں کہ مریدِ رشید اور طالبِ مستعد ہر وقت، سلوکِ طریق میں پیر و مرشد کے خوارق و کرامات کا احساس کرتا رہتا ہے اور معاملۂ غیبی میں ہر وقت اُس سے مدد چاہتا ہے اور مدد پاتا ہے ...... مرید احساسِ خوارقِ پیر کس طرح نہ کرے ؟ پیر نے تو اس کے دلِ مردہ کو زندہ کیا ہے اور

مشاہدہ و مکاشفہ کی منزل تک پہونچایا ہے .... فی الحقیقت اہل اللہ کا وجود ہی کرامات
میں سے ایک مستقل کرامت ہے اور ان کی دعوت، مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک
رحمت ہے۔ نیز اُن کا مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے
ـــــ اہل اللہ، زمین والوں کے لیے امان اور غنیمت روزگار ہیں۔ ان کے طفیل میں بارش
برسائی جاتی ہے اور انھیں کے صدقے میں مخلوق کو رزق عطا فرمایا جاتا ہے ـــــ ان کا کلام دوا ہے
اُن کی نظر شفا ہے، یہ ایسی قوم ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت اور محروم نہیں ہوتا۔

وہ علامت جو اہل حق کو اہل باطل سے جدا کرتی ہے یہ ہے کہ وہ شریعت پر استقامت
رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ ہو اور ماسویٰ سے بے رغبتی ہو جائے
ـــــ ایسا شخص اہل حق ہے اور اس کا شمار اولیاء خدا میں سے ہے .... تم نے اپنے مکتوب
میں سلطان وقت (جہانگیر) کی خدا طلبی کے متعلق بھی کچھ لکھا تھا اور کچھ اشارہ اس کے عدل و انصاف
اور التزام احکام شرعیہ کی جانب کیا تھا اس بات کے مطالعے سے بہت خوشی ہوئی اور ایک
کیفیت پیدا ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بادشاہ وقت کے نورِ عدل سے عالم کو منور کر دیا ہے اسی
طرح شریعت و ملت محمدیہ کو بھی اس کے حسنِ اہتمام سے نصرت و عزت بخشے۔

محبت آثارا! .... شریعت کا رواج، سلاطین کے حسنِ اہتمام کے ساتھ (بھی) وابستہ
ہے۔ اس اہتمام نے کچھ عرصے سے ضعف پیدا کر لیا ہے، ناچار اسلام ضعیف ہو رہا ہے ـــــ ہندوستان
کے غیر مسلم دلیری کے ساتھ مساجد ڈھا رہے ہیں اور وہاں اپنے معبد تعمیر کر رہے ہیں ....
غیر مسلم برملا اپنے مراسم بجالاتے ہیں، لیکن مسلمان اکثر احکام اسلام کے جاری کرنے سے عاجز ہیں...
...... افسوس صد ہزار افسوس بادشاہِ وقت ہمارا ہم مذہب اور ہم فقیر اس زبونی و خرابی کے
عالم میں ؟ ـــــ بادشاہوں کے اعزاز و اکرام سے کبھی اسلام کو رونق ہوئی، علماء و صوفیہ معزز و
محترم تھے اور شاہانِ وقت کی تقویت سے وہ ترویج شریعت میں کوشش کرتے رہتے تھے ـــــ
میں نے سنا ہے کہ ایک روز امیر تیمور گورگان علیہ الرحمہ، بخارا کے ایک کوچے سے گزر رہے
تھے، اتفاقاً خانقاہِ خواجہ نقشبند قدس سرہ کے خادم اس کوچے میں خانقاہ کے کمبلوں کو جھاڑ
رہے تھے اور گرد صاف کر رہے تھے امیر تیمور اپنے حُسنِ اسلام کی بنا پر اس کوچے میں کچھ دیر ٹھہرے

تاکہ خانقاہ کی گرد کو اپنے لیے عبیر و صندل بنا کر درویشوں کے فیوض و برکات سے مشرف ہو جائیں ـــــ شاید اسی تواضع و عاجزی کی وجہ سے جس کو لے کر وہ اہل اللہ کے ساتھ پیش آتے تھے وہ حسن خاتمہ سے مشرف ہوئے ـــــ منقول ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ امیر تیمور کی وفات کے بعد فرماتے تھے کہ "تیمور انتقال کر گیا اور ایمان سلامت لے گیا" ـــــ تم جانتے ہو کہ خطبۂ جمعہ میں سلاطین کا نام جو منبر کے نیچے درجے پر اتر کر پڑھتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ ایک تواضع ہے جس کو سلاطین نے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ برتا ہے ـــــ سلاطین نے یہ بات جائز نہ سمجھی کہ ان کے نام، اکابر دین کے ناموں کے ساتھ منبر کے ایک ہی درجے پر مذکور ہوں ـــــ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے ـــــ

اے برادر، سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں انتہائی ذلت اور شکستگی کو متضمن ہے اور اس میں کمالِ تواضع اور فروتنی پائی جاتی ہے اسی وجہ سے اس قسم کی تواضع و فروتنی کو (صرف) واجب الوجود جل سلطانہٗ کی عبادت کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے اس کے غیر کے لیے سجدہ جائز نہیں رکھا گیا ہے ـــــ منقول ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے جارہے تھے ایک اعرابی آیا اس نے معجزہ طلب کیا تاکہ اسے دیکھ کر ایمان لائے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس درخت سے کہہ دے کہ تجھ کو پیغمبر بلاتا ہے۔ چنانچہ وہ درخت اپنی جگہ سے متحرک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا گیا۔ وہ اعرابی یہ دیکھ کر اسلام لے آیا۔ اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں ہے ـــــ اگر میں غیر اللہ کے لیے سجدہ تجویز کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے" ـــــ بعض (نام نہاد) علما نے سلاطین کے لیے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیا ہے لیکن سلاطینِ عظام کے لائق حال یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے تواضع و فروتنی کا مظاہرہ کریں اور اس انتہائی تذلل و انکسار (سجدے) کو غیر اللہ کے لیے جائز قرار نہ دیں ـــــ حضرت حق جل مجدہٗ نے ایک عالم کو بادشاہوں کا مسخر اور اُن کا محتاج کر دیا ہے اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کریں اور ایسی تواضع کو جو کمالِ عجز و انکساری کی اطلاع دیتی ہے فقط جنابِ قدس کے لیے ہی مسلم رکھیں اس معاملہ میں کسی کی اس کے ساتھ شرکت نہ ڈھونڈھیں ـــــ ہرچند

بکچھ (غیر حقانی) عالم اس سجدہ تعظیمی کو ان کے لیے جائز قرار دیں۔ لیکن بادشاہوں کے حسنِ تواضع کا یہ تقاضا ہے کہ وہ خود اس کو جائز نہ سمجھیں ——— ھل جزاءُ الاحسان الّا الاحسان ———
چونکہ بادشاہِ وقت تمام مملکت کا دورہ کرکے دار الخلافہ (آگرہ) آگئے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ یہ فقیر بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مستقبل قریب میں دار الخلافہ پہونچے ——— باقی ملاقات کے وقت
والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات العلیٰ

مکتوب (۹۶) خواجہ ابوالحسن بدخشی الکشمی کے نام

[حدیث قرطاس کے بیان میں]

الحمدُ للہِ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ ———
سوال کیا گیا ہے حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں فرمایا تھا ——— "ایتونی بقرطاسٍ اَکتُبُ لکم کِتابًا لَن تَضِلّوا بعدی" (یعنی مجھے کاغذ لاؤ، میں لکھیں ایسی تحریر لکھوا دوں کہ تم میرے بعد ہرگز راہِ راست سے نہ ہٹ سکو) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند اور صحابہؓ نے کاغذ لانے کو منع کیا اور کہا "حَسبُنا کِتابُ اللہ" (ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے) اور یہ بھی کہا "اَھجَرَ اِستَفھِمُوہُ" ——— یعنی کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلبۂ مرض کی بنا پر یہ بے قصد کلام فرما رہے ہیں، معلوم کرو؟) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جو کچھ فرماتے تھے وہ ازروئے وحی فرماتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا ینطِقُ عنِ الھویٰ اِن ھو اِلّا وحیٌ یُوحیٰ"[1] ——— اور وحی کو رد کرنا کفر ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ "وَمَن لَّم یَحکُم بِمَا اَنزَلَ اللہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الکٰفِرُون"[2] سے ظاہر ہے ——— نیز کلام بے قصد و بے اختیار کا پیغمبر کے لیے جائز رکھنا گویا اس کے احکامِ شرعیہ سے اعتماد اٹھا دینا ہے اور یہ بھی کفر، الحاد اور زندقہ ہے ——— آخر اس شبہے کا جواب کیا ہے؟

---

[1] وہ اپنی خواہش نفس کے ماتحت کلام نہیں فرماتے اُن کا کلام وحی ہوتا ہے وہ وحی جو اُن کی طرف بھیجی جاتی ہے
[2] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام اور رسول پر بھیجی ہوئی وحی پر عمل و فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ منکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم کو رشد و ہدایت عطا کرے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ اس قسم کے شبہات ایک جماعت کے لوگ حضرات خلفاءِ ثلٰثہ پر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کیا کرتے ہیں اور ان تشکیکات کے ذریعے اُن کا بِلت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں۔ کاش یہ لوگ انصاف پر آجائیں اور صحبتِ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ذہن نشین کرلیں کہ صحابۂ کرام کے نفوس صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر ہوا و ہوس سے پاک اور اُن کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے اور یہ بھی جان لیں کہ یہ صحابۂ وہ اکابر دین اور پیشوایان اسلام ہیں جنھوں نے اپنی طاقتوں کو کلمۂ اسلام کے بلند کرنے میں اور آنحضرتؐ کی نصرت میں اور اپنے اموال کو بھی اسی مقصد کے پیشِ نظر، رات دن، خفیہ اور علانیہ صرف کیا ہے —— انھوں نے محبتِ رسولؐ کی خاطر اپنے قبیلوں کو اپنی اولاد و ازواج کو اپنے وطنوں اور مکانوں کو اپنے چشموں اور کھیتوں کو اپنے باغات اور نہروں کو چھوڑا ہے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی، انھوں نے اپنی ذات اور اپنی ذریات و اموال کی محبت کے مقابلے میں محبتِ رسولؐ کو اختیار کیا۔ یہی وہ صحابہ ہیں جن کے سامنے وحی آتی تھی، جنھوں نے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے، یہاں تک کہ ان کا غیب حضوری بن گیا اور ان کا علم، مشاہدہ ہو گیا۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی تعریف قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے (چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے) "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (یعنی اللہ ان سے راضی ہو گیا یہ اللہ سے راضی ہو گئے) (دوسری جگہ توریت و انجیل کا حوالہ دیکر فرمایا "مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ" جب کہ تمام اصحاب کرامؓ ان فضیلتوں میں شریک ہیں تو پھر سمجھنا چاہیے کہ کیا مقام ہے خلفاء راشدین کا جو اکابر صحابہ میں سے ہیں —— عمر فاروقؓ وہی عمر فاروقؓ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" (اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور مومنین میں سے وہ بھی جنھوں نے آپ کی اتباع کی) —— حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا سبب نزول حضرت فاروق اعظمؓ کا اسلام ہے —— نظرِ انصاف حاصل ہو اور شرفِ صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کر کے اُن تمام فضائل و درجات کو جو صحابۂ کرامؓ کے تھے جان لیا جائے تو اس قسم کے

شبہات کو خود معترضین مغالطہ و ملمع کاری تصور کریں گے اور قابلِ اعتبار نہ سمجھیں گے چاہے وہ غلطی کے اصل مادّے کی تشخیص و تعیّن نہ کر سکیں مگر اس قدر ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات کی کوئی حقیقت اور ان میں کوئی افادیت نہیں ہے بلکہ یہ شبہات ضروریات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں اور کتاب و حدیث کی رو سے مردود ہیں ــــــ پھر بھی سوال (مندرجہ) کے جواب اور مادۂ غلطی کی تعیّن میں چند مقدمات، اللہ کی مدد سے لکھے جاتے ہیں خوب اچھی طرح سن لیں (در اصل) اس اشکال کا جواب چند مقدمات پر موقوف ہے جن میں سے ہر ہر مقدمہ بھی ایک مستقل جواب ہے۔

مقدمۂ اوّل ــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات، وحی نہیں ہوتے تھے ــــــ آیت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ــــــ نطق قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اہل تفسیر نے کہا ہے۔ (مطلب یہ کہ قرآن کُل کا کُل کلام الٰہی ہے) ــــــ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اقوال بموجب وحی ہوتے تو آپ کے بعض اقوال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ اور عتاب نہ ہوتا اور نہ اس سے معافی کا ہونا کچھ گنجائش رکھتا (حالانکہ قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (سورۂ توبہ) (اے نبی اللہ نے تمھیں معاف کیا، تم نے ان منافقوں کی باتوں میں آ کر کیوں انھیں اجازت دی)

مقدمۂ دوئم ــــــ احکامِ اجتہادیہ اور اُمور عقلیہ میں ...... بموجب آیۂ کریمہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" (اے نبی تم معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ لیا کرو) اصحاب کرامؓ کو اظہار رائے اور بحث مباحثہ کی گنجائش ہے کیونکہ اس کے بغیر مشورے کا حکم بالکل بے معنی ہے ــــــ بدر کے قیدیوں کے قتل کرنے یا اُن سے فدیہ لے کر چھوڑ دینے میں اختلاف رائے واقع ہوا تھا۔ حضرت فاروقؓ نے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا پھر وحی فاروق اعظمؓ ہی کی رائے کے موافق آئی ....

مقدمۂ سوئم ــــــ سہو و نسیان، پیغمبر کے لیے جائز ہے بلکہ واقع ہوا ہے چنانچہ ذو الیدینؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ چار رکعت والی ایک نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ ذوالیدینؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر ہو گیا یا آپ کو سہو ہوا؟ ــــــ قولِ ذوالیدین کی سچائی کا ثبوت ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

دو رکعتیں اور پڑھیں اور سجدہ سہو کیا —— جب سہو و نسیان، حالت صحت و فراغت میں بمقتضائے بشریت جائز ہے تو حالتِ مرض الموت میں غلبۂ مرض کے وقت کلام بے قصد و بے اختیار کا صادر ہونا کیوں ممکن نہ ہوگا؟ —— اور اس چیز سے احکام شرعیہ کا اعتماد کیوں اٹھنے لگا جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سہو و نسیان پر مطلع اور صحیح و خطا کو جُدا فرما دیتا تھا —— ہاں یہ مسلم ہے کہ نبی کا خطا پر برقرار رہنا ہرگز جائز نہیں ہے اس لیے کہ برقرار رہنے سے احکامِ شرعیہ سے اعتماد اٹھتا ہے —— بس ثابت ہوا کہ سہو و نسیان اعتماد کو اٹھا دینے والی چیز نہیں ہے بلکہ سہو و نسیان پر نبی کا قائم رہ جانا اور اس کی تصحیح نہ ہونا احکامِ شرعیہ سے اعتماد کو زائل کرنے والا ہے اور یہ مُسلّم ہے کہ نبی سہو و نسیان پر قائم نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تصحیح ہو ہی جاتی ہے۔

مقدمۂ چہارم —— حضرت فاروق بلکہ خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کو کتاب و سنت کی رو سے جنت کی بشارت مل چکی ہے اور ان کے حق میں جنّت کی بشارت والی احادیث اپنے راویوں کی کثرت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ حدِّ شہرت اور حدِّ تواترِ معنوی کو پہونچ گئی ہیں ان کا انکار کرنا جہالت کی وجہ سے ہو سکتا ہے یا دشمنی کے سبب سے ——........ اگر بعض مخالف فرقوں کی کتبِ احادیث میں ان بشارات کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو اس کا کوئی اثر ان کے ثبوت پر نہیں پڑتا کسی کتاب میں عدم روایت سے عدم بشارت لازم نہیں آتی —— ان اکابر صحابہ کے لیے بشارت کا ثبوت قرآن مجید ہی میں بہت سی آیات کے اندر موجود ہے اُن میں سے بعض آیات یہ ہیں —— وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ یعنی مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور وہ لوگ جنھوں نے نیکوکاری میں ان کی پیروی کی راضی ہے اللہ تعالیٰ ان سب سے اور یہ راضی ہوئے اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بہشتی باغات تیار کیے ہیں کہ اُن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں —— یہ ہے بڑی کامیابی۔

دوسری جگہ فرماتا ہے

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً

مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" یعنی برابر نہیں تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے (دین کی راہ میں) فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا —— یہ لوگ ان لوگوں سے مرتبے میں بہت بڑے ہیں جنھوں نے بعد فتح مکہ خرچ اور قتال کیا اور ان میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے بہتری کا۔

پس جب تمام ان صحابہؓ کو جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد انفاق و مقاتلہ کیا ہے (یعنی دین کی راہ میں جان و مال کی قربانی کی ہے) بہشت کی بشارت دی گئی ہے تو اُن اکابر صحابہؓ کے بارے میں کیا کلام ہو سکتا ہے جو انفاق فی سبیل اللہ، مقاتلہ اور ہجرت میں سابق تر ہیں اور ان کی عظمتِ شان کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت 'لا یستوی' حضرت صدیقِ اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ انفاق و مقاتلہ میں تمام سابقین میں سابق تر ہیں۔

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ یعنی یقیناً خدا راضی ہوا مومنین سے جب کہ وہ آپ کے ہاتھ پر (ببول کے) درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے —— امام محی السنتہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دوزخ میں نہ جائے گا اُن میں سے ایک بھی جنھوں نے (وادی حدیبیہ میں) ببول کے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔" اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں اس لیے کہ حضرت حق جل مجدہٗ اس بیعت کرنے والی جماعت سے راضی و خوش ہو گئے اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ اللہ کے کسی ایسے بندہ کی تکفیر کرنا بدترین بُرائی اور کفر ہے جو کتاب و سنت کی رو سے بشارت یافتہ ہو۔

مقدمۂ پنجم —— حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف و تامل کرنا نعوذ باللہ رد و انکار کی رو سے نہ تھا اس قسم کی گستاخی خُلقِ عظیم والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشینوں سے کیسے ہو سکتی تھی؟ ایک ادنیٰ صحابی سے بھی جو محض ایک یا دو بار شرفِ صحبت خیر البشرؐ سے مشرف ہوا ہو ایسی گستاخی کی توقع نہیں کی جا سکتی —— بلکہ عام امتیوں کے

بارہ میں بھی جو دولت اسلام سے سرفراز ہو چکے ہیں اس قسم کے ردّ و انکار کا وہم نہیں ہو سکتا، پھر بھلا اس شخص سے کیونکر اس گستاخی کی توقع ہو جو اکابر صحابہؓ اور اعاظم مہاجرین و انصار میں سے ہو؟ — اللہ تعالیٰ انصاف کا مادہ نصیب کرے تاکہ اکابر دین کے ساتھ اس طرح کی بدگمانی اور بغیر سمجھے ہر کلمہ و کلام پر گرفت نہ کریں — مقصد حضرت فاروقؓ تو استفہام و استفسار تھا چنانچہ انھوں نے فرمایا "اِسْتَفْهِمُوْهُ" مطلب یہ ہے کہ دریافت کر لو اگر قرطاس کو اہتمام کے ساتھ طلب فرما رہے ہیں تو لے آیا جائے اور اگر اس بارے میں کوئی خاص اہتمام مقصود نہیں ہے تو پھر اس نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دینی چاہیے — اگر کسی وحی کی بنا پر آپ نے قرطاس طلب فرمایا ہے تو تاکید کے ساتھ طلب فرمائیں گے اور جس بات کے لکھنے کا حکم آپ کو ہوا ہے ضرور لکھوائیں گے اس لیے کہ وحی کا پہونچانا نبی پر واجب و لازم ہے اور اگر یہ قلم کاغذ کی طلب، وحی سے نہیں بلکہ اپنی رائے اور خیال سے یہ بات آپ نے فرمائی ہے تو وقت کی نزاکت مساعدت نہیں کرتی۔ آپ کی وفات کے بعد بھی سلسلہ اجتہاد باقی ہے۔ آپ کی امت کے مجتہد کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اُصول ہے — احکام اجتہادیہ کو نکال لیں گے — جب کہ نزول وحی کے زمانے میں ہی اجتہاد کی گنجائش تھی تو وفات کے بعد جو کہ انقطاع وحی کا زمانہ ہو گا بطریقِ اَولیٰ اہلِ علم کا استنباط و اجتہاد، مقبول ہو گا — اور چونکہ اس بارے میں پھر آنحضرتؐ نے کوئی اہتمام نہیں فرمایا بلکہ اس بات سے اعراض کیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ بات از روئے وحی نہ تھی — اور وہ تامل و توقف جو استفسار کے لیے ہو ہرگز مذموم نہیں ہے — (دیکھو) ملائکہ نے استفسار کی غرض سے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا "اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ" (کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جس کی نسل میں (کچھ لوگ) فساد فی الارض کریں گے اور خون بہائیں گے) — اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے لڑکے حضرت یحییٰؑ کی بشارتِ ولادت پا کر کہا تھا "اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ اَتٰى عَاقِرٌ" (میرے یہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا جب کہ میں بوڑھا ہوں اور میری زوجہ بانجھ ہے) اور اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام نے (ولادتِ عیسیٰؑ کی خبر پا کر) کہا تھا — "اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا" — (مجھ سے بچہ کیسے پیدا ہو گا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا اور نہ میں بدکار

ہوں پس اگر حضرت فاروق رضؓ نے بھی استفہام و استفسار کی غرض سے قرطاس لانے میں توقف کیا تو اس میں کیا مضائقہ ہے اور اس پر اتنا کیوں شور و شر ہے؟

مقدمۂ ششم ——— محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب آنحضرت سے حُسن ظن رکھنا ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بہترین زمانہ، زمانۂ سرور کائنات ہے اور آپ کے اصحاب، انبیاء کے بعد بہترین اولادِ آدم تھے، اور اس کے نتیجہ میں یہ یقین کرنا بھی لازم ہے کہ بہترین زمانے میں، بہترین بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہرگز امر باطل پر اجتماع و اتفاق نہ کریں گے اور ایسے لوگوں کو ہرگز جانشینِ پیغمبر نہ بنائیں گے جو (نعوذ باللہ) کافر یا فاسق ہوں ——— اور یہ جو ہم نے کہا کہ اصحاب کرامؓ بہترین اولاد آدمؑ تھے اس بنا پر کہا کہ یہ اُمت، نصِ قرآنی کی رو سے خیر الامم ہے اور اس اُمت کے بہترین افراد یہ صحابہؓ ہیں، کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہونچ سکتا، پس تھوڑا سا انصاف کرنا اور سمجھنا چاہیے کہ حضرت فاروقؓ کا قرطاس کے لانے سے منع کرنا معاذ اللہ کفر تھا تو پھر حضرت صدیقؓ جو بنصِ قرآنی اس بہترین اُمت میں سب سے زیادہ متقی تھے ——— حضرت فاروقؓ کو تصریح و تعین کے ساتھ اپنا خلیفہ مقرر نہ کرتے اور وہ مہاجرین و انصار جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور جن سے اُس نے جنت کا وعدہ کیا ہے وہ مہاجرین و انصار حضرت فاروقؓ سے بیعت نہ کرتے اور ان کو جانشینِ پیغمبر نہ بناتے ——— جب حُسنِ ظن جو کہ مقدمۂ محبت ہے صحبتِ آنسرورؐ اور اصحاب آنسرورؐ سے حاصل ہو گیا تو اس قسم کے اعتراضات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی اور ان اعتراضوں کا ظاہری طور پر باطل ہونا ظاہر ہو گیا اور اگر نعوذ باللہ حسنِ ظن صحبت خیر البشرؐ اور اصحاب خیر البشرؐ سے حاصل نہ ہوا اور بدگمانی کی نوبت آئی تو یہ بدگمانی صحابہؓ سے آگے بڑھے گی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمانی ہو گی بلکہ مولائے حقیقی تک بدگمانی کا سلسلہ پہونچے گا ——— اس بات کی خرابی کو خوب سمجھ لیا جائے ——— جس نے توقیر اصحاب کرامؓ نہیں کی وہ گویا رسولؐ ہی پر ایمان نہ لایا ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی شان میں یوں فرمایا ہے کہ جس نے اُن سے محبت کی اُس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھنے

کی وجہ سے بغض رکھا ــــــ بس محبتِ رسول کے لیے محبتِ صحابہؓ لازم ہے اور بغضِ اصحابؓ مستلزمِ بغض نبیؐ ہے۔

جب یہ مقدمات واضح ہو گئے تو بے تکلف اس شبہے اور اس قسم کے دوسرے شبہات کا جواب حاصل ہو گیا بلکہ بہت سے جوابات حاصل ہو گئے اس لیے کہ ان مقدمات میں سے ہر مقدمہ ایک مستقل جواب ہے ...... اس قسم کے شبہات فقیر کے نزدیک ایسے ہیں جیسا کہ ایک چالاک و مکار شخص ناواقفوں کی ایک جماعت کے پاس آئے اور اپنے پُر فریب دلائل سے ایک پتھر کو، جو کھلا ہوا پتھر ہے سونا بتائے اور یہ بیچارے جب اُس شخص کے ظاہری ملمع شدہ دلائل کے دفع کرنے سے عاجز ہو جائیں اور اُن دلائل کی غلطی کے مواقع کی تشخیص نہ کر سکیں تو ناچار شک و شبہ میں پڑ جائیں بلکہ یقین کر لیں کہ ہاں وہ پتھر سونا ہی ہے اور اپنے حس و ادراک کو فراموش کر دیں۔ ایک ہوشیار اور ذی فہم آدمی کو چاہیے کہ حس کی بداہت پر اعتماد کرے اور ان دلائل کو جو ٹیپ ٹاپ کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ ناقابل اعتبار وساوس قرار دیدے۔ ہم جو گفتگو کر رہے ہیں اس میں بھی خلفاء ثلاثہؓ کی بزرگی و عظمت بلکہ تمام اصحابِ کرامؓ کی بزرگی کتاب و حدیث کی رو سے محسوس و مشاہد ہے ــــــ لہٰذا وہ شخص جو ملمع کاری کے ساتھ دلائل قائم کر کے اُن پر عیب لگاتا اور طعن کرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو محسوس چیز کو کچھ کا کچھ بتا کر لوگوں کو بہکا رہا ہے ــــــ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃً انک انت الوھاب۔

کاش میں سمجھ سکتا کہ اکابرِ دین اور پیشوایانِ اسلام کو بُرا کہنے پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ حالانکہ کسی فاسق و کافر کو بھی سب و شتم کرنا، شریعت میں عبادت، کرامت، فضیلت اور نجات کا ذریعہ نہیں شمار کیا گیا ــــــ پھر ہادیانِ دین اور حامیانِ اسلام پر سب و طعن کیسے عبادت و کرامت بن جائے گا؟ ..... قرآن مجید میں اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کی گئی ہے ــــــ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحمدل ہیں) بس ان بزرگوں کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ آپس میں عداوت و کینہ رکھتے تھے۔ نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ ان بزرگوں کے اندر (خواہ مخواہ) عداوت و کینہ ثابت کرنا طرفین کے لیے باعثِ طعن اور قابلِ اعتراض ہے دونوں

گروہوں سے اعتماد و عقیدت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اور اس سے اصحاب کرامؓ کے ہر دو فریق مطعون ہو جائیں گے ـــــ نعوذ باللہ من ذلک ـــــ نیز اس طریقے سے انبیاء کے بعد جو بہترین اولاد آدم ہیں وہ بدترینِ مردم قرار پا جائیں گے اور بہترین زمانہ، بدترین زمانہ قرار پائے گا۔ .... یہ حضرت علیؓ کی کون سی بزرگی ہوگی کہ خلفاء ثلثہ اُن سے عداوت کرنے والے بتائے جائیں اور خود اُن کو پوشیدہ قلبی عداوت رکھنے والا ظاہر کیا جائے؟ ـــــ یہ تو طرفین پر طعن ہوا ـــــ یہ حضرات کیوں نہ باہم شیر وشکر اور ایک دوسرے پر جان فدا کرنے والے قرار دیے جائیں ـــــ امر خلافت ان بزرگوں کے نزدیک مرغوب و مطبوع نہیں تھا کہ سبب عداوت و کینہ ہو جاتا .... ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم[1] ـــــ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانام وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ الکرام الیٰ یوم القیام ـــــ

مکتوب (۹۹) میر محمد نعمان اکبرآبادی کے نام

[چند استفسارات کے جواب میں ایک طویل مکتوب ہے۔
یہاں درمیان کے کچھ حصے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ .... تم نے دریافت کیا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ (اکثر) انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ دنیا کے اندر بلاء و مصیبت میں مبتلا رہے جیسا کہ حدیث میں لکھی ہے اِنَّ اشدَّ الناس بلاءً الانبیاءُ ثُمَّ الاولیاءُ ثُمَّ الامثلُ فالامثل (او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی سب سے زیادہ اور سخت مصائب انبیاء علیہم السلام جھیلتے ہیں پھر اولیاء و صالحین، پھر درجہ بدرجہ نیک بندے .... ہونا یہ چاہیے تھا کہ غیر انبیاء و اولیاء، اشد بلا اور اخذ

---

[1] اے رب بخش ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے ایمان میں سابق ہیں اور نہ رکھ ہمارے دل میں ایمان والوں سے دشمنی۔ اے ہمارے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان

مصائب میں گرفتار ہوتے نہ کہ انبیاء و اولیاء ـــــــ علاوہ ازیں انبیاء اولیاء اصالۃً وطبعاً محبوبانِ حق اور خواصِ مقربان باری تعالیٰ میں سے ہیں۔ بلائیں اور مصیبتیں اپنے محبوبوں اور مقربانِ خاص کے حصے میں کر دینا اور اُن کو تکلیفوں میں مبتلا کرنا کس طریقے سے درست ہوگا؟ (ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں) دشمن ناز و نعمت میں اور دوست بلا و مشقت میں، آخر اس میں کیا بھید ہے؟

اللہ تعالیٰ تم کو صراط مستقیم دکھائے سنو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا ناز و نعمت کے ساتھ زندگی گذارنے اور لذت حاصل کرنے کی جگہ نہیں ہے، اس کام کے لیے آخرت ہے اسی کو ناز و نعمت اور تلذذ کے لیے بنایا گیا ہے اور چونکہ دنیا و آخرت آپس میں ایک دوسرے کی ضد و نقیض ہیں اور ایک کی خوشی دوسرے کی ناخوشی کو مستلزم ہے اس لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کے اندر تلذذ (لذت پانا) دوسرے کے اندر تألم (الم و غم پانے) کو مستلزم ہوگا۔ پس جو شخص دنیا میں زیادہ لذّت یاب اور ناز و نعمت میں پرورش پائے ہوگا آخرت میں الم یاب اور ندامت مآب ہوگا۔ اسی طرح جو دنیا میں بلاؤں کے اندر زیادہ مبتلا رہا ہوگا آخرت میں نعمت و لذت سے زیادہ بہرہ یاب ہوگا۔ بقائے دنیا کی نسبت بقائے آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی تو نہیں ہے جتنی قطرے کو سمندر سے نسبت ہے، اور تناہی کو غیر تناہی سے نسبت آخر ہو بھی کیا سکتی ہے؟ پس تقاضائے کرم خداوندی ہوا کہ دوستوں کو دنیا میں چند روزہ مشقت اور سختی میں مبتلا رکھا جائے تاکہ تنعمات ابدی سے (آخرت میں) خوش وقت ہوں ـــــ اور دشمنوں کے لیے استدراج کے طور پر یہ ضروری ہوا کہ اُن کو لذاتِ قلیلہ سے خوش کر دیا جائے تاکہ وہ آخرت کے رنج ہائے گوناگوں میں گرفتار ہوں۔ اگر سوال کیا جائے کہ ایک نادار، مفلس کافر تو دنیا و آخرت دونوں جگہ محروم ہے اس کو دنیا میں الم نصیب ہوا اور آخرت میں یہ امر اس کی لذت یابی کا باعث نہ ہوا اس کا سبب کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کافر، دشمنِ خدا ہے وہ تو عذاب دائمی کا مستحق ہے۔ دنیا میں اس سے عذاب کو اٹھالینا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا بھی اُس کے حق میں بڑی نعمت و لذت یابی اور بڑا احسان ہے (حدیث میں) اسی بنا پر کافر کے حق میں دنیا کو جنّت فرمایا گیا ہے......

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ یہ کر سکتا ہے کہ اپنے دوستوں کو دنیا

میں بھی لذت یاب کرے اور آخرت میں بھی نعمتیں عطا کرے اور ایک جگہ کی لذت یابی کو دوسرے مقام کی الم یابی لازم نہ ہو۔ اس کے چند جواب ہیں (۱) دوستانِ خدا اگر دنیا میں چند روزہ بلا و مشقت کو نہ جھیلیں تو تنعمات ابدی کی قدر و قیمت نہ پہچانیں اور آخرت کی دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو کما حقہٗ نہ سمجھ سکیں۔ بیشک جب تک کوئی بھوک کی مشقت برداشت نہیں کرتا۔ لذت طعام نہیں پاتا اور جب تک گرفتارِ مشاغل نہ ہو، فراغت کی قدر نہیں جانتا ـــــ بس دنیا کی وقتی الم یابی و مشقت سے مقصود کمالِ لذت دائمی کو حاصل کرنا ہے۔ یہ جمال ہے جو عوام کی آزمائش کے لیے ان بزرگوں کے حق میں بصورتِ جلال نمودار ہوا ہے........

(۲) بلیات، ہر چند عوام کے نزدیک اسباب الم یابی میں سے ہیں لیکن ان بزرگوں کے نزدیک جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہٗ کی طرف سے پہونچتا ہے وہ اُن کے لیے اسبابِ لذت یابی میں سے ہے ـــــ وہ بلاؤں سے وہی لذت حاصل کرتے ہیں جو نعمتوں سے کرتے ہیں بلکہ بلاؤں سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ خالص مرادِ محبوب ہوتی ہے نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہوتا کیونکہ نفس، خود نعمتوں کا خواہاں اور بلاؤں سے گریزاں رہتا ہے پس بلا اور کلفت اِن اکابر کے نزدیک نعمت سے بہتر ہوتی ہے اور وہ نعمت کے مقابلے میں بلا سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں، اُن کو کوئی لطف اگر دنیا میں حاصل ہے تو انھیں بلیات و مصائب کی وجہ سے ہے اگر دنیا یہ نمک نہ رکھتی ہوتی تو ان کے نزدیک ایک جو کے برابر قیمت نہ رکھتی اگر یہ (مصائب کی) حلاوت دنیا میں نہ ہوتی تو ان کی نظر میں یہ دنیا بے کار تھی۔ ؎

غرض از عشق تو ام چاشنیٔ درد و غم است ۔۔۔ ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

بس درحقیقت دوستانِ خدا دنیا میں بھی لذت یاب ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ و مسرور ـــــ اور یہ لذتِ دنیا، لذتِ آخرت کے منافی بھی نہیں ہے، وہ اور لذّت ہے جو لذتِ آخرت سے جنگ رکھتی ہے وہ عوام کو حاصل ہے ـــــ الٰہی! یہ کیا عجیب معاملہ ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے جو کچھ دوسروں کے لیے سبب الم یابی ہے وہ ان کے لیے سبب لذّت یابی ہے اور جو

؎ تیرے عشق سے میری غرض یہ ہے کہ درد و غم کی چاشنی حاصل ہو جائے ورنہ عیش و عشرت کے اسباب دنیا میں کچھ کم نہیں بہت زیادہ ہیں۔

دوسروں کے لیے زحمت ہے وہ ان کے نزدیک رحمت ہے...... لوگ خوشی میں خوش اور غمی میں غمناک ہوتے ہیں اور یہ بزرگ خوشی میں بھی خوش اور غمی میں بھی خوش ـــــ اس لیے کہ ان بزرگوں کی نظر جملہ افعالِ جمیلہ و رذیلہ سے ہٹ کر صرف ان افعال کے (حقیقی) فاعل کے جمال پر جم گئی ہے جو کہ جمیل مطلق ہے ـــــ فاعلِ حقیقی کی محبت میں اُس کے سارے افعال وتصرفات ان کے لیے محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں ـــــ دنیا میں جو کچھ بھی فاعلِ جمیل، جلّ سلطانہ کی مشیت کے مطابق صادر ہوتا ہے چاہے وہ از قسمِ الم وضرر ہی کیوں نہ ہو وہ ان کے نزدیک عین مراد و محبوب اور لذت یابی کا سبب ہے ـــــ اے خدا یہ کیسا عظیم فضل واحسان ہے کہ ایسی دولت اور نعمتِ خوشگوار اغیار کی آنکھ سے چھپا دی اور اپنے دوستوں کو عطا فرما دی اور برابر ان کو اپنی مُراد پر قائم رکھ کر محفوظ فرمایا اور ناگواری وتکلیف کے احساس کو جو کہ نصیبِ دیگراں ہے ان بزرگوں سے اٹھا دیا ہے...... اور عین نامُرادی میں اُن کی مُراد کو ودیعت کر دیا ہے اور اس نقد حاصل ہونے والے سرور کو ـــــ برخلاف دیگران ـــــ سبب ترقیاتِ آخرت بنا دیا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ـــــ

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ دُنیا، مقامِ امتحان ہے یہاں (بظاہر) حق باطل کے ساتھ اور اہلِ حق اہلِ باطل کے ساتھ ملے جُلے اور آمیختہ ہیں اگر دوستوں کو بلا ومشقت نہ دیں اور دشمنوں کو بلا ومشقت دیں تو دوست، دشمن میں تمیز ہو جائے گی اور امتحان وآزمائش کی حکمت ہی باطل ہو جائے گی اور یہ بات ایمان بالغیب کے مُنافی ہے اور سعاداتِ دنیویہ واُخرویہ، ایمان بالغیب کے اندر رکھی گئی ہیں ـــــ

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ اور لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ[ع] ـــــ

ان آیتوں میں اسی حقیقت کی طرف ایک اشارہ ہے ـــــ پس دُشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی صورت بلا ومشقت میں گرفتار کر دیا تاکہ حکمت آزمائش پوری ہو جائے

ع تاکہ جان لے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو مدد کرے اللہ کے دین کی اور رسولوں کی بن دیکھے۔ بےشک اللہ تعالیٰ قوی وغالب ہے۔

اور دوست عین بلا میں لذت یاب ہوں اور کور باطن، دشمن خائب و خاسر ہوں .... انبیاء کا معاملہ کفار کے ساتھ یوں ہی رہا کہ کبھی غلبہ اُن کا ہوا کبھی ان کا ــــــ چنانچہ جنگِ بدر میں اہلِ اسلام کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور جنگِ اُحد میں اہلِ کفر کو غلبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ[1] ــــــ

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ ہر چند اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر و توانا ہے وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و تنعم عطا فرمائے اور وہاں بھی، لیکن یہ بات منافی حکمت اور منافی عادتِ خداوندی ہے اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ اپنی قدرت کو اپنی حکمت و عادت کے اندر پوشیدہ رکھے اور اسباب و علل کو اپنی جنابِ قدس کے لیے پردہ پوش بنائے ــــــ پس دنیا و آخرت کے آپس میں نقیض ہونے کی وجہ سے دوستانِ حق کو دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں کے بغیر چارۂ کار نہیں ــــــ تاکہ آخرت کی نعمتیں اُن کو خوشگوار ہوں ــــــ اس حقیقت کی طرف اشارہ اصل سوال کے جواب میں اس سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے ــــــ ....

تم نے یہ بھی لکھا تھا کہ لوگ تمسخر کے طور پر کہتے ہیں کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ اپنے دوستوں کو کیوں مشقت و بلا میں رکھتا ہے اور کیوں ہمیشہ ناز و تنعم میں نہیں رکھتا؟ اُن کا مقصد اس بات سے جماعتِ فقرا پر اعتراض کرتا ہے" ــــــ کفار بھی آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اسی قسم کی باتیں کہا کرتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں ہے ــــــ

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ

---

[1] اگر تمھیں زخم ہو پہنچے پس جماعتِ کفار کو بھی ایسے ہی زخم ہو پہنچ چکے ہیں اور ہم ان حوادث کو اِدھر اُدھر کرتے رہتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان بہت سے فوائد کے لیے ــــ اور تاکہ متمیز کر دے خدا مومنوں کو اور شہادت دے تم میں سے بعض کو اور اللہ تعالیٰ ستمگاروں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور تاکہ خالص کر دے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اور گھٹا دے کافروں کو ــــــ

لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاکُلُ مِنْہَا ؕ

اس قسم کی باتوں کا دار و مدار انکار آخرت اور انکار عذاب و ثواب دائمی پر ہے نیز اس وجہ سے بھی یہ باتیں کہی جاتی ہیں کہ دنیا کی فانی لذتوں پر ان معترضین کو اعتبار اور بھروسہ ہوتا ہے، جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور عذاب و ثوابِ آخرت کو دائمی جانتا ہے دنیا کی چند روزہ سختی اس کی نظر میں کچھ بھی نہیں ہوتی ـــــ بلکہ یہ وقتی اور عارضی مشقت و مصیبت جو کہ راحتِ ابدی کا سبب بنتی ہے اس کو عین راحت معلوم ہوتی ہے تم ان لوگوں کی گفتگو کی طرف دھیان نہ دو ـــــ بلا و مصیبت کا وارد ہونا اللہ تعالیٰ کی اپنے دوستوں کے ساتھ محبت پر شاہدِ عدل ہے اگر لوگ اس کو منافی محبت تصور کریں تو کیا کیا جاسکتا ہے ـــــ سوائے اس کے کہ جاہلوں سے اور ان کی گفتگو سے اعراض و پرہیز کیا جائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔ پس تم صبر جمیل اختیار کرو ـــــ

اصل سوال کا جوابِ دیگر یہ ہے کہ بلا و مصیبت محبوب کی طرف سے ایک تازیانہ ہے جو محبِ صادق کو ماسوا کی طرف التفات کرنے سے باز رکھتا ہے اور پورے طریقے سے درگاہِ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی وُرودِ بلا کے شایانِ شان، دوستانِ حق ہی ہوں گے۔ یہ بلا و مصیبت ماسوا کی طرف اُن کی توجہ کا، کفارہ ہوگی ـــــ دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں ہیں اُن کو کیوں بزور و قوت جانبِ محبوب لایا جائے؛ جس کسی کو چاہتے ہیں بزور و قوت اپنی جانب کھینچتے ہیں اور محبوبیت کے درجے پر فائز کر دیتے ہیں اور جس کسی کو نہیں چاہتے اُس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اگر سعادت ابدی رکھتا ہوگا تو انابت و رجوع الی اللہ کے راستے میں ہاتھ پاؤں مار کر بامدادِ فضل و عنایت الٰہی وہ بھی اپنے مقصد کو پہونچ جائے گا ورنہ وہ جانے اور اس کا کام ـــــ

اے اللہ تو مجھے ایک پل بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا ـــــ

لہ کفار نے کہا کہ کیا ہے اس رسول کی یہ بات کہ یہ کھاتا پیتا ہے اور خرید فروخت کے لیے بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے ـــــ اس کے پاس ایک فرشتے کو کیوں نہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا ہوتا یا اس کے لیے ایک خزانہ ڈالا گیا ہوتا ایک گنجان اور تر و تازہ باغ اس کو دیا جاتا جس سے یہ پھل کھاتا۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص مُراد و محبوب ہوتا ہے اُس کے لیے مُرید و محب کے مقابلے میں بلا زیادہ نامزد ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رئیسِ مُراداں و محبوباں ہیں فرماتے ہیں" میں جتنا اللہ کے راستے میں تکلیف پہونچایا گیا ہوں کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں پہونچائی گئی"۔ ــــــــ

پس بلا ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے کہ اپنے حُسنِ رہنمائی سے دوست کو دوست تک پہونچاتی ہے اور غیرِ دوست کی طرف التفات کرنے سے روکتی ہے ــــــــ ......

[بحمد اللہ مکتوبات امام ربانیؒ دفتر دوم کے کام سے فراغت کے بعد اب دفتر سوم کا کام شروع ہو رہا ہے اس دفتر کو خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ[1] نے مرتب کیا ہے۔ معرفۃ الحقائق اس دفتر کا تاریخی نام ہے لفظ ثالث سے بھی اس کا سنِ ترتیب ۱۰۳۱ھ برآمد ہوتا ہے ــــــــ اللہ تعالیٰ بحسن و خوبی اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے ــــــــ فریدی]

---

[1] مولانا محمد ہاشم کشمیؒ۔ آپ کشم کے رہنے والے تھے، ہندوستان آکر جب شہر بُرہان پور پہونچے وہاں میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں آئے اور اُن سے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی ۱۰۳۰ھ میں سرہند آگئے اور تا وصالِ حضرت (۱۰۳۴ھ) خدمتِ اقدس میں رہے، اسرار و معارف سُنے اور الطاف و عنایات کے مورد بنے رہے ــــ مکتوبات کی جلد ثالث آپ نے ہی مرتب کی ہے۔ اور وفات حضرت مجددؒ کے بعد دلِ مہجور کو تسلّی دینے کے لیے زبدۃ المقامات لکھی، جس میں حضرت مجددؒ کے حالات کے علاوہ حضرتؒ کے پیر و مرشد، خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات نہایت عمدہ طریقے پر لکھے۔ حضرت کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالباً کوئی اور نہیں ــــــ بیجا مبالغے سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالس مجددیہ کی ایسی لاویز و مکمل تصاویر کھینچی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ناظر کتاب دربار مجددی میں بیٹھا ہوا حضرت مجددؒ کو دیکھ رہا ہے اور ان کے ملفوظات کو سُن رہا ہے ــــــ تاریخ گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ ایک دیوان بھی جس کو کلیات ہاشم کہنا چاہیے یادگار چھوڑا۔ بمبئی کے خورشید جی رستم جی کے کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے جو ۱۰۵۱ھ میں بمقام سورت لکھا گیا ہے (جیسا کہ مؤلف جواہر ہاشمیہ نے تحریر کیا ہے) کتب خانۂ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات میں بھی دیوان ہاشم کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس کا احقر نے مطالعہ کیا ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے خواجہ محمد قاسم تھے۔ مؤلف جواہر ہاشمیہ نے آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادے کے علاوہ شاہ عبداللطیف حصاریؒ کا نام بھی لکھا ہے۔ رجب ۱۰۵۴ھ میں آپ نے وفات پائی، مزار بُرہان پور میں ہے۔

مکتوب (۲) مخدوم زادگان گرامی قدر خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصومؒ کے نام (نصائح)

[قلعۂ گوالیار سے بزمانۂ قید و بند]

ستائشِ بے حد پروردگارِ عالمیاں کے لیے ہے ہر حال میں، خواہ راحت و رنج ہو، یا آسانی و دشواری عقوبت و رحمت ہو یا تنگی و فراخی، عطا ہو یا بلا ــــــ اور درود و سلام ایسے نبی مکرّم پر کہ کوئی نبی اللہ کے راستے میں اُن کی، مانند تکلیف و مشقت میں نہیں ڈالا گیا، اور جو رحمۃ للعالمین اور سید اوّلین و آخرین ہوئے ــــــ

فرزندانِ گرامی! ہر چند یہ آزمائش کا وقت تلخ و بے مزہ ہے، لیکن یہ وقت بھی اگر فرصت نصیب ہو تو غنیمت وقت ہے ــــ اس وقت جبکہ تم کو فرصت نصیب ہے حمدِ خدا کرتے ہوئے اپنے کام میں لگے رہو اور ایک لمحہ اور ایک لحظہ فارغ ہو کر بیٹھنا تجویز نہ کرو ــــ چاہیے کہ ان تین کاموں میں سے کسی ایک سے خالی نہ رہو۔

(۱) تلاوت قرآن مجید۔ (۲) ادائیگیٔ نمازِ بطولِ قراءۃ۔ (۳) تکرار کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ چاہیے کہ کلمۂ لا سے خواہشاتِ نفس کے باطل معبودوں کی نفی کر کے اپنے تمام مقاصد و مُرادات کو دفع کرو ــــ اپنی مراد کو طلب کرنا (اور اس کو نصب العین بنا کر برابر اسی دھن میں رہنا) دعوئے الوہیت کے مرادف ہے۔ چاہیے کہ کسی مراد کی صحنِ سینہ میں گنجائش نہ ہو۔ کوئی ہوس قوت خیالیہ میں بھی باقی نہ رہے تاکہ حقیقتِ بندگی ثابت ہو، اپنی ہی مراد کو چاہنا اپنے مولائے حقیقی کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے آقائے حقیقی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس بات سے تو اپنے مولا کی نفی اور اپنی آقائیت کا اثبات ہوتا ہے ــــ اس بات کی برائی کو خوب ذہن نشین کر کے دعوئے الوہیت کی نفی کرو ــــ یہ عملِ نفی اس وقت تک جاری رہے جب تک ہوا و ہوس سے پوری طرح رستگاری نہ ہو جائے اور سوائے مُرادِ مولیٰ تعالیٰ کے کوئی مراد باقی نہ رہے یہ چیز اللہ کی عنایت سے اُمید ہے کہ اس مصیبت کے زمانے میں سہولت و آسانی سے حاصل ہو جائے گی۔ اگر یہ مصیبت کے ایام نہ ہوں تو ہوا و ہوس کی فراوانی

راہِ حق کے لیے سدِّ سکندری (رکاوٹ) بن جائے ـــــ گوشۂ تنہائی میں رہ کر اس ضروری کام میں مشغول رہو، فرصت غنیمت ہے ـــــ فتنوں کے زمانے میں تھوڑی سی محنت کو بھی بہت قبول کیا جاتا ہے فتنوں کا زمانہ نہ ہو تو بڑی بڑی ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں ـــــ یہ نصیحت ضروری تھی اس لیے کی جارہی ہے، دیکھو ملاقات ہو یا نہ ہو ـــــ نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی مراد اور ہوس باقی نہ رہنے پائے، اپنی والدہ کو بھی اس بات سے مطلع کردو اور یہ راہ دکھاؤ ـــــ دنیا جب فانی ہے اس کے حالات کیا بیان کروں، تم اپنے چھوٹوں پر شفقت و مہربانی کا سلوک کرتے رہنا اُن کو پڑھنے کی ترغیب دو اور اہل حقوق کو جہاں تک ہو سکے ہماری طرف سے راضی کرو۔ نیز دُعائے سلامتی ایمان کے ساتھ ہماری مدد و معاونت کرتے رہو ـــــ

پھر تاکید سے لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے فائدہ کاموں میں صرف نہ کرنا، اور ذکر الٰہی کے علاوہ کسی کام میں (ہمہ تن) مشغول نہ ہونا اگرچہ مطالعۂ کتب اور تکرارِ طلبہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ذکر الٰہی کا وقت ہے، خواہشاتِ نفسانی کو جو کہ معبودانِ باطل ہیں لآ کے تحت لاؤ تا کہ یہ تمام کی تمام خواہشات منتفی ہو جائیں۔ اور کوئی مراد و مقصود سینے میں نہ رہے، حتیٰ کہ میرے قید سے آزاد ہونے کی تمنا بھی دل میں نہ رہے۔ حالانکہ یہ بالفعل تمہارے اہم مقاصد میں سے ہے۔ بس تقدیر اور ارادۂ خداوندی پر راضی رہو اور کلمۂ طیبہ کی جانب اِثبات (یعنی الا اللہ) میں سوائے مرتبۂ وحدت و ذاتِ باری تعالیٰ ـــــ جو کہ معلومات و متخیلات سے وراء الورا ہے اور کچھ باقی نہ ہو ـــــ

مکان، کنوئیں، باغ، کتابوں اور دوسری اشیاء کا فکر بیکار ہے، ان میں سے کسی کا فکر تمہاری مشغولیتِ باطن میں مزاحم نہ ہو اور مرضیاتِ حق تعالیٰ کے علاوہ تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ ہو، ہم انتقال کر جاتے تب بھی تو یہ چیزیں ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتیں، اب ہماری زندگی ہی میں چلی جائیں، یہی سہی کوئی فکر نہ کرو ـــــ اولیا، خدا نے ان تمام چیزوں کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے چھوڑا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں۔ تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اُن بندوں میں سے ہو جائیں جن کو اُس نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے ـــــ جہاں تم بیٹھے ہو اُسی کو وطن سمجھو، حیاتِ چند روزہ کہیں گزرے۔ بس اللہ کی یاد میں

گزرنی چاہیے ــــ دُنیا کا معاملہ کچھ بھی نہیں آخرت کی طرف متوجہ رہو، اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دیتے رہو ــــ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا ہماری تمھاری ملاقات ہو جائے گی ورنہ تقدیر خداوندی پر راضی رہو اور دعا کرو کہ جنت میں ہم سب جمع ہوں، اور اس دنیا کی ملاقات کی تلافی بکرمِ خداوندی آخرت میں کریں ــــ الحمد للہ علی کلِّ حالٍ ــــ

مکتوب (۳) سیادت مآب میر محب اللہ[1] مانکپوری کے نام

[دربیان معنی کلمۂ لا الٰہ الا اللہ]

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ــــ نہیں ہے کوئی بھی کہ اُلوہیت ومعبودیت کا استحقاق رکھتا ہو، مگر خدائے بے مثل وبے ہمتا۔ وہی واجب الوجود ہے اور داغہائے نقص وحُدوث سے منزّہ ومبرّا ہے ــــ اس لیے کہ مستحقِ عبادت (اور عبادت نام ہے کمالِ تذلل اور کمالِ خضوع و انکسار کا) وہی ذات ہے جس کے لیے جمیع کمالات ثابت ہیں اور جمیع نقائص اُس سے مسلوب ہیں۔ تمام چیزیں اپنے وجود اور توابع وجود صفات وافعال میں اُسی کی محتاج ہیں وہ کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں۔ وہی

---

[1] سید محب اللہ مانکپوری ــــ آپ علوم دینیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ آغاز سلوک میں قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل اللہ بُرہان پوریؒ کی خدمت میں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی۔ اس کے بعد بُرہان پور ہی میں میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں پہونچے اور اُن سے سلسلۂ نقشبندیہ کا ذکر سیکھا۔ پھر حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہونچنے کا شوق غالب ہوا، چنانچہ بارگاہ مجددیؒ میں حاضر ہوئے مدتوں وہاں اکتساب فیض کرتے رہے، بالآخر خلافت سے سرفراز کرکے مانک پور روانہ فرمایا گیا۔ مانک پور کچھ عرصے رہنے کے بعد آپ نے اہلِ وطن کی شکایت لکھی کہ وہ اذیت پہونچاتے ہیں، حضرت نے جواب میں صبر وتحمل کی تلقین فرمائی اور یہ شعر تحریر فرمایا "ہر کہ عاشق شد الخ"۔ لیکن جب آپ نے مانکپور سے منتقل ہونے کے لیے منت وسماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ "آج کی رات ہم نے عالم کشف میں دیکھا کہ تمھارا سامان مانک پور سے الہ آباد منتقل کیا گیا ہے۔ اب تم الہ آباد میں یکسوئی کی جگہ اختیار کرلو، اور اپنے اوقات ذکرِ الٰہی میں بسر کرو" ــــ عہ یہ شعر آگے صفحہ پر آرہا ہے ۱۲

نفع دینے والا ہے وہی ضرر پہونچانے والا ہے اور کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر کسی کو ضرر و نفع نہیں پہونچا سکتی۔ ان صفات کاملہ کے ساتھ اللہ کے علاوہ نہ تو کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ غیر خدا ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ بے زیادتی و نقصان ثابت ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا، کیونکہ دو غیر آپس میں متمائز ہوا کرتے ہیں اور یہاں کوئی تمیز باقی نہیں رہی ——— اور اگر ہم اثباتِ غیریت، تمیز کے ساتھ کریں تو بھی لازم آئے گا کہ وہ غیر خدا ناقص ہو ——— اور یہ نقص اس کی الوہیت و معبودیت کے منافی ہوگا ——— اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اگر ہم جمیع کمالات اس غیر کے لیے ثابت نہ کریں تاکہ آپس میں تمیز رہے تو بھی اس غیر کا نقص لازم آئے گا، اور اسی طرح تمام نقائص کی اس سے نفی نہ کریں تب بھی اس کا نقص لازم آتا ہے ——— اگر چیزیں اس غیر کی محتاج نہ ہوں تو پھر کیوں وہ مستحق عبادت ہو؟ اگر وہ خود کسی چیز کا کسی امر میں محتاج ہے تب بھی ناقص ہوگا۔ ایسے ہی اگر نفع پہونچانے والا اور ضرر پہونچانے والا نہ ہو تو پھر اشیاء کو اس کی کیا ضرورت؟ اور وہ عبادت کا مستحق کس طرح ٹھہرے؟ اور اگر کوئی دوسرا اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع و نقصان پہونچا سکتا ہو تو پھر بھی یہ بے کار قرار پایا اور مستحق عبادت کسی طرح نہ رہا، لامحالہ ان صفاتِ کاملہ کا جامع ایک اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اس واحد قہار کے علاوہ کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ——— اگر سوال کیا جائے کہ ان صفات کا امتیاز جس طرح بیان کیا گیا ہے اگرچہ وہ مستلزم نقصِ غیر اور منافی الوہیت و معبودیتِ غیر ہے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ غیر کچھ اور دوسری ایسی صفات رکھتا ہو جو باعثِ امتیاز ہوں اور کوئی نقص لازم نہ آئے ہر چند کہ ہم ان صفات کو نہ جانیں کہ یہ کون سی ہیں ——— اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صفات بھی دو حال سے خالی نہیں، یا صفات کاملہ ہوں گی یا صفات ناقصہ، ہر دو صورت میں وہی مذکورہ بالا استحالہ لازم آتا ہے ——— ہر چند کہ ہم ان صفات کو نہ جانیں کہ کون سی ہیں مگر اتنا تو معلوم ہے کہ وہ صفات دائرۂ کمال و نقصان سے خارج نہ ہوں گی، بہر صورت نقص دامنگیر ہوگا جیسا کہ گذر چکا

دوسری دلیل، غیر حق کے عدم استحقاقِ معبودیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کہ تمام اشیاء کی ضروریاتِ وجودی و توابع وجودی کے لیے کافی ہے اور اشیاء کا نفع و ضرر اسی سے تعلق رکھتا ہے تو لامحالہ اغیار بیکار و بے فائدہ ہوگا، اشیاء کو اس کی کوئی احتیاج نہ ہوگی، ایسی حالت میں اشیاء

کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ذلت، خضوع اور انکسار کے ساتھ اُس کے سامنے جھکیں؟ کفار جو غیر حق کی عبادت کرتے ہیں اور بتوں کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر اپنا معبود بناتے ہیں اُن کا گمان فاسد یہ ہے کہ یہ بُت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفارش کرنے والے ہوں گے اور ان کے ذریعے سے ہم درگاہِ حق تعالیٰ میں تقرب حاصل کرلیں گے۔ عجیب نادان ہیں، انھوں نے یہ کہاں سے جان لیا کہ بتوں کو مرتبۂ شفاعت حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُن کو اذنِ شفاعت دے گا ـــــ غرض تو ہم سے کسی کو عبادت میں شریکِ خدا کرنا انتہائی بد نصیبی اور خسارے کی بات ہے ـــــ عبادت کھیل نہیں ہے کہ ہر پتھر اور بے جان کی عبادت کرلی جائے اور ہر عاجز بلکہ اپنے سے زیادہ عاجز کو مستحقِ عبادت تصور کرلیا جائے ـــــ معنئ اُلوہیت کے پائے جانے کے بغیر عبادت کا استحقاق متصور نہیں ہے ـــــ بلکہ وہ مستحق عبادت ہے جو صلاحیتِ اُلوہیت رکھتا ہو۔ جس میں صلاحیتِ اُلوہیت نہیں اُس کے لیے استحقاقِ عبادت بھی نہیں ـــــ صلاحیتِ اُلوہیت، وجوب وجود کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو واجب الوجود نہیں وہ اُلوہیت کے قابل اور عبادت کے لائق بھی نہیں ـــــ بے عقل ہیں وہ لوگ جو حق سبحانہٗ کو واجب الوجود تو مانیں اور عبادت میں اوروں کو بھی شریک کریں ـــــ اُنھیں معلوم نہیں کہ وجوبِ وجود، استحقاق عبادت کی شرط ہے۔ جب وجوبِ وجود میں کوئی شریک نہیں تو استحقاقِ عبادت میں بھی کوئی شریک نہ ہوگا ـــــ استحقاقِ عبادت میں کسی کو شریک کرنا وجوب وجود میں شریک کرنے کو مستلزم ہے ـــــ پس تکرار کلمۂ طیبہ کے ذریعے شریک وجوب وجود کی بھی نفی کرنا چاہیے اور شریکِ استحقاقِ عبادت کی بھی ـــــ بلکہ اس راہ میں شریک استحقاقِ عبادت کی نفی بہت ضروری اور زیادہ نافع ہے، کیونکہ یہ نفی دعوت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے ـــــ (شرک پسند) لوگ دلائل عقلیہ سے شریکِ وجوبِ وجود کی نفی تو کرتے ہیں اور واجب الوجود ایک کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے۔ لیکن معاملۂ استحقاقِ عبادت سے غافل اور شریک استحقاقِ عبادت کی نفی سے فارغ ہیں۔ ان کو عبادت غیر سے پرہیز نہیں اور مراکز اصنام کی تعمیر سے باز نہیں آتے انبیاء علیہم السلام کا یہ کام ہے کہ وہ بُتوں کے اڈوں کو منہدم اور عبادت غیر کے استحقاق کو ختم کردیں ـــــ ان بزرگوں کی اصطلاح میں مشرک وہ ہے جو غیر حق کی عبادت میں گرفتار رہے اگرچہ واجب الوجود خدا ہی کو

جانتا ہو ــــــ انبیاء کا اہتمام یہ ہوتا ہے کہ عبادتِ ماسوائے حق کی نفی ہو جس کا تعلق عمل و معاملہ سے ہے اور اسی نفی سے یہ لازم آتا ہے کہ شریک وجوب وجود کی بھی نفی ہوئی ــــــ پس جب تک کوئی انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں پر، جو کہ استحقاقِ عبادتِ غیر کی نفی سے خبردار کرنے والی ہیں ــــــ عملدرآمد نہ کرے گا ــــــ شرک سے آزاد نہ ہوگا اور آفاقی و انفسی معبودانِ باطل کی شرکتِ عبادت کے شعبوں سے نجات نہ پائے گا ــــــ انبیاء علیہم السلام کے شرائع، شرک سے رستگاری کے ضامن ہیں بلکہ اُن کے مبعوث ہونے کا مقصود ہی یہ دولتِ توحید تھی ــــــ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کے یہاں شرک سے نجات میسر نہیں اور نہ ان کی ملت پر عمل کیے بغیر توحید ممکن ہے ....

جاننا چاہیے کہ غیر اللہ کے لیے عبادت کا استحقاق نہ ہونا بدیہی ہے ...... اس لیے کہ جو معنیٔ عبادت کو اچھی طرح سمجھ لے گا اور غیر اللہ کا مطلب بھی جان لے گا، وہ بغیر توقف کے غیر خدا کے عدم استحقاقِ عبادت کا فیصلہ کرلے گا، جو مقدمات اس سلسلے میں بیان کیے جاتے ہیں وہ فقط بدیہات پر تنبیہات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مقدمات پر نقض اور معارضہ وارد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بس نورِ ایمان کی ضرورت ہے تاکہ فراست سے ان مقدمات کو سمجھ سکے۔ بہت سے بدیہی امور ہیں جو بے وقوفوں اور کم سمجھ لوگوں پر مخفی رہے ہیں ــــــ اسی طرح وہ گروہ جو مرضِ ظاہر اور علتِ باطن میں مبتلا ہے جلی و خفی بدیہات اس پر پوشیدہ رہتی ہیں ....

رہا یہ سوال کہ مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارھم کے یہاں جو یہ مقولہ ہے "ہرچہ مقصود تست معبود تست" یعنی جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے، اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا مقصود وہ شے ہوتی ہے جس کی طرف وہ (ہمہ تن) متوجہ ہوتا ہے اور جب تک جان میں جان رہتی ہے اُس مقصود کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ہر قسم کی ذلت و انکساری جو اس مقصود کے حاصل کرنے میں پیش آئے اس کو برداشت کرتا ہے، سُستی نہیں برتتا ہے اور عبادت کا ماحصل بھی یہی ہے، کیونکہ عبادت انتہائی ذلت کا اظہار کرتی ہے، لہٰذا کسی چیز کا مقصود ہونا اُس شے کے معبود ہونے کو مستلزم ہوا ــــــ پس غیر اللہ کی معبودیت کی نفی اُس وقت متحقق ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی مقصود باقی نہ رہے اور اُس کی مراد، سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی چیز نہ ہو ــــــ اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے معنیٰ لا مقصود

الا اللہ قرار دینا مناسب حالِ سالک ہے ـــــــ اس کلمۂ طیبہ کی اتنی تکرار کی جائے کہ مقصودیت غیر کا نام و نشان نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مُراد نہ ہو، جب ایسا ہوگا تو معبودیتِ غیر کی نفی میں صادق ہوگا اور بے شمار معبودانِ باطل کے ازالہ میں سچا سمجھا جائے گا ـــــــ اس طرح سے کثیر التعداد معبودانِ باطل کی نفی کرنا اور مقصودیتِ غیر کی نفی کر کے معبودیت غیر کی نفی میں داخل ہونا کمالِ ایمان کی شرط ہے ـــــــ کمالِ ایمان، ولایت سے وابستہ اور خواہشاتِ نفس کے بُتوں کی نفی سے متعلق ہے ـــــــ جب تک نفس مطمئنہ نہ بنے اس کمال کی توقع نہیں ـــــــ اور اطمینانِ نفس، کمالِ فنا و بقائے بعد متصور ہے

ظاہر شریعت میں تو ـــــــ جو کہ آسانی و سہولت کی خبر دینے والی ہے اور بندوں کے حرج کو رفع کرنے والی ہے، اس لیے کہ بندے ضعف پر مخلوق ہوئے ہیں ـــــــ ایسا ہے کہ کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اگر شریعت کی مخالفت اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرے تو البتہ وہ مقصود اس کا معبود ہوگا، لیکن اگر وہ مقصود اس طرح کا نہیں ہے اور اس کے حاصل کرنے میں ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کرتا ہے تو وہ مقصود شرعاً ممنوع نہ ہوگا گویا کہ یہ مقصود درحقیقت اس کا مقصود و مطلوب نہیں ہے در اصل اس کا مقصود، حق تعالیٰ ہی ہے اور اوامر و نواہی شرعیہ اس کے مطلوب ہیں ـــــــ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کو شئے مقصود کی طرف طبیعی میلان ہو گیا ہے اور وہ میلان بھی احکام شرعیہ میں دبا ہوا ہے۔ مگر حقیقت شریعت میں جو کہ کمالِ ایمان کی طرف رہنمائی کرتی ہے ـــــــ مقصودیتِ غیر کے مادّے کا قلع قمع کر دینا ہی مدنظر ہے ـــــــ اس لیے کہ مقصودیتِ غیر حق کی تجویز کی صورت میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غلبۂ ہوا و ہوس کے ہاتھوں مقصودیتِ غیر، مقصودیتِ حق سے مقابلے کی ٹھان لیتی ہے، بلکہ اس مقصود کو حاصل کرنے کو مرضیٔ حق تعالیٰ کے حصول پر ترجیح دی جاتی ہے ـــــــ اور اس طرح خسارت ابدی تک نوبت پہونچتی ہے ـــــــ پس مقصودیت غیر کی مطلق نفی تکمیلِ ایمان کے لیے ضروری ہوئی تاکہ زوالِ ایمان سے محفوظ رہ سکے ....

مکتوب (۵) سیادت پناہ میر محمد نعمان اکبر آبادی کے نام

[قلعہ گوالیار میں قید و نظر بندی کے زمانے
کے متعلق احوال واذواق۔]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــــ

واضح ہو کہ جس وقت تک میں اللہ کی عنایت سے ــــ وہ عنایت جس نے بصورت جلال
غضب ظہور فرمایا ــــ قفسِ زنداں میں محبوس و مقیّد نہ ہو گیا ــــ اُس وقت تک نہ تو ایمان
شہودی کے کوچۂ تنگ سے بالکلیہ آزاد ہوا، نہ کوچہ ہائے ظلال و خیال سے باہر نکلا۔ نہ شاہراہِ
ایمانِ بالغیب پر آزادانہ گامزن ہو سکا نہ حضور سے غیب، عین سے علم اور شہود سے استدلال تک
کامل طریقے پر پہونچا، نہ بے ننگی و بے ناموسی کے خوشگوار شربت اور خواری و رسوائی کے مزے دار
مُربّے چکھ سکا، نہ طعن و ملامتِ خلق کے جمال سے کوئی حصہ حاصل کر سکا، نہ بلا و جفائے مردم
کے حُسن سے بہرہ یاب ہوا ــــ نہ غسال کے ہاتھوں میں جس طرح میت بے حس و حرکت ہوتی ہے
اس طرح ترکِ ارادہ اختیار میں نے کیا، نہ آفاق و انفس کے رشتہ ہائے تعلق کو تمام و کمال توڑ سکا،
نہ تضرع و التجا، انابت و استغفار اور ذلت و انکسار کی حقیقت کو حاصل کر سکا ــــ نہ استغنائے
حضرت جل حق جل مجدہٗ کی رفیع المنزلہ ترازو کا جو عظمت و کبریائی کے پردوں سے ڈھکی ہوئی ہے مشاہدہ
کر سکا اور نہ اپنے کو بندۂ خوار و زار، ذلیل و بے اعتبار، بے ہنر و بے اقتدار اور انتہائی احتیاج

لہ اس سے پہلے زبدۃ المقامات سے اخذ کر کے آپ کے مختصر حالات لکھ چکا ہوں یہاں بوستانِ اخیار تذکرۂ مشاہیر
اکبر آباد سے آپ سے متعلق جو دو ایک اور باتیں معلوم ہوئی ہیں ان کو لکھتا ہوں ــــ حضرت مجدد نے خرقۂ خلافت
سے مشرف فرما کر آپ کو دکن (بُرہان پور) متعین فرمایا ــــ آخر کار جہانگیر بادشاہ نے آپ کو دار الخلافہ
(آگرہ) کی صدارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز کیا۔ آگرہ میں آپ کا مکان اور خانقاہ محلہ صوفی پورہ میں واقع تھی
جہاں اب مزار مبارک ہے ــــ آپ کی وفات ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ میں ہوئی ــــ
میر نعمان ستودہ دیں بودہ ــــ مصرع تاریخ وفات ہے ــــ

وافتقار والاسعادم کرسکا ــــــ وما اُبرّیُٔ نفسی ان النّفس لاَمّارۃٌ بالسُّوٓءِ اِلّا ما رحِمَ ربّی اِنَّ ربّی غفورٌ رّحیم ــــــ (میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں، بےشک نفس، بدی کا بہت حکم دینے والا ہے، مگر اس وقت نہیں جبکہ میرا پروردگار مہربانی کرے، بےشک میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے) ــــــ اگر محض فضلِ خداوندی سے فیوض و وارداتِ الٰہی اور اس کے عطیات وانعاماتِ لامتناہی، متواتر وپیہم اس محنت کدہ (قید خانے) میں اس شکستہ خاطر کے شاملِ حال نہ ہوتے تو قریب تھا کہ معاملہ، یاس وناامیدی تک پہونچ جاتا اور رشتۂ امید ٹوٹ جاتا، اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے عین بلا میں عافیت دی اور نفسِ جفا کے اندر اکرام کیا، نیز حالتِ مشقت میں میرے اوپر احسان فرمایا اور مجھ کو خوشحالی وتنگ حالی میں شکر کی توفیق بخشی اور مجھ کو انبیاء کے متبعین اور اولیاء کے نقشِ قدم پر چلنے والوں اور علماء وصلحاء سے محبت رکھنے والوں میں کر دیا ــــــ صلواتُ اللہِ سُبحانہ وتسلیماتہٗ علی الانبیاء اوّلاً وعلیٰ مُصدِّقیہم ثانیاً ــــــ

مکتوب (۶) معارف آگاہ شیخ بدیع الدین سہارنپوری[1] کے نام

[قلعۂ گوالیار سے بحالت قید وبند]

الحمد للہِ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ تمہارا مکتوب جو شیخ فتح اللہ کی معرفت بھیجا تھا پہونچا ــــــ جفا وملامتِ خلق کی شکایت تم نے لکھی تھی ــــــ (برادرم)، یہ ملامتِ خلق تو اس طائفۂ (صوفیاء) کا جمال ہے اور اُن کے زنگار کا صیقل ہے، پھر باعثِ رنجیدگی کیوں ہو؟ فقیر جب اس قلعۂ گوالیار میں (بحکم جہانگیر) پہونچا تو شروع شروع میں محسوس ہوتا تھا کہ

---

[1] آپ حضرت مجددؒ کے قدیم خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کے حالات میں سے اس جگہ یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ بعد حصولِ خلافت آپ اپنے وطنِ مالوف سہارنپور تشریف لے آئے اور طالبانِ معرفت کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہو گئے، کچھ عرصہ بعد حضرتؒ نے آپ کو آگرہ جانے کا حکم دیا۔ یہ شہر دار السلطنت ہونے کی وجہ سے اس وقت خاص مرکزیت رکھتا تھا اور ابھی تک اس سلسلے کے خلفاء سے خالی تھا۔ حضرت نے تاکید فرمادی تھی کہ آگرہ میں پوری استقامت سے رہنا اور ہمارے حکم کے بغیر وہاں کہیں نہ جانا۔ یہ آگرہ پہونچے، حق تعالیٰ نے مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائی، اُمراء وغرباء سب آپ کے فیوض

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ملامتِ خلق کے انوار مختلف شہروں اور بستیوں سے نکل کر سحابہائے نورانی کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے اٹھا کر بلندی کی طرف لیے جا رہے ہیں —— تم سالہا سال تربیت جمالی کے ساتھ منازل طے کرتے رہے ہو اب تربیتِ جلالی کے ساتھ بھی قطعِ مسافت کرو اور مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا میں رہو —— جمال وجلال کو مساوی جانو —— تم نے لکھا تھا کہ ظہورِ فتنہ کے وقت سے (آپ کے قید میں جانے کے وقت سے) نہ ذوق باقی رہا نہ حال، (اے بھائی) چاہیے تو یہ تھا کہ اب ذوق وحال دو چند ہو جاتا اس لیے کہ جفائے محبوب وفائے محبوب سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے —— تعجب ہے کہ تم بالکل عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور ہو گئے ہو (ایسی باتیں نہ کرو بلکہ) اس کے برخلاف، جلال کو جمال سے بڑھ کر سمجھو —— ایلام کو انعام سے زیادہ تصور کرو، اس لیے کہ جمال و انعام میں تو مرادِ محبوب ہماری اپنی مراد سے ملی جلی ہوئی ہے، اور جلال و ایلام میں خالص مرادِ محبوب ہوتی ہے ہماری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

برکات سے مستفیض ہوئے۔ لیکن آپ سے یہ لغزش ہوئی کہ اپنے پیرومرشد کی اجازت کے بغیر وہاں سے سہارن پور چلے آئے۔ یہ بات حضرتؒ کو سخت ناگوار گزری۔ جب آپ کو ناگواری کا علم ہوا تو دوبارہ آگرہ کا قصد کیا اور حضرتؒ کو اپنے ارادے کی اطلاع دی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح وقت وہی تھا اب اگر تم جاتے ہو تو تم جانو تمھیں اختیار ہے۔ آپ بحالتِ اضطراب اس امید میں کہ شاید حضرتؒ کی ناراضگی دور ہو جائے۔ دوبارہ آگرہ چلے گئے۔ اس دفعہ بھی شروع شروع خلقِ خدا کو بہت فیض پہونچا۔ لیکن اتفاق کی بات ایک دن وہاں کی چھاؤنی کے چند اُجڈ فوجی آپ کے پاس آئے آپ نے اُن کی ذہنیت وصلاحیت کا لحاظ کیے بغیر اُن کو سختی کے ساتھ بعض منکرات پر نصیحت فرمائی جس کی وجہ سے ان میں بعض بدنصیب آپ کے دشمن ہو گئے۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے بلند احوال وانکشافات عام لوگوں کے سامنے بیان کیے جو معاندین کے کانوں میں پہونچ کر فتنے کا باعث بن گئے۔ چنانچہ ایک زبردست فتنہ آپ کے خلاف برپا کر دیا گیا۔ اس فتنے کا اثر حضرت مجددؒ تک بھی پہونچا، اور جہانگیر بادشاہ نے جو اس وقت تک طائفۂ فقراء سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا حضرتؒ کو طلب کر کے ایذا پہونچائی اور قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا۔ (ماخوذ از زبدۃ المقامات) آپ کی وفات ۱۰۲۰ھ میں ہوئی۔ (مہر جہانتاب قلمی مؤلفۂ مولانا حکیم سید فخرالدین حسنی رائے بریلویؒ)۔

مراد کے خلاف ــــــ ابتلا و ایلام کا وقت جمال و انعام کے وقت سے اونچا ہوتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے ــــــ زیارتِ حرمین شریفین کے متعلق تم نے لکھا تھا اس میں کون مانع ہے؟ ــــــ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ــــــ

مکتوب (۷) سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کے نام

[تحمل ایذائے خلق کے بیان میں]

بعد الحمد و تبلیغ الدعوات ــــــ واضح ہو کہ تمہارا مکتوب پہونچا، فرحتِ فراواں پہونچائی (دیکھو) مخلوق کی ایذا دہی اور رشتے داروں کی زیادتی پر تحمل و صبر کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے فاصبر کما صبر اُولُوا العزم مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تستعجل لھم (آپ صبر کیجیے جس طرح عالی ہمت پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔ اور کفار کے لیے عذاب جلد طلب نہ کیجیے)

جس جگہ تم مقیم ہو وہاں کی سکونت میں نمکین شے تو یہی ایذا و جفا ہے ــــــ اور تم اس نمکین شے سے بھاگتے رہو ــــــ ہاں بھائی جو شکر پروردہ (نازپروردہ) ہوتا ہے وہ تاب و طاقتِ نمک نہیں رکھتا ــــــ مگر کیا کیا جائے۔ ؎

ہر کہ عاشق شد اگر چہ نازنینِ عالم است[1]
نازکی کے راست آید باری باید کشید

تم نے لکھا تھا کہ اگر اجازت ہو تو الہ آباد میں سکونت اختیار کر لوں (اچھی بات ہے مانکپور کے علاوہ) کوئی دوسری جگہ تجویز کر سکتے ہو تا کہ وہاں جفائے خلق کی زیادتی سے بچ کر اطمینان کا سانس لے سکو۔ مگر یہ طریقِ رخصت ہے ــــــ طریقِ عزیمت، جفا و ایذا پر صبر و تحمل کرنا ہی ہے ــــــ اس زمانے میں فقیر پر ضعف غالب ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہے ــــــ اسی وجہ سے چند کلمات پر اکتفا کیا گیا ــــــ والسلام ــــــ

---

[1] جس نے کوچۂ عشق میں قدم رکھا وہ نازنینِ عالم ہی کیوں نہ ہو اس کی نزاکت نہیں چلے گی۔ اس کو تو بوجھ اٹھانا ہی پڑے گا۔

مکتوب (۹) سیادت مآب میر محمد نعمان اکبر آبادی کے نام

[ورع و تقویٰ کے بیان میں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ (رسول جو کچھ تمھیں (حکم) دیں اس کو قبول کرلو اور جس سے منع کریں تم کو بس باز رہو اُس سے اور اللہ سے ڈرتے رہو)

اس آیت میں تقویٰ کا ذکر بجا آوریٔ اوامر اور پرہیزگاری مناہی کے بعد کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے پرہیزگاری و تقویٰ کے اہتمام کی طرف ــــ ممنوعات سے پرہیز کرنا اور باز رہنا ہی حقیقتِ تقویٰ ہے اور دین کی اصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تقویٰ تمھارے دین کی اصل بنیاد ہے"۔ دوسرے موقع پر آپؐ نے فرمایا ہے کہ "تقویٰ کے برابر کسی چیز کو مت شمار کرو"...... (میرے نزدیک پرہیزگاری و تقویٰ کے اہتمام کی ــــ واللہ اعلم بالصواب ــــ وجہ یہ ہے کہ پرہیزگاری و تقویٰ وجود کے لحاظ سے بہت عام اور نفع کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کہ پرہیز کرنا، اور باز رہنا بجا آوریٔ احکام کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے ــــ کسی امر کا بجا لانا اُس کی ضد سے بچنا اور رُکنا ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے ــــ عوام والی بات کے علاوہ بھی۔ پرہیزگاری کا نفع بہت ہے، اس لیے کہ پرہیزگاری، خالص مخالفتِ نفس ہے۔ نفس کے لیے اس میں کوئی حظ نہیں ــــ بخلاف بجا آوری کے کہ اس سے نفس کبھی لذت یاب بھی ہوتا ہے ــــ اور جس چیز میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے اس میں شک نہیں کہ اس میں نفع بھی زیادہ ہے اور یہ نجات کا قریب ترین راستہ ہے اس لیے کہ تکلیفاتِ شرعیہ سے مقصود اصلی، نفس کو مقہور کرنا ہے ــــ کیونکہ نفس، دشمنِ حق تعالیٰ پر ڈٹا ہوا ہے ــــ ......

مکتوب (۱۲) سیادت پناہ میر محمد نعمان اکبر آبادیؒ کے نام

[دعا، ذکر، تلاوتِ قرآن اور نماز کے بیان میں۔]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ سیادت پناہ کا صحیفۂ شریفہ وصول

ہوا، مسرور کیا۔ تم نے لکھا تھا کہ دعا و تضرع و زاری اور دوام التجا بحضرت حق سبحانہ بہتر ہے یا ذکر کرنا ــــ یا ذکر کے ساتھ امور مذکورہ کا ملا دینا بہتر ہے؟ (جواب میں لکھا جاتا ہے کہ) ذکر کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اس کے ساتھ جو (اچھی) باتیں جمع ہو جائیں نعمت ہے۔ (مشائخ نے) "وصول" کا مدار ذکر پر رکھا ہے دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں تم نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ۔

ذکر نفی و اثبات (ذکر لا الٰہ الا اللہ) تلاوت قرآن اور طولِ قیام کے ساتھ نماز، ان تین چیزوں میں سے کون بہتر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (ذکرِ نفی و اثبات کی حیثیت وضو جیسی ہے کہ وضو نماز کے لیے شرط ہے جب تک صحیح طریقہ پر طہارت نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک معاملۂ نفی انجام تک نہ پہنچے اس وقت تک فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ اور جو کچھ بھی عباداتِ نافلہ ادا کریں گے داخل وبال ہوں گی اول اپنے مرض کا ازالہ کرنا چاہیے اور ازالۂ مرض، ذکر نفی و اثبات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد دیگر عبادات و حسنات میں مشغول ہونا چاہیے۔ یہ نفلی عبادات و حسنات ایسی ہیں جیسی کہ بدن کے لیے غذائے صالح ہوتی ہے۔ مرض کی موجودگی میں جو غذا بھی کھائی جائے گی وہ فاسد و مفسد ثابت ہوگی ع ہر چہ گیرد علتی علت شود ...... آگرہ میں تمھاری اقامت کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ ہر چند کہ ہم سے قریب ہو لیکن جبکہ ملاقات نہیں ہوتی تو یہ نزدیکی قابل اعتبار نہیں۔ فقیر سے قریب ہونے کی خاطر آگرے میں اقامت اختیار نہ کریں بچہ کو خدائے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے متوجہ وطن ہو جائیں اور وہاں کے مشتاقوں کو مسرور کریں۔ اگر کوئی اور وجہ وہاں قیام کرنے کی ہو تو امر دیگر ہے (خدا کرے کہ) والدۂ محمد امین (تمھاری زوجہ) کو توفیق نیک حاصل ہو اور وہ پاک دامنی و آبرو کے ساتھ رہیں۔ ان کے تفصیلی واقعات جو لکھے تھے مطالعے میں آئے ہر چند کہ وہ غمگین کرنے والے اور تکدر میں لانے والے تھے لیکن جبکہ ان کا اختتام خیر کے ساتھ ہوا تو (اس لحاظ سے وہ) ٹھیک تھے ان سے کہدیں کہ تمتعاتِ دنیوی اور زینت ہائے فانی، محض لاشے ہیں۔ عاقل کو چاہیے کہ ان پر فریفتہ نہ ہو اور نہ ان میں گرفتار ہو ــــ احوال آخرت کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور برابر ذکر میں مشغول رہیں...... ذکر میں جتنی مشقت اٹھانی پڑے بہتر ہے بجز وقتہ نماز ادا کرتے ہوئے

اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھیں ...... ان کو یہ بھی چاہیے کہ تمھاری خدمت کو غنیمت جان کر تمھاری رضا جوئی میں رہیں تم بھی ان کی جانب زیادہ متوجہ رہو اور نرمی سے اپنی جانب متوجہ کرو نیز حسنات کی طرف دلالت کرو۔ والسلام

مکتوب (۱۳۱) سیادۃ پناہ میر محب اللہ مانک پوریؒ کے نام

[اتباع شریعت اور متابعت پیر طریقت کے بیان میں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— سیادت مآب برادرم میر سید محب اللہ کا مکتوب شریف پہونچا۔ یاس و ناامیدی کی باتیں جو اضطرار و اضطراب کی وجہ سے لکھی ہوئی تھیں واضح ہوئیں ——— (سنو) ناامیدی کفر ہے، بس امیدوار رہنا چاہیے ——— اگر ان دونوں میں رسوخ ہو جائے تو کوئی غم نہیں۔ (۱) صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت (۲) شیخ طریقت سے عقیدت و محبت، اس کا خیال رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہیں کہ ان دو عظیم باتوں میں سستی نہ آنے پائے اس کے بعد جو کچھ (کوتاہی) ہو اس کا معاملہ سہل ہے اور اس کی تلافی ممکن ہے۔

میں نے اس سے پہلے لکھا تھا کہ چونکہ تم سکونتِ مانک پور سے دل برداشتہ ہو اچھی بات ہے الہ آباد ہی میں رہنے لگو ممکن ہے وہاں کا رہنا مبارک ہو۔ تم برعکس سمجھے (کہ میں تمھارے الہ آباد جانے سے ناراض ہوں) لفظ مبارک نے بھی تمھاری کوئی رہنمائی نہیں کی اب بھی وہی بات لکھتا ہوں (اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ) آج کی رات یوں دکھائی دیا گویا تمھارا سامان مانک پور سے الہ آباد لے جایا جا رہا ہے۔ اب تم الہ آباد ہی میں کوئی ایسی جگہ اختیار کر لو جو آرائش اور زیب و زینت سے خالی ہو۔ اپنے اوقات، ذکر الٰہی سے آباد رکھو اور کسی سے (بلاضرورت) کوئی تعلق نہ رکھو ——— بس ذکرِ نفی و اثبات کا التزام رکھو اور اس کلمۂ طیبہ کی تکرار سے تمام مراداتِ نفس کو صحنِ سینہ سے باہر کر دو یہاں تک کہ سوائے ایک ذات کے کوئی مقصود و مطلوب اور محبوب نہ ہو۔ تم نے روش و اوضاع طریق کو (پہلے ہی اچھی طرح) معلوم کر لیا ہے جہاں تک ہو سکے راہ تقلید کو ہاتھ سے نہ دو۔ تقلیدِ شیخِ طریقت، ثمرات رکھتی ہے اور شیخ طریقت کے خلاف کرنے میں خطرات کا سامنا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ

وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب (۱۵) سیادت پناہ میر محمد نعمان اکبرآبادی کے نام

[لذتِ ایلام محبوب، اس کے انعام کی لذت سے
زیادہ ہے رغالبًا قلعہ گوالیار سے]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— سیادت پناہ میر محمد نعمان کو واضح ہو کہ یہ بات معلوم ہوئی کہ خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب اختیار کرنے کی کوشش کی مگر سودمند نہ ہوئی خیر جو اللہ کرتا ہے اسی میں بہتری ہے۔ اس بات سے اگرچہ بمقتضائے بشریت کچھ ملال ہوا اور سینے میں کچھ تنگی ظاہر ہوئی لیکن کچھ دیر بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ تمام رنجیدگی اور دل تنگی خوشی اور شرحِ صدر سے بدل گئی ———

اور یقین خاص سے سمجھ لیا کہ اس جماعت کی مراد جو کہ درپئے آزار ہے، موافق مرادِ حق ہے، بس رنج و دل تنگی بیجا اور منافئ دعوائے محبت ہے اس لیے کہ ایلام محبوب بھی اس کے انعام کی طرح مُحِب کی نظر میں محبوب ومرغوب ہے۔ محب جیسا کہ انعام محبوب سے لذت اندوز ہوتا ہے اسی طرح اس کی الم دہی سے بھی لذت یاب ہوتا ہے بلکہ اس کی الم دہی میں زیادہ لذت پاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اندر حَظِّ نفس کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ جو کہ جمیل مطلق ہے کسی کو تکلیف میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو لامحالہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارادہ اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ سبب لذت ہوتا ہے۔ چوں کہ اس جماعت آزاردہندہ کی مراد، موافقِ مرادِ حق ہے نیز ان کی مراد، اس مرادِ حق کے ظہور کا ایک دریچہ ہے اس لیے یقینًا ان لوگوں کی مراد بھی، اپنی نظر میں مستحسن اور موجب لذت ہے۔ جو شخص مظہرِ فعل محبوب ہو اس کا فعل بھی، فعلِ محبوب کی طرح محبوب ہے۔ اور وہ شخص بھی اس حیثیت سے نظرِ محب میں پسندیدہ ہی ہوتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ جتنی جفا اس شخصِ مخالف سے زیادہ متصور ہوتی ہے اتنا ہی وہ مخالف، نظرِ محب میں اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ شخص صورتِ غضب محبوب کی نمائندگی کرتا ہے اور راہِ طریقت کے دیوانوں کا معاملہ ہے بھی کچھ الٹا ہی سا۔ پس اس شخص مخالف کی برائی چاہنا اور اس سے ناراض ہونا محبتِ محبوب کے منافی ہے کیونکہ یہ شخص فعلِ محبوب کا آئینہ ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت

نہیں۔ جو لوگ درپے آزار ہو رہے ہیں وہ تو اپنی نظر میں تمام مخلوق کے مقابلے میں اچھے معلوم ہوتے ہیں دوستوں سے کہدو کہ تنگیہائے سینہ کو دور کر دیں اور ان لوگوں سے جو آزار کی فکر میں ہیں بددل نہ ہوں بلکہ ان لوگوں کے عمل سے لذت یاب ہونا چاہیے ہاں چوں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کو دعا، التجا اور تضرع وزاری اچھی معلوم ہوتی ہے اس لیے مصیبت کو دور کرنے کی دعا اور سوالِ عفو وعافیت ضرور کریں اور میں نے جو (مخالف کو) صورتِ غضب کا آئینہ کہا ہے وہ اس لیے کہ حقیقتِ غضب تو دشمنانِ حق ہی کے حصے میں آتی ہے۔ دوستوں کے لیے بس غضب کی صورت ہی صورت ہے، حقیقت میں وہ ان کے لیے عین رحمت ہے۔ اس صورتِ غضب میں محب کے لیے اتنے منافع رکھ دیئے گئے ہیں کہ ان کو بیان نہیں کر سکتا۔ نیز اس صورتِ غضب میں جو کہ دوستوں کو عطا فرمائی جاتی ہے، درحقیقت جماعتِ منکرین کی خرابی مضمر ہے اور یہ صورتِ غضب ان کے ابتلا وامتحان کا باعث ہوتی ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے جو فرمایا ہے کہ "عارف کے لیے ہمت نہیں"، اس کا مطلب تم نے دریافت کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمت جو دفع بلا کا قصد کرے، عارف سے مسلوب ہے اس لیے کہ عارف جب بلا کو محبوب کی طرف سے سمجھتا اور مرادِ محبوب تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کی کس طرح ہمت کرے اور اس کو دور کرنا کیسے چاہے؟ اگرچہ ظاہر میں تعمیل حکم کی غرض سے دعاءِ دفع زبان پر لاتا ہے مگر فی الحقیقت وہ کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ اسے پہونچتا ہے اس سے خوش ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب (۱۶) مولانا احمد دیبنی[1] (دیوبندیؒ) کے نام

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مکتوب شریف پہونچا تم نے لکھا تھا کہ میں

---

[1] آپ دیوبند ضلع سہارن پور کے رہنے والے تھے زبدۃ المقامات میں آپ کے تذکرے کا عنوان "شیخ احمد دیبنی" ہے اس کے بعد یہ عبارت ہے "دیبن (دیوبند) موضع است از مضافات سہارن پور میان دو آب" شروع شروع میں حضرت مجددؒ کے حلقۂ درس میں بھی ایک مدت تک رہ کر شرف تلمذ حاصل کر چکے تھے اس کے بعد برہان پور چلے گئے وہاں پر شیخ محمد ابن فضل اللہ قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی پھر آگرہ
(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اپنے اندر تو اس گروہِ صوفیا کے احوال و مواجید اور علوم و معارف کچھ نہیں پاتا مگر اس کے باوجود دو شخصیتوں کو جو اس راہ کے طالب تھے طریقہ کی تعلیم دی تو وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کے اندر عجیب و غریب حالات ظاہر ہو گئے اس کی کیا وجہ ہے؟ واضح ہو کہ ان دو شخصیتوں کے احوال تمھارے احوال کا عکس ہیں جو ان کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوا ہے ــــــ وہ دونوں شخص اہلِ علم تھے لہذا انھوں نے اپنے احوال کو معلوم کر لیا اور تم کو بھی تمھارے حالِ مخفی کے علمِ حصول کا پتہ بتا دیا۔ بالکل اس طرح کہ جیسے کہ آئینہ کسی شخص کے کمالاتِ خفیہ کو دکھاتا ہے۔ اور نظروں سے پوشیدہ خوبیوں کو واضح کر دیتا ہے۔ مقصود تو حصولِ احوال ہے، آگے رہا علم احوال وہ ایک دوسری نعمت ہے کسی کو یہ علم دیتے ہیں کسی کو نہیں بھی دیتے، اس کے باوجود دونوں قسم کے سالک، اربابِ ولایت ہوں گے اور قرب میں بھی مساوی ہوں گے۔ کسی کو علم ہو گا کسی کو نہ ہو گا یہ بات گروہ صوفیا کے نزدیک (قریب قریب) مُسلّم ہے اپنے احوال کے عدمِ علم سے غمگین نہ ہوں

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

آئے حضرت مجددؒ اس وقت آگرے میں مقیم تھے اس زریں موقع کو غنیمت سمجھ کر صحبت اقدس میں رہے اور طریقہ نقشبندیہ اختیار کیا۔ جب حضرت مجددؒ نے میر محمد نعمانؒ کو خلافت دے کر برہان پور رخصت کیا تو آپ کی روحانی تربیت میر صاحب کے سپرد فرمائی آپ میر صاحب کی صحبت میں خواجگان نقشبندیہ کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ میر صاحب کی خدمت میں رہنے کے بعد حضرت مجددؒ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے الطافِ بے پایاں سے نوازے گئے اجازت کی خلعت عنایت ہوئی۔ آپ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب بعد حصولِ اجازت دو طالبوں کو ذکر کی تلقین کی تو وہ دونوں حیرت انگیز طریقے پر متاثر ہوئے اور ان سے عجیب احوال کا ظہور ہوا یہ دیکھ کر آپ نے پیر و مرشد کو عریضہ لکھا جس کے جواب میں یہ مکتوب گرامی آیا جس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے آپ مدت تک آگرہ میں طالبینِ معرفت کے افادے میں مشغول رہے ایک رئیس جو آپ سے اخلاص مندی کا تعلق رکھتے تھے آپ کو بنگال لے گئے تھے وہاں بھی مقبولیت عظیمہ حاصل ہوئی (زبدۃ المقامات) اس سے زیادہ حالات نہ معلوم ہو سکے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ آپ کی وفات کہاں ہوئی اور مزار کہاں ہے؟ مہر جہاں تاب سے اتنا معلوم ہوا کہ آپ کے مریدوں میں ایک بزرگ شیخ پیر محمد جیندیؒ تھے جو ریاست جیند کے رہنے والے اور عالمگیرؒ کے ہمعصر تھے مہر جہاں تاب کی عبارت ہے "شیخ پیر محمد جیندی مرید شیخ احمد دیوبندی است، ہمعصر عالمگیر بادشاہ، قصبہ جیند از سرکار حصار کذا فی المراۃ (مہر جہاں تاب قلمی)

اس کی کوشش کریں کہ احوال حاصل ہوں بلکہ احوال سے گزر کر احوال کے منقلب کرنے والے سے واصل ہوں ـــــ اگر مریدوں کے واسطے کے بغیر علم احوال میسر نہیں ہوتا مت ہو بس اسی پر قناعت کرو کہ ان مریدوں کے آئینوں میں دیکھ لیا کرو اور مظاہر کے راستے سے حصہ لو (بس) احوال مطلوب ہیں ان احوال کا علم اگر براہ راست میسر نہ ہوگا تو امید ہے کہ بالواسطہ ہی میسر ہو جائے گا۔ تم نے یہ بھی لکھا تھا کہ "دوام آگاہی" کا مطلب کیا ہے، ایسا بسا اوقات ہوتا ہے کہ دل کو بعض مشاغل میں اس آگاہی سے غفلت محسوس ہوتی ہے، تشخیص آگاہی و دوام آگاہی فرمائی جائے"۔ جاننا چاہیے کہ آگاہی سے مراد، حضور باطن ہے بجناب قدس خداوندی جلّ سلطانہ ـــــ علم حضوری کی طرح کہ دوام اس کو بھی لازم ہے کبھی تم نے سنا ہے کہ کوئی شخص کسی وقت اپنے نفس سے غافل ہوا ہو اور اپنی ذات سے غفلت کی ہو ـــــ غفلت تو علم حصولی میں ہو سکتی ہے کیوں کہ وہاں علم و معلوم میں مغائرت ہے اور علم حضوری میں تو حضور در حضور ہے۔ اگرچہ نادان و بے وقوف آدمی اس حضوری سے دُور و نفور اور حصولی پر فریفتہ ہوتا ہے۔ بس آگاہی کے لیے دوام لازم ہوا اور جو چیز دوام نہیں رکھتی وہ آگاہی نہیں ہے بلکہ مطلوب کی نگرانی ہے جس کو اشتباہ کی وجہ سے آگاہی سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کا دوام مشکل ہے کیونکہ اس کو علم حصولی سے مشابہت ہے جو کہ دوام سے بے بہرہ ہے ......

دوسری بات یہ لکھنی ہے کہ سیادت پناہ برادرم (میر محمد نعمان) کے حقوق تم پر بہت ہیں اور وہ تمھارے بلا اجازت چلے جانے سے ناراض ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بغیر کسی توقف کے ان کی خدمت میں پہونچو اور تلافی رنجش کرو اگر ان کی اجازت سے گئے ہوتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ چاہیے کہ ان کی مرضی کے موافق عمل کرو اور کہیں جاؤ تو رخصت کی اجازت کے ساتھ جاؤ۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب (۱۷) ایک ارادت مند اور نیک اعمال خاتون کے نام

[در بیان عقائد دینیہ و ترغیب بر عبادات شرعیہ]

اللہ کا شکر ہے جس نے ہم پر یہ انعام فرمایا کہ اسلام کی ہدایت کی اور حضرت محمد مصطفٰے

صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا۔ جاننا چاہیے کہ حضرت حق جل مجدہٗ منعم حقیقی ہے، اگر وجود ہے تو اسی کی درگاہِ قدس کی بخشش ہے اور اگر بقا ہے تو اسی سرکارِ حقیقی کی عطا ہے، اگر صفات کاملہ ہیں تو وہ بھی اسی کی رحمتِ شاملہ سے ہیں۔ زندگی، دانائی، توانائی، بینائی، شنوائی، گویائی یہ سب کی سب اسی دربار سے حاصل ہوئی ہیں طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کی مہربانیاں جو کہ حد و شمار سے باہر ہیں اسی کی درگاہ کے عطیے ہیں تنگی و شدت کو دور وہ کرتا ہے۔ اجابت دعا اور دفع بلا وہ کرتا ہے وہ ایسا رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے بندوں کا رزق باوجود ان کے گناہوں کے بند نہیں کرتا وہ ایسا ستار ہے کہ اپنے وفورِ عفو کی بنا پر بندوں کے ارتکاب سیئات کے باوجود ان کا پردۂ عزت چاک نہیں کرتا وہ ایسا حلیم ہے کہ بندوں سے مواخذہ کرنے اور اُن کو (غلط اعمال کی بنا پر) عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا وہ ایسا کریم ہے کہ اپنے عمومی کرم کو دوست اور دشمن کسی سے باز نہیں رکھتا۔ اس کی سب سے اعلیٰ اور سب سے بالا نعمت یہ ہے کہ اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور دار السلام (جنت) کا راستہ دکھایا اور متابعتِ سید الانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رہنمائی فرمائی۔ یہ متابعت وہ ہے جس سے حیات ابدی اور تنعمات سرمدی وابستہ ہیں اور رضائے مولیٰ اور لقاء رحمٰن اسی سے متعلق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے انعام واکرام اور احسان سورج سے زیادہ ظاہر اور چاند سے زیادہ روشن ہیں بندوں کا کسی پر احسان کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے قدرت حاصل ہونے سے ہے .... نادان بھی دانا کی طرح اس کا اقرار کرتا ہے اور غبی بھی شل ذکی کے اس امر کا معترف ہے۔ ؎

گر بر تنِ من زبان شود ہر موئے ‌ ‌ ‌ یک شکرِ وے از ہزار نتوانم کرد

اس میں شک نہیں کہ عقل، منعم کے وجوب شکر کا حکم دیتی ہے اور منعم کی تعظیم و توقیر کو لازم جانتی ہے پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا جو کہ منعم حقیقی ہے (بدرجہ اولیٰ) از روئے عقل واجب ثابت ہوا اور اس کی تعظیم و تکریم لازم ہوئی ___ چونکہ اللہ تعالےٰ کمالِ تقدس و تنزّہ کے اندر ہے اور بندے نہایت تلوث کے اندر، لہٰذا انتہائی بے مناسبتی کے باوجود ان کو

ع؎ اگر میرے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبان بن جائے تب بھی میں اللہ تعالےٰ کا ہزار میں سے ایک حصہ شکر ادا نہیں کر سکتا۔

کیسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کس چیز میں ہے اور اس کی تکریم کس امر میں؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ بعض امور کا اطلاق اس کی جناب اقدس پر کرنا اچھا سمجھتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ اطلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ہوتا ہے۔ وہ تعظیم خیال کرتے ہیں اور در اصل توہین ہوتی ہے۔ وہ تکریم تصور کرتے ہیں اور حقیقت میں تحقیر ہوتی ہے، پس جب تک اس کی تعظیم و تکریم کا طریقہ اسی کی جنابِ قدس سے حاصل نہ ہو وہ تعظیم و تکریم اس کے شکر کے لائق اور اس کی عبادت کے قابل نہ ہوگی......... اس کی تعظیم و توقیر کا طریقہ جو اسی کی جناب سے ہمیں حاصل ہوا ہے وہ بھی شریعت حقہ ہے اس کے لانے والے پر درود و سلام — اگر تعظیم قلبی ہے تو وہ اسی شریعت حقہ میں ظاہر کی گئی ہے اور اگر ثنائے لسانی ہے تو بھی یہیں سے اس کی دلیل لائی گئی ہے۔ اعمال و افعالِ جوارح کو بھی تفصیل کے ساتھ صاحبِ شریعت نے بیان فرمایا ہے پس اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی منحصر ہے شریعت کے احکام کی ادائے گی پر از روئے قلب، از روئے قالب، از روئے اعتقاد از روئے عمل ہر ہر حیثیت سے — اور ہر قسم کی وہ تعظیم و عبادتِ خدا جو ماورائے شریعت ادا کی جائے قابل اعتماد نہ ہوگی......... پس بیانِ مذکور کے پیش نظر، عمل، بمطابقِ شریعت، عقل کی رو سے واجب ٹھہرا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ ادائے شکر منعم حقیقی، بغیر شریعت پر عمل کیے محال ہے — اور شریعت دو جز رکھتی ہے اعتقادی اور عملی، اعتقادی، اصولِ دین سے ہے۔ اور عملی، فروعِ دین سے ہے۔ جس کا اعتقاد صحیح نہیں وہ نجات والوں میں سے نہیں اور عذابِ آخرت سے خلاصی اس کے حق میں متصور نہیں، البتہ جس کے پاس عمل صالح نہیں وہ احتمالِ نجات رکھتا ہے، اس کا معاملہ مشیتِ حق تعالیٰ کے سپرد ہے وہ اگر چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے تو بقدر گناہ عذاب دے۔ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا یہ بد اعتقاد کے ساتھ مخصوص ہے اور منکر ضروریات دین تک ہی محدود ہے عمل صالح نہ رکھنے والا (اور برُے عمل والا شخص) اگرچہ معذب ہوگا لیکن نار میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا اس کے حق میں نہیں ہے (اس کے بعد ایک مفصل و مبسوط عقائد نامہ ہے)

مکتوب (۱۸) سیادت پناہ میر محمد نعمان اکبر آبادی کے نام

[ماسوا سے بے تعلقی اور صحبت طالبان حق کی ترغیب (انداز تحریر میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکتوب بھی بحالت قید و نظر بندی لکھا گیا ہے۔)]

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہر حال میں ہمیشہ، خوشحالی میں اور تنگ حالی میں بھی ـــــ صحیفہ شریفہ مع ہدیہ جو سلیمان کے ہاتھ روانہ کیا تھا پہونچا جزاکم اللہ خیرا ـــــ تم نے لکھا تھا کہ اس سفر (سفر آگرہ) سے مقصود، بعض مقاصد کا حاصل کرنا تھا جن کا حصول مشکل ہو گیا ہے ـــــ تم کو حصولِ مقصد کا امیدوار رہنا چاہیے۔ (قرآن مجید میں ہے) فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (بے شک دشواری سے متصل آسانی ہے بے شک دشواری سے متصل آسانی ہے) ـــــ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ایک عُسر دو یُسر پر ہرگز غالب نہ آئے گا" یعنی قرآن کی اس آیت میں ایک "عُسر" کے ساتھ دو یُسر بتائے گئے ہیں۔ یہ اشارہ ہے اس جانب کہ حالتِ عُسر، یُسر (آسانی) سے ضرور تبدیل ہو گی، (اپنے ہونک حالات کو کیا لکھوں اور کیوں دوستوں کو بے مزہ اور بے لطف کروں ـــــ پھر بھی خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ عینِ بلا میں عافیت (نصیب) ہے ـــــ وہ ذات، پاک اور منزہ ہے جس نے ضدین (بلا اور عافیت) کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے ـــــ ایک دن فقیر، تلاوت قرآن مجید کر رہا تھا (تلاوت کرتے کرتے) یہ آیت آئی قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔

(کہہ دیجئے اے رسول اگر تم کو تمھارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار اور وہ اموال جن کو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو خوف ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو (یہ سب چیزیں) زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ عقوبت نازل کرے ـــــ اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا) اس آیت کے پڑھنے پر گریہ وزاری کا غلبہ ہوا اسی اثناء میں اپنے حال کا جائزہ لیا تو میں نے اندازہ

دکھایا کہ میں اس آیت میں ذکر کی ہوئی چیزوں میں سے کسی کے اندر گرفتار نہیں ہوں (اور اپنے دل میں یہ جذبہ پایا کہ) اگر یہ تمام چیزیں تلف و ہلاک ہو جائیں تب بھی ایسے امر کو روا نہ رکھوں گا جس کا کرنا شریعت میں منکر و قبیح ہے ــــ اور اس امر کو ان امور مذکورہ (خدا و رسول اور جہاد وغیرہ) پر (ہرگز) ترجیح نہ دوں گا ــــــــ

علاوہ اس کے یہ بات لکھنی ہے کہ چونکہ ہمارے دوست (طالبین) خدا کے واسطے ہم سے صحبت و ہم نشینی رکھتے ہیں اس لیے ہم کو چاہیے کہ اُن کو اچھی طرح رکھیں اور ان کے احوالِ ظاہر و باطن سے خبردار رہیں ــــ مشہور حدیث قدسی ہے یَا دَاؤُدُ اِذَا رَاَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (اے داؤد! جب تم ہمارا کوئی طالب دیکھو تو اس کی (دینی) خدمت کرو) ــــــــ

اس تحریر کے بعد تم دوستوں کی طرف اُس سے زیادہ توجہ کرنا جتنی سابق میں توجہ کرتے تھے۔ بے پرواہی اور تغافل کو بالکل روا نہ رکھنا ــــ اللہ تعالیٰ سے تمہارے حق میں سلامتی، عافیت، ثابت قدمی، استقامتِ دین، زیادتیٔ توفیق اور حسنِ عاقبت مطلوب ہے ــــ والسّلام

مکتوب (۱۹) سیادت پناہ میر محمد نعمان اکبر آبادی کے نام (بزبان عربی)

[صبر و رضا کے بیان میں، بحالت قید و بند]

اللہ ربّ العالمین کی حمد ہے ہر حال میں خواہ خوشحالی ہو یا تنگ حالی، خواہ عافیت ہو خواہ بلا ــــ حکیم کا فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا ــــ شاید اللہ تعالیٰ نے (ہماری اس مصیبت سے) ہماری بہتری کا ارادہ فرمایا ہو (چنانچہ اُس کا ارشاد ہے عَسٰٓی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو بُرا سمجھو حالانکہ وہ بہتر ہو تمہارے لیے اور (اسی طرح) بعید نہیں کہ تم پسند کرو ایک چیز کو حالانکہ وہ بُری ہو تمہارے حق میں بس (حقیقتِ حال اور انجام کار) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے) ــــ اُس کی بھیجی ہوئی بلا پر صبر کرو اور اس کے فیصلے پر راضی رہو۔ اُس کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہوئے اُس کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم سب کو اُسی کی طرف جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ

اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ـــــ (یعنی جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے (غلط) اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالے تمہاری بہت سی خطاؤں سے تو درگزر فرماتا رہتا ہے) پس اللہ تعالی سے توبہ کرو اس کی جناب میں استغفار کرو اُن اعمال کے متعلق جو تمہارے ہاتھوں نے کیے ہیں اور اللہ تعالی سے عفو و عافیت کو مانگو اللہ تعالی بہت معاف کرنے والا ہے اور معافی دینے کو پسند کرتا ہے اور حتی الامکان تکلیف و مشقت سے بچو کیونکہ تو تکلیف و مشقت برداشت نہ ہو سکے اس سے بچنے کی کوشش کرنا اور حتی الوسع اس سے دور رہنا انبیاء علیہم السلام کی عادات سے ہے۔ (رہا ہمارا حال سو) ہم تو عینِ بلا میں مع العافیت ہیں۔ پس اللہ کی حمد ہے اور اس کا شکر ہے۔

وَالسَّلام علیکم وعلیٰ مَا ئرِمن اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المُصطفیٰ عَلَیۡہِ وعلیٰ آلہٖ الصلوات وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ العُلیٰ۔

مکتوب (۲۰) مولانا امان اللہ کے نام

[بلند ہمتی کے بیان میں]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ برادرم شیخ امان اللہ کا خط ملا۔ احوال و مواجید جو لکھے تھے اُن سے آگاہی حاصل ہوئی ـــــ تم سے تو ان امور (احوال و مواجید) سے زیادہ کی توقع ہے ـــــ جو کچھ عطا فرمائیں وہ ادب اور احسان مندی کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے ـــــ مگر تضرع و زاری اور التجا اور انکسار کے ساتھ ھل من مزید کا نعرہ لگاتے ہوئے طلب مزید اور سُوالِ مقام بلند کرنا چاہیے ـــــ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کا خوب اچھی طرح اہتمام کیا جائے اس لیے کہ شریعت پر استقامت ہونا حالات کے صحیح ہونے کی دلیل ہے ـــــ

عالمِ مثال کے واقعے کی جو تعبیر لکھی تھی وہ ٹھیک ہے ـــــ حقیقت امر اللہ کے سپرد ہے ـــــ چونکہ تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری نظر بھی بہت بلند واقع ہوئی ہے (اس لئے تم کو یہ نصیحت ہے کہ اب) تم بچوں کی طرح اخروٹ اور انگور خشک پر مائل نہ ہو جانا اللہ تعالی بلند ہمتی کو پسند کرتا ہے ....

مکتوب (۲۲) مُلّا مقصود علی تبریزی کے نام

[اس بیان میں کہ نجاست مشرکین سے مراد ان کا خبث باطل
اور سوء اعتقاد ہے نہ اُن کا نجس العین ہونا]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ مخدوما شفقت آثارا! یہ معلوم ہو سکا کہ تفسیر حسینی کے بھیجنے سے تمہارا مقصود کیا تھا۔ صاحب تفسیر حسینی (کمال الدین حسین واعظ کاشفی) نے تو یہ آیت کریمہ انما المشرکون نجسٌ کی تفسیر موافق ائمہ حنفیہ کی ہے اور نجاست مشرک سے ان کی نجاست باطنی اور بداعتقادی مُراد لی ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "مشرکین نجاست ظاہری سے پرہیز نہیں کرتے" ـــــ اور یہ بات تو بہت سے اہل اسلام میں بھی آج کل موجود ہے (کہ وہ نجاسات ظاہری سے پرہیز نہیں کرتے) اس لحاظ سے بہت سے عوام اہل ایمان اور کفار کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے بس اگر کسی کا نجاست سے پرہیز نہ کرنا اس کی نجاست کا سبب بن جائے تو پھر معاملہ بہت تنگ ہو جائے گا اور اسلام میں تنگی ہے نہیں ـــــ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ "مشرکین مانند سگ نجس العین ہیں" اس قسم کے اقوال شاذ ہیں اور اکابر دین سے بہت منقول ہیں ان کی تاویل و توجیہ کی جاتی ہے ـــــ بھلا وہ نجس العین کیسے ہو جائیں گے جب کہ سرور دین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے یہاں کھانا تناول فرمایا ہے اور ایک مشرک کے برتن سے وضو فرمایا ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ایک نصرانیہ کے برتن سے وضو کیا ہے ـــــ اگر یہ کہا جائے کہ آیت کریمہ انما المشرکون نجسٌ ـــــ ہو سکتا ہے کہ بعد کو نازل ہوئی ہو اور (پہلے عملدرآمد کی) ناسخ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ "ہو سکتا ہے بعد کو نازل ہوئی ہو" بلکہ بعدیت کا ثبوت مہیا کرنا ہو گا تاکہ دعویٰ نسخ صحیح ہو جائے۔ اس لیے کہ مدمقابل کو گنجائش ہے کہ وہ تاخر کو (بلا ثبوت) تسلیم نہ کرے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت، بعد میں اُتری ہے۔ تب بھی حرمت کو ثابت کرنے والی نہ ہو گی ـــــ اور نجاست سے مراد خبث باطن ہی ہو گا اس لیے کہ یہ بات منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کبھی کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا جو آخر کار اس کی شریعت یا کسی نبی کی شریعت میں درجۂ حرمت تک پہونچا ہو

(یعنی) آخر میں وہ حرام ہوگیا ہو اگرچہ ارتکاب عمل کے وقت مباح ہو۔ شراب کو دیکھو جو کہ اوّل مباح تھی اور آخر میں حرام ہوئی ——— کسی پیغمبر نے اس کو نہیں پیا ——— اگر مشرکوں کا ناک کار نجاست ظاہری قرار پاتا اور وہ نجس العین ہوتے تو سرورِ دین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے برتنوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے چہ جائیکہ اُن سے آب و طعام کو استعمال فرمائیں ——— علاوہ ازیں نجس العین ہر وقت نجس العین ہے اُس میں اِباحت سابق و لاحق کی گنجائش ہی نہیں اگر مشرک، نجس العین ہوتے تو چاہیے تھا کہ ابتدا ہی سے ایسے ہوں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (شروع ہی سے) اُس کے مطابق اُن سے معاملہ فرماتے (اُن کے برتنوں سے بھی پرہیز فرماتے) جب ایسا نہیں ہوا تو وہ نجس العین بھی نہیں ——— پھر یہ بھی تو ہے کہ دین میں تنگی و دشواری نہیں رکھی گئی۔ تم اس بات کو سمجھ سکتے ہو کہ اُن کی نجاست کا حکم لگانا اور ان کو نجس العین قرار دینا مسلمانوں کے حق میں کس قدر تنگی و دشواری پیدا کرنا ہے ——— ائمہ حنفیہ کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے کہ انھوں نے مسلمانوں کے لیے چھٹکارے کی ایک راہ نکال دی ہے اور ارتکابِ حرام سے بچالیا ہے ——— نہ کہ اُلٹا اُن پر طعنہ کسا جائے اور اُن کے ہنر کو عیب شمار کیا جائے ——— مجتہد پر اعتراض کا کیا موقع ہے اس کی خطائے اجتہادی بھی ایک درجہ ثواب رکھتی ہے اور اس کی تقلید، بصورت خطائے اجتہادی بھی موجبِ نجات ہے ——— جو لوگ کفار کی اشیاء خوردنی و نوشیدنی کی حرمت کے قائل ہیں از روے عادت محال ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُن کی چیزوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ خصوصاً ملک ہندوستان میں کہ یہاں یہ مجبوری بہت زیادہ ہے ——— یہ مسئلہ عموم بلویٰ کا حکم رکھتا ہے ایسے مسئلوں میں احتیاط یہی ہے کہ کسی نہ کسی مجتہد کے قول پر سہل و آسان بات کا فتویٰ دیا جائے ——— چاہے وہ اپنے مسلک فقہی کے مطابق نہ ہو ——— اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمھاری آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا) ——— دوسری جگہ فرمایا ہے يُرِيدُ اللهُ اَن يُخَفِّفَ عَنكُم وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (اللہ تعالیٰ تمھارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان تو پیدائشی طور پر ضعیف واقع ہوا ہے) ——— (خواہ مخواہ سخت فتویٰ دے کر) مخلوق خدا کو تنگی میں ڈالنا اور پریشان کرنا حرام ہے اور حضرت حق جل مجدہٗ کے نزدیک غیر پسندیدہ فعل ہے[۱] ———

---

[۱] حضرت مجددؒ نے یہ جو اصولی بات یہاں فرمائی ہے۔ اس میں ہمارے اصحاب فتویٰ کے لیے بڑی روشنی ہے، ضرورت ہے کہ

(باقی دوسرے صفحہ پر)

شافعیہ بعض ایسے مسائل میں جن میں حضرت امام شافعیؒ کے یہاں (کچھ) سختی ہے ـــــ مذہب حنفیہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے آسانی کرتے ہیں ـــــ مثلاً مصارف زکوٰۃ کے بارے میں امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم تمام اقسام مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کرنا چاہیے اُن مصارف میں سے ایک مولفۃ القلوب (جن کی تالیفِ قلب مدنظر ہوتی ہے) بھی ہیں اور یہ قسم اس وقت مفقود ہے لہٰذا علماء شافعیہ نے مذہب حنفیہ کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور یہ کافی سمجھا ہے کہ مستحقینِ زکوٰۃ کی اقسام میں سے کسی ایک قسم کو زکوٰۃ دیدی جائے ـــــ مشرکین اگر نجس العین ہوں تو اس سے لازم آتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد بھی پاک نہ ہوں (حالانکہ ایسا نہیں ہے) پس معلوم ہوا کہ اُن کی نجاست خباثتِ اعتقاد کی بنا پر ہے اور یہ نجاست (ایمان لانے سے) زائل ہو سکتی ہے اور یہ نجاست، باطن تک ہی محدود ہے اور محل اعتقاد (صرف) باطن ہے ـــــ نجاست درونی کا طہارت بیرونی سے کوئی تضاد نہیں (نجاستِ باطنی، طہارت ظاہری کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے) اور یہ ایک ایسی موٹی بات ہے کہ ہر خاص و عام جانتا ہے ـــــ اور یہ بھی ہے کہ آیۂ کریمہ (انما المشرکون نجسٌ) حالِ مشرکین کی خبر دیتی ہے خبر میں ناسخیت و منسوخیت کا کوئی دخل نہیں ہے نسخ تو انشاءِ حکم شرعی (اوامر و نواہی) میں ہوتا ہے نہ کہ کسی شئے کی خبر دینے میں۔ پس ایسا مطلب لینا چاہیے کہ مشرکین ہمہ وقت نجس قرار پائیں ـــــ اور (یہ جبھی ہوگا کہ) نجاست سے مراد، خبثِ و نجاستِ اعتقاد ہو (نہ کہ نجاست ظاہری) تاکہ دلائل میں تعارض نہ ہونے پائے اور مشرکین کا کسی شئے کا چھو دینا ممنوع نہ ہو

ایک روز اس فقیر نے یہ آیت، طعام الذین اوتو الکتٰب حل لکم (اہل کتاب کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے) (تمھاری موجودگی میں)، اس بحث کے سلسلے میں پڑھی تھی تم نے اس وقت کہدیا تھا کہ یہاں طعام سے مُراد گیہوں، چنا، مسور (وغیرہ غلہ) ہے اگر اس توجیہ کو اہل عرف (ماہرین عرف) پسند کریں، تو کیا مضائقہ ہے لیکن انصاف کی ضرورت ہے ـــــ اس تکلف دہی اور اس

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جن معاملات میں تغیر حالات کی وجہ سے امت کو سخت تنگی پیش آرہی ہے اور بعض دوسرے آئمہ مجتہدین کے مسلک کو اختیار کرکے یہ تنگی دور ہو سکتی ہے۔ اُن پر حضرت مجددؒ کی اس رہنمائی کی روشنی میں غور کیا جائے۔ محمد منظور نعمانی

طولِ کلام سے مقصودِ اصلی یہ ہے کہ مخلوق پر رحم کرو، مشرکین کے حق میں عمومِ نجاست کا حکم نہ لگاؤ اہلِ اسلام کو، اختلاطِ کفار کی وجہ سے جس کے بغیر چارہ کار نہیں نجس نہ جانو، مسلمانوں کے کھانے پینے کی چیزوں سے وہمی نجاست کی بنا پر اجتناب نہ کرو اور اس (بیجا) اجتناب و احتیاط کو احتیاط نہ سمجھو بلکہ اس مسئلے میں احتیاط تو ترکِ احتیاط ہی میں ہے ۔۔۔۔ زیادہ کیا تکلیف دوں ۔۔۔۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ۔۔۔ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است[1]

والسّلام

مکتوب (۲۳) خواجہ ابراہیم قبادیانی کے نام

[اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے ذریعے اپنی ذات و صفات اور اعمالِ پسندیدہ و ناپسندیدہ کی اطلاع دی ہے عقل کو اس بارے میں کوئی دخل نہیں ہے۔]

تمام حمد و ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے ہم پر طرح طرح کی نعمتوں سے انعام فرمایا اور دینِ اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہم کو اُمتِ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل فرمایا۔ (واضح ہو کہ) انبیا علیہم السلام، تمام اہلِ عالم کے لیے رحمت ہیں کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کی خبر انھیں بزرگوں کے ذریعے ہم ناقص عقل اور کوتاہ علم انسانوں کو دی ہے اور اپنے کمالاتِ ذاتیہ و صفاتیہ پر ہماری فہمِ کوتاہ کے مطابق اطلاع بخشی ہے، نیز اپنی پسندگی اور ناپسندیدگی میں امتیاز قائم کر کے ہمارے منافعِ دُنیوی و اُخروی کو ہماری مضرتوں سے ممتاز فرمایا ۔۔۔۔ اگر ان بزرگوں (انبیا علیہم السلام) کے وجودِ شریف کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں، اثباتِ صانعِ حقیقی میں عاجز ہو جاتیں اور اللہ تعالیٰ کے کمالات کا ادراک کرنے میں ناقص و قاصر ثابت ہوئیں (دیکھو، قدمائے فلاسفہ (حکمائے یونان)، جو اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتے تھے ۔۔۔۔ منکرِ صانع تھے ۔۔۔۔ اور چیزوں کو اپنی بیوقوفی کی وجہ سے دہر (زمانے)

---

[1] میں نے دیا غمِ دل تیرے سامنے تھوڑا سا بیان کیا ہے، مجھے تیرے رنجیدہ ہونے کا خوف ہوا ورنہ کہنے کے لیے ۔۔۔۔ (ابھی) باتیں بہت کچھ باقی ہیں ۔۔۔۔

کی طرف منسوب کرتے تھے ــــ نمرود بادشاہ کا مجادلہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے خالق ارض وسما کے اثبات میں ہوا تھا جو مشہور ہے اور قرآن میں مذکور ہے ــــ فرعون کمبخت کہتا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا) نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے کہا ہے لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (اگر تم نے میرے علاوہ کسی کو معبود بنایا تو تم کو ضرور بالضرور قید خانے میں ڈال دوں گا) پھر یہی بدقسمت فرعون اپنے وزیر، ہامان سے کہتا ہے ــــ يَا هَامَانُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَعَلِّيْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ــــ (اے ہامان تو میرے واسطے ایک بلند عمارت بنوا، شاید میں آسمان تک جانے کی راہوں تک پہونچ جاؤں پھر (وہاں جاکر) موسیٰؑ کے خدا کو جھانکوں ــــ اور میں تو موسیٰؑ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) ــــ

میرا حاصلِ کلام یہ ہے کہ محض عقل اس دولتِ عظمیٰ (توحید) کے اثبات میں قاصر و کوتاہ ہے، اور بغیر ہدایتِ انبیاء علیہم السلام کے دولت خانۂ توحید کا سراغ نہیں مل سکتا ــــ پے در پے انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے جب ان حضرات کی دعوت الی اللہ ــــ جو کہ خالق زمین و زماں ہے (یعنی اُس معبودِ حقیقی کی طرف دعوت) شہرت پا گئی اور ان بزرگوں کی بات اونچی اور کلمہ بلند ہوا پھر تو ہر زمانے کے کم عقل جو کہ ثبوتِ صانع میں تردد و شک رکھتے تھے اپنی بد اعتقادی اور غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار وجودِ صانع کے قائل ہو گئے اور چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے لگے ــــ یہ توحید ایک ایسا نور ہے جو انوارِ انبیاءؑ سے حاصل ہوا ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دسترخوان سے بروئے کار آئی ہے۔ اللہ کی رحمتیں ہوں ان انبیاءؑ پر قیامت تک بلکہ ابدالآباد تک ــــ اسی طرح تمام سماعی حقائق، تبلیغ انبیاءؑ کے ذریعے ہم تک پہونچے ہیں، مثلاً وجودِ صفاتِ کمال واجب تعالیٰ، بعثتِ انبیاءؑ، عصمتِ ملائکہ، حشر و نشر، جنت و دوزخ کا وجود، اور جنت میں دائمی عیش و راحت، دوزخ میں دائمی عذاب، اور ان جیسے عقائد جن کو شریعت نے بیان کیا ہے ــــ عقل ان باتوں کے ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگوں (انبیاء علیہم السلام) سے سُنے بغیر ان چیزوں کے ثابت کرنے میں عقل، ناقص و غیر مستقل ہے ــــ جس طرح عقل کا راستہ حسِّ ظاہری کے راستے سے اونچا ہے کہ جس بات کا ادراک، حواسِ ظاہری سے نہیں

ہو سکتا، عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اسی طرح، طریقۂ نبوت، طریقۂ عقل سے بلند و بالا ہے۔ جو بات عقل کے ذریعے سمجھ میں نہیں آتی نبوت کے توسل سے وہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے ـــــ جو شخص اثباتِ معرفتِ حق کے لیے راہِ عقل کے اوپر اور کوئی راستہ نہیں مانتا وہ درحقیقت، طریقۂ نبوت کا منکر ہے اور ایک کھلی ہوئی حقیقت کی مخالفت کرتا ہے ـــــ بس وجودِ انبیاء کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تاکہ وہ ـــــ شکرِ منعمِ حقیقی کی طرف جو از روئے عقل واجب ہے ـــــ ہماری رہنمائی کریں ـــــ اور تعظیمِ منعمِ حقیقی کا طریقہ ـــــ جو کہ علم و عمل سے تعلق رکھتا ہے، ہم پر ظاہر فرمائیں ـــــ اس لیے کہ جو طریقۂ تعظیم، خود اللہ تعالیٰ کے پاس سے حاصل نہ ہوا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہونے کے لائق نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ عقلِ انسانی اس طریقۂ تعظیم کو براہِ راست خود معلوم کرنے سے عاجز ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان غیرِ تعظیم کو تعظیم سمجھ بیٹھتا ہے اور حمد سے ہجو کی طرف چل پڑتا ہے ـــــ حق جل مجدہٗ کی تعظیم کا طریقہ حاصل کرنے کا راستہ طریقۂ نبوت پر موقوف اور تبلیغِ انبیاءؑ پر منحصر ہے ـــــ رہا اولیاء کا الہام یہ بھی انوارِ نبوت سے حاصل ہوتا ہے اور یہ الہام، متابعتِ انبیاءؑ کے فیوض و برکات میں سے ہے ـــــ اگر عقل اس معاملہ میں کفایت کرتی تو فلاسفۂ یونان، جنھوں نے عقل کو اپنا مقتدا و پیشوا قرار دیا ہے ـــــ ضلالت و گمراہی کے میدان میں سرگرداں نہ ہوتے اور حق تعالیٰ کو سب لوگوں سے زیادہ ہی پہچانتے لیکن حال یہ ہے کہ ذات و صفاتِ واجبی کے بارے میں سب انسانوں سے زیادہ جاہل بھی فلاسفۂ یونان ہیں کیونکہ انھوں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کو بے کار و معطل جانا ہے اور صرف ایک چیز (یعنی عقلِ فعّال) کے علاوہ اور کسی چیز کو اللہ تعالیٰ سے منسوب نہیں کرتے اور عقلِ فعّال بھی ان کے نزدیک اختیاری طور پر نہیں، بس یوں ہی اضطراری طریقہ سے اللہ تعالیٰ سے بن گئی ہے ـــــ یہ عقلِ فعّال انھوں نے اپنی طرف سے تراشی ہے اور وہ تمام حوادث و واقعات کو خالقِ ارض و سما سے بے تعلق رکھ کر ـــــ عقلِ فعّال کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اثر کی نسبت، بجائے مؤثرِ حقیقی (جل مجدہٗ)، کے عقلِ فعّال کی طرف کرتے ہیں ـــــ ان فلاسفہ کے نزدیک معلول، علّتِ قریبہ کے اثر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ علّتِ بعیدہ کو معلول کے حاصل ہونے میں مؤثر ہی نہیں جانتے اور اپنی جہالت کے سبب اللہ تعالیٰ کی طرف اشیاء کی نسبت نہ کرنا ہی اللہ تعالیٰ کا کمال تصور کیے ہوئے ہیں۔ اور اس کی تعطیل

(بیکاری) کو ہی تعظیم سمجھ رکھا ہے، حالانکہ حضرت حق جل مجدہٗ (قرآن میں) اپنے کو خالقِ سموات و ارض کہہ کر سراہتے ہیں اور اپنی مدح ربُّ المشرق والمغرب کہہ کر فرما رہے ہیں ــــــ ان نادانوں کو اپنے زعمِ فاسد میں حق تعالیٰ کی کوئی احتیاج نہیں ہے اور اس ذات اقدس سے نیاز مندی کا کوئی تعلق نہیں ہے ــــــ ان کو چاہیے کہ اضطرار و احتیاج کے وقت عقلِ فعّال ہی کی طرف رجوع کریں اور اسی سے اپنی حاجت پوری کرایا کریں کیونکہ وہ تمام معاملات کو اسی کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں ــــــ (مگر عجیب بات ہے کہ) عقلِ فعّال بھی (ان فلاسفہ کے گمان میں) اضطراری طور پر حوادثِ یومیہ صادر کرتی ہے خود مختار نہیں، لہٰذا اس بے چاری سے حاجت چاہنا بھی غیر معقول بات ہوگی (اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے) "منکرین کا کوئی بھی ناصر و مددگار نہیں" ــــــ یہ عقلِ فعّال آخر ہوتی کون ہے؟ جو اشیاء کا انتظام کرے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوں ــــــ اس عقلِ فعّال کے نفسِ وجود اور ثبوت ہی میں ہزاروں شبہات موجود ہیں اس لیے کہ عقلِ فعّال کا تحقق و حصول ایسے غلط مقدمات پر موقوف ہے جو فلاسفہ کی ملمّع کاری کا بہترین نمونہ ہیں اور جو اصولِ حقۂ اسلامیہ کے قواعد کی رو سے (قطعی) ناتمام و ناقص ہیں ــــــ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اشیاء کو قادرِ مختار جل مجدہٗ سے بے تعلق قرار دے کر اس طرح کے ایک امرِ موہوم (عقلِ فعّال) کی طرف منسوب کردے ــــــ بلکہ اشیاء کو بھی اس بات سے انتہائی شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ فلسفی کی من گھڑت عقلِ فعّال کی طرف منسوب ہوں ــــــ اشیاء اپنے نابود ہونے کو پسند کریں گی اور ہرگز اپنے وجود کو نہ چاہیں گی اس بات کے مقابلے میں کہ وجود کی نسبت، سوفسطائی اور فلسفی کی من گھڑت عقلِ فعّال سے کی جائے اور اس طرح وہ قدرتِ قادرِ مختار کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں ــــــ

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ــــ (ان منکرین کی زبانوں سے جو بات نکل رہی ہے بڑی سخت ہے۔ یہ محض جھوٹ بول رہے ہیں) ــــــ کفارِ دار الحرب، باوجود بُت پرستی، ان فلاسفہ سے اچھے ہیں کہ وہ تنگی و پریشانی میں حضرت حق کے سامنے ہی التجا کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ایک وسیلۂ شفاعت قرار دیتے ہیں (اگرچہ اُن کی بھی بُت پرستی اور بتوں کے ساتھ یہ عقیدہ سراسر لغو و باطل اور شرک ہے) ــــ یہ بات

عجیب تر ہے کہ (ان نادانیوں کے باوجود) ایک جماعت ان نادانوں کو حکما قرار دیتی ہے اور حکمت کے ساتھ منسوب کرتی ہے حالانکہ ان کے اکثر احکام جھوٹے اور مخالفِ کتاب و سنت ہیں، خصوصاً الٰہیات کے اندر جو کہ بہت ہی اعلیٰ اور روشن تر مقصد ہے۔

ان نادانوں پر جن کے حصّے میں سراسر جہلِ مرکب آیا ہے، حکماء کا اطلاق آخر کس اعتبار سے کیا جاتا ہے؟ شاید استہزاء اور مذاق کے طور پر ان کو حکما کہا جاتا ہو، یا جس طرح نابینا کو بینا (اور بیوقوف کو عقلمند) کہہ دیتے ہیں ان بے حکمتوں کو بھی حکما کہہ دیا جاتا ہو ــــــــ (ان بیوقوفوں (حکماء) میں ایک جماعت ایسی ہے جس نے طریقِ انبیاء علیہم السلام کو لازم قرار دیے بغیر اُن "صوفیہ الہیہ" کی تقلید میں جو کہ ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کے متبع رہے ہیں طریقِ ریاضت و مجاہدہ کو اختیار کیا ہے اور وہ اپنے "صفائے وقت" پر فریفتہ ہو گئے ہیں، نیز اپنے خواب و خیال پر اعتماد کیے ہوئے ہیں اور اپنے "کشوفِ خیالی" کو اپنا مقتدا بنائے بیٹھے ہیں (اس طرح) خود بھی گمراہ ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے۔ ان کو پتہ نہیں کہ یہ صفائی جو ان کو حاصل ہے محض صفائے نفس ہے جو گمراہی کی طرف راستہ کھولتی ہے، صفائے قلب ان کو حاصل نہیں ہے جو کہ دریچۂ ہدایت ہے ــــــــ اس لیے کہ صفائے قلب متابعتِ انبیاءؑ پر موقوف ہے اور تزکیۂ نفس مربوط ہے صفائے قلب سے اور نفس پر حکومتِ قلب سے ــــــــ قلب جو کہ انوارِ الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے اس قلب کی ظلمت کے موجود رہتے ہوئے جب نفس، صفائی پیدا کر لیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے (اندھیرے میں) ایک چراغ جلائیں تاکہ چھپا ہوا دشمن جو گھات لگائے ہوئے ہے (یعنی ابلیس لعین) اس چراغ کی روشنی میں چھاپا مارے اور خوب تاراج و برباد کر دے ــــــــ

الغرض طریقِ ریاضت و مجاہدہ، نظر و استدلال کی طرح اس وقت اعتبار و اعتماد پیدا کرتا ہے جب کہ وہ طریقِ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے ساتھ ملا ہوا ہو ــــــــ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے تبلیغ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید ان کو حاصل ہے۔ ان بزرگوں (انبیاء علیہم السلام) کا کارخانہ ملائکہ معصومین کے نزول کی وجہ سے دشمن لعین (ابلیس) کے کید و مکر سے محفوظ ہوتا ہے۔ آیت قرآنی إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (بیشک میرے (خاص) بندوں پر اے ابلیس تیرا غلبہ نہیں ہوگا) ان انبیاء کے لیے نقد وقت ہے ــــــــ دوسروں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی ہے ــــــــ اور

شیطان لعین کے جال سے رہائی اس وقت تک متصور نہیں جب تک ان بزرگوں کی اتباع نہ کی جائے اور ان کے نقشِ قدم پر نہ چلا جائے ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز در پئے مصطفیٰؐ[۱]

تعجب ہے کہ افلاطون جو کہ فلاسفہ کا سردار ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد نبوت پائے اور برکاتِ نبوت سے بہرہ ور نہ ہو (سچ ہے) مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور مہیا نہ کرے اُس کے لیے کوئی نور نہیں ہے) ـــــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ـــــ وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْنَ ـــــ (البتہ سابق میں ہمارا وعدہ اپنے فرستادہ بندوں کے حق میں صادر ہو چکا ہے کہ بالتحقیق پیغمبر ہی مظفر و منصور ہیں اور ہمارا جو لشکر ہے وہی غالب ہے) ـــــ عجیب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں گویا کہ طریقِ انبیاء کی جانب ضد میں واقع ہیں مبدا میں بھی اور معاد میں بھی اور اُن فلاسفہ کے احکام، انبیاء علیہم السلام کے احکام کے مخالف ہیں۔ انھوں نے ایمان باللہ درست کیا ہے اور نہ ایمان بآخرت ـــــ وہ عالم کو قدیم کہتے ہیں حالانکہ تمام اہلِ ملت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عالم اپنے اجزا سمیت حادث ہے۔ اسی طرح فلاسفہ قیامت میں آسمان کے پھٹنے، ستاروں کے بکھرنے، پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور سمندروں کے مجتمع ہو کر بہہ پڑنے کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ قیامت میں ان سب امور کے واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ فلاسفہ حشر اجسام کا بھی انکار کرتے ہیں جس سے نصوصِ قرآنی کا انکار لازم آتا ہے ـــــ فلاسفہ کے متاخرین جنھوں نے اپنے آپ کو زمرۂ اسلام میں داخل کر لیا ہے وہ بھی فلسفہ کے اصول پر اتنے جمے ہوئے ہیں کہ آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان چیزوں کے عدم فنا کا حکم لگاتے

---

[۱] اے سعدی، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے بغیر راہِ صدق و صفا پر چلنا محال ہے۔

[۲] افلاطون حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوا ہے بلکہ اس کا شاگرد ارسطو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مدتوں پہلے گذرا ہے ممکن ہے سہو کاتب کی بنا پر کسی دوسرے پیغمبر کی بجائے حضرت عیسیٰؑ کا نام یا کسی دوسرے حکیم کی بجائے افلاطون کا نام لکھا گیا ہو ـ واللہ اعلم بالصواب

ہیں۔ ان کی خوراک ہی یہ ہے کہ نصوصِ قرآنی کی تکذیب اور ضروریاتِ دین کا انکار کریں ـــــ عجیب مومن ہیں کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں مگر خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں اس کو نہیں مانتے۔ حماقت کی بھی انتہا ہوگئی ؎

فلسفہؔ چوں اکثرش باشد سفہ ہم سفہ باشد کہ حکمِ کل، حکم اکثر است
پس کلِّ آں

اس جماعتِ فلاسفہ نے اپنی عمر کو علمِ منطق کی تعلیم و تعلّم میں صرف کیا ہے وہ علمِ منطق جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسا آلہ ہے جو خطائے فکری سے محفوظ رکھتا ہے اور اس فن میں بڑی باریکیاں نکالی ہیں، مگر حال یہ ہے کہ جب یہ لوگ ذات و صفاتِ خداوندی پر پہونچے جو کہ مقصدِ اعلیٰ ہے ـــ تو اپنے حواس کھو بیٹھے اور اس آلے کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا جس کو خطا سے بچانے والا کہتے تھے اور ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے گمراہی کے بیابان میں رہ گئے ـــــ بالکل اس طرح کہ جیسے کوئی سپاہی سالہا سال آلاتِ حرب کو تیار کرے اور جب جنگ کا وقت آجائے تو اس کے چھکّے چھوٹ جائیں اور وہ اُن ہتھیاروں کو استعمال نہ کر سکے ـــــ لوگ علومِ فلسفی کو مکمل و صحیح اور غلطی و خطا سے محفوظ جانتے ہیں۔ ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں تو یہ بات صرف ان علوم میں صادق آئے گی جن میں عقل کو استقلال و دخل حاصل ہو، اور ایسے علوم ہماری بحث سے خارج ہیں اور لایعنی و بے فائدہ کے دائرے میں داخل ہیں۔ یہ علوم، آخرت میں جو کہ دائمی ہے ـــــ کار آمد نہیں ـــــ اور نجاتِ اُخروی ان سے متعلق نہیں ہے ـــــ کلام تو ان علوم میں ہو رہا ہے جن کو عقل سمجھنے سے عاجز ہوتی ہے اور جو طریقۂ نبوت سے وابستہ ہیں اور نجاتِ اُخروی اُن سے مربوط ہے ـــــ ....

الٰہیات میں اور ذات و صفات و افعالِ واجب جلّ سلطانہٗ میں جو نادانیاں انھوں نے بگھاری ہیں، اور ایمانِ باللہ اور ایمان بیومِ آخر میں، جو جو مخالفتیں نصوصِ قرآنیہ کی انھوں نے کی ہیں اُن کا تھوڑا سا بیان اوپر گذر چکا ہے ـــــ رہ گیا علم ہندسہ وغیرہ جو ان فلاسفہ سے یک گونہ مخصوص ہے اگر یہ علم تام و مکمل بھی ہو تو (آخرت میں) کیا کام آئے گا اور کون سا عذاب اور وبالِ آخرت یہ دور کر دے گا .... اور جو علم، آخرت میں کام نہ آئے لایعنی ہے ـــــ علمِ منطق جو کہ فکرِ صحیح اور

؎ لفظ فلسفہ کے اکثر حروف س، ف، ہ دسفہ) ہیں جس کے معنیٰ بیوقوفی کے ہیں۔ بس فلسفہ کا کل بھی سفہ یعنی بیوقوفی ہی ہوگا اس لیے کہ اکثر کو کل کا حکم دیا جاتا ہے ـــــ یعنی اکثر کا اور کل کا حکم ایک ہوتا ہے۔

فکرِ سقیم میں امتیاز کرنے کا ایک آلہ ہے اور جس کو خطا سے محفوظ رکھنے والا کہتے ہیں وہ علم منطق جب ان فلاسفہ کے ہی کام نہ آیا اور اس نے مقصد اعلیٰ میں اُن کو غلطی و خطا سے نہ نکالا تو پھر دوسروں کے کام کیسے آجائے گا اور دوسروں کو خطا سے رہائی کیسے دے گا؟ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرمانا، بیشک تو بڑا عطا کرنے والا ہے) بعض لوگ جو کہ علوم فلسفیہ کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور فلسفے کی ملمع کاری پر فریفتہ ہیں وہ اس جماعتِ فلاسفہ کو حکما، جانتے ہیں اور (نعوذ باللہ) انبیاء علیہم السلام کی مانند سمجھتے ہیں۔ بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ وہ ان کے علوم کا ذبہ کو سچا جان کر کہیں شرائع انبیاءؑ پر ان کا علوم کاذبہ کو ترجیح نہ دے دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقیدۂ بد سے پناہ دے ——— ہاں ہاں جب ان کو حکماء جانیں گے اور ان کے علم کو حکمت کہیں گے تو ضرور اس (مذکورۂ بالا) بلا میں گرفتار ہوں گے ——— اس لیے کہ حکمت نام ہے کسی چیز کے علم کا جو مطابق نفس الامر ہو۔ اب جو علوم بھی ان حکما، کے علوم کے مخالف ہوں گے وہ لامحالہ (اُن کے گمان میں) نفس الامر سے مطابقت نہ رکھیں گے ——— حاصل کلام یہ ہے کہ حکما، اور اُن کے علوم کی تصدیق کرنا انبیاء علیہم السلام اور اُن کے علوم کی تکذیب کرنے کے مرادف ہے اس لیے کہ دونوں علوم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی تصدیق سے دوسرے کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ طریقہ انبیاء کو اختیار کرے اور جماعت حق میں شامل ہو کر اہل نجات میں سے ہو جائے اور جس کا جی چاہے وہ فلسفی بن جائے اور گروہِ شیطان میں داخل ہو کر خائب و خاسر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا (پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ بیشک ہم نے کافروں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کے پردے کافروں کو احاطہ کر لیں گے، اگر وہاں وہ کافر فریاد کریں گے تو ایسا پانی پلایا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا اور جو ان کا منہ جھلس دے گا۔ یہ بُرا پینا ہے اور دوزخ بری آرام گاہ ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مکتوب (۲۴) ملّا مراد کشمی کے نام[1]

[آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کی دینی عظمت اور
اُن کی باہمی محبت ومودت کے بیان میں۔]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــــ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الی قولہ تعالیٰ) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ــــــ[2] (سورۃ الفتح)

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان آیتوں میں تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اُن کی باہمی کمالِ مہربانی ومحبت پر فرمائی ہے اس لیے کہ رَحِیم جو کہ رُحَمَاءُ کا واحد ہے اپنے اندر انتہائی مہربانی کے معنیٰ رکھتا ہے ــــــ پھر چونکہ رَحِیم صفت مشبہ ہے اس لیے استمرار ودوام پر بھی اس کی دلالت ہے (اس بناء پر) ضروری ہے کہ ان کی باہمی مہربانی ہر زمانہ میں صفت استمرار ودوام پر ہو، خواہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا زمانہ ہو خواہ آپ کی وفات کے بعد کا زمانہ ــــــ نیز ضروری ہے

---

[1] آپ میر محمد نعمان اکبرآبادیؒ کے مریدین میں سے تھے۔

[2] ترجمہ ــــــ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پیغمبر ہیں اور ان کے جو ساتھی ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھتا ہے رکوع کرنیوالا سجدہ کرنیوالا (یعنی اکثر اوقات نماز میں مشغول رہنے والا) وہ طلب کرتے ہیں خداوند تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی اللہ کے ساتھ ان کے سچے تعلق اور بندگی کا نشان ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے اثر سے۔ یہ جو مذکور ہوا وہ ان کی صفت ہے توراۃ میں۔ اور ان کی صفت انجیل میں یہ ہے کہ وہ مانند ایک کھیتی کے ہیں کہ اس نے اپنا نرم ونازک انکھوا نکالا پھر اس میں کچھ توانائی اور سختی آئی پھر وہ موٹی اور مضبوط ہوگئی پھر وہ اپنے تنوں پر قائم ہوگئی۔ خوشی ہوتی ہے اس سے کسانوں کو ــــــ اصحاب محمدؐ کی اس ترقی اور فروغ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ کفار کے دل ان کی وجہ سے جلتے ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے اچھے اعمال کیے ہیں انھیں مغفرت اور اجر عظیم کا ــــــ

کہ جو باتیں نکتی یک۔ دیگر کُن فی مہربانی ہیں وہ بھی ان بزرگوں سے دائمی طور پر منفی ہوں اور باہمی بغض کینہ، حسد اور عداوت بھی ان اکابر دین سے استمرار و دوام کے طور پر منتفی ہونے چاہئیں ——— جب تمام صحابہؓ (عمومی طور پر) اس پسندیدہ صفت (مہربانی و محبت) کے ساتھ موصوف ہوئے جیسا کہ کلمۂ وَالَّذِيْنَ کا یہی تقاضا ہے ——— کیونکہ اَلّذین عموم و استغراق کے صیغوں میں سے ہے ——— تو پھر کیا کہنا ہے اکابر صحابہؓ کا وہ تو اس صفت میں (اور بھی) اتم و اکمل ہوں گے ———

اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں، فرمایا ہے ——— اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُو بَكْرٍ (میری امت میں ابو بکر سب سے زیادہ مہربان اور دردمند ہیں میری امت کے) ——— اور حضرت فاروق اعظمؓ کی شان میں آپؐ نے فرمایا ہے ——— لَوْكَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ ——— (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے) یعنی وہ لوازم و کمالات جو نبوت میں درکار ہیں وہ سب حضرت عمرؓ اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اس لیے حضرت عمرؓ منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے ——— لوازم نبوت میں سے ایک لازمہ خلق خدا پر کمال شفقت و مہربانی بھی ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ حضرت عمرؓ میں یہ صفت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اور وہ رذائل جو کہ منافی شفقت و مہربانی ہیں۔ اور ذمائم اخلاق میں سے ہیں۔ مثلاً حسد، اور بغض و عداوت۔ (یہ اخلاق بد) اس جماعت صحابہؓ کے حق میں کیسے متصور ہو سکتے ہیں۔ جس کو (براہ راست) صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہے ——— یہ صحابہؓ تو تمام امت محمدیہ میں ——— جو کہ خیر الامم ہے ——— بہترین ہیں اور اس ملت بیضا کے ——— جو کہ تمام ادیان کی ناسخ ہے ——— سابق ترین یہی صحابہؓ ہیں۔ ان کا زمانہ (بارشاد آنحضرتؐ) بہترین زمانہ ہے ——— ان کے پیغمبر (جن کو انھوں نے براہ راست حالت ایمان میں دیکھا اور جن کی صحبت اٹھائی ——— تمام انبیاء و مرسلین میں افضل ہیں ——— اگر (خدانخواستہ) صحابۂ کرامؓ ان مکروہ صفات کے ساتھ موصوف ہوں جن کے اتصاف سے اس امت کا ادنیٰ فرد بھی عار و شرم رکھتا ہے ——— تو پھر یہ اس اُمت کے بہترین کیسے قرار پائیں گے؟ اور یہ امت کس طریقے سے خیر الامم ہو گی؟ نیز ایمان لانے میں سبقت اور مال و جان کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی اولیت سے ان صحابہؓ کو کیا فضیلت حاصل ہو سکے گی؟ خیریتِ قرن (زمانہ) کی کیا تاثیر مانی جائے گی

اور فضیلتِ صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا اثر ثابت ہوگا؟ —— جو جماعت اس امت کے اولیا، کی صحبت میں زندگی گزارتی ہے وہ بھی ان خراب عادات سے نجات پالیتی ہے —— پھر جس جماعت نے افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس میں اپنی عمر گزاری ہو اور تائید و نصرتِ دین محمدی کی خاطر اپنے مالوں اور جانوں کی قربانی کی ہو ان حضرات کے حق میں ان ذمائم (حسد و بغض وغیرہ) کا کیا توہم ہوسکتا ہے؟

ہاں اگر عیاذاً باللہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور تاثیر صحبت کا کوئی منکر ہو اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو ایک ادنیٰ امت کی صحبت سے بھی ناقص تر سمجھے (تو وہ صحابہؓ کے اندر ذمائم کا توہم کرسکتا ہے) —— یہ بات مُسلّم ہے کہ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا پھر نبی کے مرتبے کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ —— شیخ شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے —— "جس نے اصحاب رسول اللہؐ کی تعظیم نہ کی وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا" ....

مکتوب (۲۵) ملّا طاہر کے نام

[ذکر اور نماز و تلاوت کے آثار اور ان کی وجہ سے ترقی درجات کا بیان۔]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اس راہ کے مبتدی طالب کے لیے بغیر ذکر کے چارہ نہیں، اس لیے کہ اس کی ترقی ذکر ہی سے متعلق ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ذکر کو کسی شیخ کامل و مکمل سے حاصل کیا ہو، اگر یہ شرط ملحوظ نہ رہی تو بسا اوقات وہ ذکر "اوراد ابرار" کے قبیل سے ہوگا، جس کا ثواب تو ملے گا مگر وہ ذریعۂ قرب نہ بن سکے گا۔ اور اس مقام تک نہ پہنچا سکے گا جہاں اس کے ذریعہ مقربین پہنچ جاتے ہیں —— ویسے (شاذ و نادر طور پر) یہ ہوسکتا ہے کہ فضل خداوندی کسی شیخ کے توسّط کے بغیر بھی کسی طالب کی تربیت فرمادے اور تکرارِ ذکر اُس کو مقرّب بنادے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر تکرارِ ذکر کے اس کو مراتب قرب سے مشرف فرمادے اور اپنے اولیا میں شامل کرلے —— لیکن یہ شرط (شیخ کامل کی) اکثر کے لحاظ سے ہے اور حکمت و عادت خداوندی کے موافق ہے —— جب فضل خداوندی سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے

مکمل ہو جاتا ہے اور ہوائے نفسانی کے جھوٹے معبودوں سے رہائی میسر آجاتی ہے نیز نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اس وقت ذکر سے ترقی حاصل نہیں ہوتی —— بلکہ ذکر، "اورادِ ابرار" کا حکم رکھتا ہے —— اُس وقت تو مراتبِ قرب، تلاوتِ قرآن اور ادائے نماز بطول قرأت سے حاصل ہوتے ہیں، پہلے جو ذکر کرنے سے حاصل ہوتا تھا، اب وہ تلاوت قرآن سے حاصل ہوتا ہے خصوصاً جبکہ تلاوتِ قرآن، نماز کے اندر ہو —— حاصل کلام یہ ہے کہ انتہا میں ذکر اُس تلاوتِ قرآن کا حکم پیدا کر لیتا ہے جو ابتدا میں کی جاتی تھی اور جو (زیادہ سے زیادہ) از قبیل "اورادِ ابرار" تھی۔ اور تلاوت اس ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو کہ ابتداء و توسط میں مقربات میں سے تھا —— عجیب معاملہ ہے کہ اس وقت (انتہا میں) اگر ذکر کی تکرار بعنوان قراءتِ قرآن ہو اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" سے ذکر شروع ہو تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو تلاوت قرآن سے میسر ہوتا ہے........ ہر عمل کا ایک موقع اور ایک موسم ہے اگر اس موقع و موسم میں اس کو کیا جائے تو حسن و ملاحت پیدا کرتا ہے اور اس موقع و موسم میں ادا نہ کیا جائے تو بسا اوقات وہ خطا بن جاتا ہے اگرچہ نیک عمل ہو قراءت فاتحہ کو دیکھو۔ تشہد کے موقع پر سورۂ فاتحہ پڑھنی خطا ہے، اگرچہ سورۂ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے —— پس راہنما مرشد اس راہ میں ضروریات سے ہوا اور اس کی تعلیم و ہدایت بھی اہم مہمات سے ہوئی ....

وَالسَّلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ۔

مکتوب (۲۷) ملا علی کشمی کے نام

[بندے کو چاہیے کہ اپنی مرادات سے بالکلیہ دست بردار ہو کر اپنے مولائے حقیقی کی مراد پر راضی رہے نیز مرض ذاتی و مرض عرضی کا بیان۔]

بندے کو چاہیے کہ اس کی مراد سوائے مولائے حقیقی جل سلطانہٗ کے اور کوئی نہ ہو........ اگر ایسا نہیں تو وہ بندگی سے اپنے کو باہر نکال لے گا۔ اور (مولائے حقیقی کی) قید غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرلے گا —— جو بندہ اپنی مرادات میں گرفتار ہے اور اپنے ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور اطاعتِ شیطانِ لعین میں لگا ہوا ہے۔ یہ دولت (کہ کوئی مراد بجز مولائے حقیقی

کے باقی نہ رہے) حصولِ ولایت خاصہ سے متعلق ہے۔ اور ولایتِ خاصہ، فنائے اتم اور بقائے اکمل سے وابستہ ہے ــــــــ

اگر سوال کیا جائے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آرزوئیں اور خواہشیں کاملین سے بھی ظہور میں آتی ہیں اور مطالبِ متعددہ کے حصول کی آرزوئیں ان بزرگوں سے بھی محسوس ہوتی ہیں ــــ (چنانچہ) امام انبیاء وسلطانِ اولیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام (کھانے پینے میں) سرد وشیریں کو پسند فرماتے تھے اور ہدایتِ اُمت کی جو حرص آپؐ کو تھی وہ قرآن مجید سے ظاہر ہے، اس طرح کی آرزوؤں کی بقاء ان بزرگوں میں کیوں تھی؟ ــــ جواب یہ ہے کہ بعض خواہشات کا صدور، طبیعت سے ہوتا ہے جب تک طبیعت باقی ہے خواہشیں قائم ہیں ــــ گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت گرمی کی رغبت ہوتی ہے ــــ اس قسم کی خواہشیں منافیٔ عبودیت اور ہوائے نفس کی گرفتاری کا سبب نہیں ہیں اس لیے کہ ضروریاتِ طبیعت دائرۂ تکلیف سے خارج اور ہوائے نفسِ امارہ سے باہر ہیں ــــ خواہشاتِ نفس (کا تعلق) یا فضولِ مباح (زائد از ضرورت) سے ہے یا مشتبہ سے یا حرام سے، اور جو ضروری ہے اس سے نفس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ــــ پس گرفتاری وبدکرداری پیدا ہوتی ہے۔ فضولیاتِ افعال سے اگرچہ از قسم مباح ہو اس لیے کہ فضولِ مباح (زائد از ضرورت) کا حرام سے پڑوس کا تعلق ہے۔ اگر بندہ اپنے لعین دشمن، شیطان کے بہکانے سے فضولِ مباح سے آگے قدم رکھے گا تو بے اختیار محرمات میں گرے گا ــــ پس مُباحِ ضروری پر اقتصار ضروری ہوا کہ اگر اس مقام سے لغزش ہوئی تو (زیادہ سے زیادہ) فضولِ مُباح میں آکر گرے گا اور اگر فضول مباحات میں مقام ومسکن ہے تو لغزشِ قدم واقع ہونے پر ناچار محرمات میں گر پڑے گا ــــ بعض خواہشات ایسی ہیں کہ اُن کا حصول خارج سے ہوتا ہے .... اور خارج یا واعظِ حضرت رحمٰن ہے جو کہ القائے خیرات کرتا ہے اس لیے کہ (حدیث کی رو سے) ہر مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ موجود ہے ــــ یا وہ خارج شیطان ہے کہ اس کا القاء، شر اور عداوت ہے ــــ (قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے) "شیطان وعدہ کرتا ہے ان سے (اپنے تبعین سے) اور ان کو آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے اور شیطان ان سے نہیں وعدہ کرتا ہے مگر دھوکے کا" ــــ

سکوتِ قلعہ، گوالیار کے زمانے میں ایک دن فقیر فجر کی نماز کے بعد بطریق سکوت ــــــ کہ اس طریقۂ علیہ کا قاعدہ ہے ــــــ بیٹھا تھا، یکایک آرزوہائے بے فائدہ کے ہجوم نے بے حلاوت کر دیا اور جمعیت خاطر سے باز رکھا، ایک لمحہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جمعیتِ خاطر حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح باہر آگئیں اور القا کرنے والے کے ساتھ چلی گئیں نیز خانۂ قلب کو خالی کر گئیں اس وقت معلوم ہوا کہ یہ خواہشات، باہر سے آئی تھیں اندر سے نہیں ابھری تھیں (اندر سے اُبھرتیں تو) اس صورت میں وہ مُنافیٔ بندگی تھیں ــــــ بالجملہ ہر وہ فساد جس کا منشا اور مولد نفسِ امّارہ ہے ــــــ مرضِ ذاتی، سمِّ قاتل اور منافیٔ مقامِ بندگی ہے اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے اگرچہ القائے شیطانی ہو عارضی امراض سے ہے جو معمولی علاج سے زائل ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے) ہمارا نفس ہمارے لیے بڑی بلا ہے اور ہمارا دشمنِ جانی ہمارا ہی بُرا ساتھی ہے ــــــ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے ہم پر غلبہ پاتا ہے۔ وہ اسی نفس کی اعانت سے ہم کو ہمارے مقام سے ہٹاتا ہے۔ جاہل ترین شئے نفسِ امارہ ہے جو اپنا ہی بدخواہ ہے، اس کا نصب العین خود کو ہلاک کرنا ہے اور اس کی بڑی تمنّا حضرتِ رحمٰن کی معصیت کرنا ہے جو کہ اس کا اور اس کی نعمتوں کا مالک ہے ــــــ نیز اطاعتِ شیطان، نفسِ امّارہ کو مطلوب ہے۔ وہ شیطان جو کہ اس کا دشمن جانی ہے ــــــ جاننا چاہیے کہ مرضِ ذاتی اور مرضِ عارضی نیز فسادِ داخلی اور فسادِ خارجی کے درمیان تمیز کرنا بہت دشوار ہے ــــــ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص اپنے زعمِ باطل کی بنا پر خود کو کامل سمجھ کر اپنے مرضِ ذاتی کو مرضِ عارضی سمجھ بیٹھے۔ میں اس راز کے لکھنے کی جراءت نہیں کر رہا تھا اور اس حقیقت کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا تھا ــــــ سترہ سال کے قریب ہو گئے ہیں خود اشتباہ میں تھا اور فسادِ ذاتی کو فسادِ عارضی سے مختلط کیے ہوئے تھا ــــــ اب حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر کے دکھا دیا اور مرضِ ذاتی کو مرضِ عارضی سے تمیز کرا دیا ــــــ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس نعمت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر ــــــ

اس قسم کے اسرار کے اظہار کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو آرزوہائے بیرونی کے وجود کی بنا پر ناقص نہ سمجھ لے اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے ــــــ

دولتِ تصدیقِ انبیاءؑ سے کفار کی محرومی کا سبب ـــــ انبیاء کے اندر اس قسم کی صفات کا موجود ہونا ہی تھا ـــــ (قرآن مجید میں ہے) فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا ـــــ (کافروں نے تعجب سے کہا کہ کیا ایک بشر ہم کو ہدایت کرتا ہے پس انھوں نے انکار کیا) ـــــ اور یہ جو بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عارف کو اس کی مرادات و خواہشات کے زائل ہونے کے بعد صاحبِ ارادہ کر دیتا ہے اور اختیار اس کے ہاتھ میں دیدیتا ہے۔ اس بات کی تفصیل پھر کبھی بعنایتِ خداوندی کی جائے گی۔ یہ وقت اس تفصیل کی ساعدت نہیں کرتا ـــــ والسّلامُ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ متابعۃ المصطفیٰ علیہ وآلہٖ من الصلوات والتسلیمات اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

مکتوب (۲۹) سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کے نام

[فہم بعض کلمات قرآنی کے بیان میں]

سابق میں جبکہ قصورِ فہم کے باعث بعض کلمات قرآنی میں مجھے شبہ و تردد پیدا ہوتا تھا اور میں تطبیق میں عاجز رہتا تھا۔ اس وقت وسوسوں کے رفع کرنے کے لیے بعنایت خداوندی اس سے بہتر علاج نہیں پاتا تھا کہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا تھا کہ ان کلماتِ قرآنی کو تو کلام خداوندی تسلیم کرتا اور ان پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں ؟ اگر ایمان نہیں رکھتا تو تو کافر ہے اور مبحث سے خارج ہے اور اگر ایمان رکھتا ہے تو پھر یہ شک تیری سمجھ کا قصور ہے۔ نظم قرآنی میں کوئی نقص نہیں وہ اس خالق ارض و سمٰوٰت کا کلام ہے جو عقول و ادراکات کا موجد ہے۔ چونکہ بفضل خداوندی کلام ربانی کی حقانیت پر ایمان حاصل تھا۔ اس لیے وہ وسوسہ اس تدبیر سے مضمحل اور ناپید ہو جاتا تھا اور شک و شبہ سے نجات مل جاتی تھی ـــــ اس زمانے میں اللہ کے فضل سے کامیابی یہاں تک حاصل ہوئی کہ نظم قرآنی میں جو مقام، قصورِ ادراک کی بناء پر گنجائش تردد و شبہ رکھتا ہے وہی مقام قرآن پر زیادتِ ایمان کا باعث اور وہ شبہ، ظہورِ اعجاز فرقان کا ذریعہ بن گیا ہے ـــــ (اب) اس دشوار مقام کو خفاہائے اعجاز سے تصور کرتا ہوں اور اس اشکال کو کمالِ بلاغت و فصاحتِ قرآن پر محمول کرتا ہوں، ایسی فصاحت و بلاغت کہ بشر اس کے فہم سے عاجز ہے ـــــ جس قدر ایمان قرآن

کے (بعض مقامات) نہ سمجھنے میں حاصل ہوتا ہے، اتنا سمجھنے میں نہیں حاصل ہوتا اس لیے کہ نہ سمجھنے میں اعجاز کی طرف وہ راستہ کھلا ہوا ہے جو سمجھنے کی صورت میں نہیں ـــــ سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے، یہی نہ سمجھنا ایک جماعت کے لیے ضلالت کی طرف لے جاتا ہے اور کلام حق تعالیٰ کے انکار تک پہونچاتا ہے اور بعض کے حق میں یہی سمجھنا قرآن پر کمال ایمان کا سبب بن جاتا ہے اور ہدایت کے راستے پر لاتا ہے ـــــ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا[1] ـــــ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ـــــ والسلام

مکتوب (۳۱) ملا بدرالدین کے نام

[عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق میں]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ـــــ تم نے لکھا تھا کہ روح، بدن کے تعلق سے پہلے عالم مثال میں تھی اور مفارقتِ بدن کے بعد پھر عالم مثال میں جائے گی پس عذاب قبر عالم مثال میں ہوگا۔ جیسا کہ عالم مثال کے اندر خواب میں درد و تکلیف کا احساس کیا جاتا ہے ـــــ یہ بھی لکھا تھا کہ یہ بات بہت سی شاخیں رکھتی ہے اگر اس کو قبول کر لیا جائے تو اس سے بہت سے مسائل فروعیہ برآمد ہوں گے ـــــ جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات سچائی سے کم حصہ پائے ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات تم کو غلط راستے پر ڈال دیں ـــــ چند کلمات، ضرورت کی بنا پر باوجود موانع کے اس بحث کی تحقیق میں لکھے جاتے ہیں ـــــ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کا ہدایت کرنے والا ہے)

برادرم، عالم ممکنات کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں (۱) عالم ارواح (۲) عالم مثال (۳) عالم اجساد۔ عالم مثال کو برزخ بھی کہتے ہیں۔ یہ عالم مثال یا برزخ، عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان ہے، نیز کہا گیا ہے کہ عالم مثال باقی دونوں عالم کے معانی و حقائق کے لیے ایک آئینے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اجساد و ارواح کے معانی و حقائق عالم مثال میں لطیف شکلوں کے اندر ظاہر ہوتے

---

[1] بہت سوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔

ہیں۔اس لیے کہ اس عالم مثال میں ہر معنی و حقیقت کے مناسب ایک جداگانہ صورت و ہئیت ہے۔
عالمِ مثال فی حدِ ذاتہٖ صورتوں، ہئیتوں اور شکلوں کو اپنے اندر نہیں رکھتا صورتیں اور شکلیں دوسرے عالم سے منعکس ہو کر اس میں ظہور پذیر ہوتی ہیں جیسے آئینہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات سے وہ کوئی صورت اپنے اندر لیے ہوئے نہیں ہے اس میں جو صورت موجود ہے وہ باہر سے آئی ہوئی ہے —— جب یہ بات معلوم ہو گئی تو جاننا چاہیے کہ روح، بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم (عالم ارواح میں تھی) جو کہ عالمِ مثال کے اوپر ہے اور تعلق بدن کے بعد اگر روح نیچے اتری ہے تو عالم اجساد میں علاقہ جسمی کی وجہ سے اتری ہے۔ (غرضکہ) اس کو عالمِ مثال سے کوئی واسطہ نہیں ہے نہ تعلق بدن سے پہلے نہ تعلق بدن کے بعد۔ —— اس سے زیادہ نہیں کہ بعض اوقات بتوفیق خداوندی وہ اپنے بعض حالات کو عالم مثال کے آئینے میں مطالعہ کر لیتی ہے اور اس کو اپنے احوال کا حسن و قبح، عالمِ مثال سے معلوم ہو جاتا ہے، چنانچہ کشف و خواب میں یہ حقیقت واضح ہے ...... بعد از مفارقت بدن اگر روح، علوی ہے تو اوپر کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور سفلی ہے تو پستی میں گرفتار ہو جاتی ہے۔
الغرض عالم مثال سے اس کو کوئی سروکار نہیں —— عالمِ مثال تو "از برائے دیدن" (دیکھنے کے لیے) ہے نہ کہ "از برائے بودن" (رہنے کے لیے)، روح کے رہنے کی جگہ یا تو عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال کی حیثیت ان ہر دو عالم کے لیے آئینے کی ہے اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے —— اور خواب کے اندر جو تکلیف عالم مثال میں محسوس ہوتی ہے وہ اس عقوبت و سزا کی ایک صورت و شکل ہے جس کا مستحق دیکھنے والا ہوتا ہے —— تنبیہ کے لیے یہ بات اس پر ظاہر کر دی جاتی ہے —— عذاب قبر اس قبیل سے نہیں ہے وہ تو حقیقتِ عقوبت ہے صورت عقوبت نہیں ہے —— نیز وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے اگر بالفرض اپنے اندر حقیقت بھی رکھتی ہو تو وہ دُنیوی تکلیفوں کی قسم سے ہو گی اور عذاب قبر، عالم عذاب اُخروی سے ہے۔ —— دونوں میں بہت بڑا فرق ہے —— کیونکہ عذاب دُنیوی کی عذابِ اُخروی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں پناہ بخدا —— آتش دوزخ کی اگر ایک چنگاری دنیا میں آ جائے تو ساری دنیا کو بالکلیہ سوختہ اور نابود کر دے —— عذابِ قبر کو خواب کی طرح ماننا صورتِ عذاب اور حقیقت عذاب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہے —— اور یہ اشتباہ یوں بھی پیدا

ہوتا ہے کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت کی مجانست و مماثلت کا توہم ہو جاتا ہے حالانکہ یہ بات باطل ہے اور کیسی کچھ باطل بالکل کھلی ہوئی باطل ــــ اگر یہ سوال ہو کہ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کا قبض کرنا جس طرح موت میں ہوتا ہے خواب میں بھی ہوتا ہے پھر ایک کی (یعنی خواب کی) تکلیف کو دنیا کی تکلیفوں میں شمار کرنا اور دوسرے کی (یعنی موت کی) تکلیف کو عذاب ہائے آخرت سے کہنا کس وجہ سے ہے؟ ــــ جواب یہ ہے کہ توفّیِ نوم اس طرح کی ہے جیسے کوئی اپنے وطنِ مالوف سے شوق و رغبت کے ساتھ سیر و تماشا کے لیے کہیں باہر جائے تاکہ فرحت و سرور حاصل کرے اور پھر شاداں و فرحاں اپنے وطن کی طرف واپس ہو جائے ــــ اس کی (توفّیِ نوم کی) سیرگاہ، عالمِ مثال ہے جس میں عجائب ملک و ملکوت ہیں ــــ لیکن توفّیِ موت ایسی نہیں ہے وہاں تو وطنِ مالوف کا انہدام اور بنائے معمور کی تخریب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ توفّیِ نوم میں محنت و کلفت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ فرح و سرور کو متضمن ہوتی ہے، برخلاف توفّیِ موت کے اس میں شدت و کلفت ہے پس متوفائے نومی کا وطن دنیا ہوتا ہے اس سے جو معاملہ ہو گا معاملات دنیا میں سے ہو گا اور متوفائے موتی اپنے وطنِ مالوف کی تخریب کے بعد آخرت کی طرف انتقال کرتا ہے اس کا معاملہ معاملاتِ اُخروی سے ہو گیا ــــ "من مات فقد قامت قیامتہ" [رواہ الدیلمی ..... عن انس] جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی) اس حدیث کو تم نے سنا ہو گا ــــ خبردار ــــ کشوفِ خیالی اور ظہورِ مثالی کی وجہ سے اہل سنت و جماعت کے اعتقادات کو ہاتھ سے نہ دینا اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہو جانا۔ نجات اس فرقۂ ناجیہ کی متابعت کے بغیر متصور نہیں ــــ اگر آرزوئے نجات رکھتے ہو تو خوش طبعی کی باتیں چھوڑ کر جان و دل سے بزرگانِ اہل سنت و جماعت کے اتباع کی کوشش کرو خبر کرنا شرط ہے ــــ قاصد کی ذمہ داری پیغام پہونچانے کی ہے اور بس ــــ تمہاری عبارت کے "انبساط" نے مجھ کو اس توہم میں ڈال دیا کہ اس کا بڑا امکان ہے کہ یہ تخیلات تم کو اکابر اہل سنت کی تقلید سے باہر اور اپنے ذاتی کشف کا تابع کر دیں۔ نعوذ باللہ سبحانہ منہا ومن شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ــــ شیطان دشمنِ قوی ہے، خبردار ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو صراطِ مستقیم

لہ خدائے تعالیٰ قبض ارواح کرتا ہے ان نفسوں کی موت کے وقت، اور وہ نفس جو ابھی مرا نہیں ہے اس کو نیند کی حالت میں قبض کرتا ہے۔

اور شاہراہ حق سے ہٹا کر تنگ، گلیوں میں ڈال دے ——— ہم سے جدا ہوئے تقریباً ایک سال بھی نہیں گزرا پھر یہ کیا ہو گیا۔ ؟ وہ احتیاطیں کدھر گئیں جو تم التزام متابعتِ سنت و اہل سنت میں کیا کرتے تھے اور نجات کا دارومدار ان بزرگوں کی تقلید میں سمجھا کرتے تھے۔ شاید اُن سب باتوں کو فراموش کر دیا جو اپنے تخیلات کو اپنا مقتدیٰ بنالیا اور شاخیں نکالنی شروع کر دیں ——— ہماری ملاقات بحیثیت ظاہر بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ بس اب (خود) اس طرح زندگی گزارو کہ رشتۂ امید نجات نہ ٹوٹنے پائے ——— رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ———

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب (۳۴) والدۂ میر محمد امین

(یعنی زوجۂ خواجہ میر محمد نعمانؒ اکبر آبادی) کے نام

[ذکر الٰہی کی ترغیب اور اجتناب از محبت دنیا کی نصیحت]

نصیحت جو کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ اوّل علمائے اہل سنت و جماعت ——— جو کہ فرقۂ ناجیہ ہیں ——— کی آراء کے مطابق، تصحیح عقائد ہو بعد از تصحیح عقائد احکام فقہیہ کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ضروری ہے ——— دشریعت کی طرف سے جس کا حکم دیا گیا ہے اُس کی بجا آوری اور جس سے باز رکھا گیا ہے۔ اس سے اجتناب کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ——— پانچ وقت کی نماز بغیر سستی و نقصان کے اس کے شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اور تعدیلِ ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کی جائے ——— سونا چاندی نصاب کے مطابق ہو تو ادائے زکوٰۃ بھی ضروری ہے ——— امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کے زیورمیں بھی زکوٰۃ دینے کو فرمایا ہے ——— اپنے اوقات کو لہو و لعب میں صرف نہ کرنا چاہیے اور لایعنی امور میں عمر گرامی کو ضائع نہ کیا جائے ——— چہ جائے کہ اُن امور میں زندگانی صرف کی جائے جن کے کرنے سے بہت زیادہ، منع کیا گیا ہے اور جو (صریح طور پر) ممنوعاتِ شرعیہ میں سے ہیں ——— سرود و نغمہ کی طرف رغبت نہ کرنی چاہیے اور نہ اس کی لذت پر فریفتہ ہوا جائے۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا زہر ہے جو شہد اور شکر ملا ہوا ہے ——— غیبت اور چغلخوری سے اپنے کو محفوظ رکھیں اس لیے کہ شرعی وعیدیں ان ہر دو بد اخلاقیوں کے ارتکاب پر وارد ہوئی ہیں، جھوٹ بولنے اور بہتان باندھنے سے بھی اجتناب ضروری ہے

اس لیے کہ یہ دونوں خراب عادتیں تمام ادیان میں حرام ہیں اور ان کے مرتکبین کے لیے بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں ——— مخلوق کے عیبوں اور گناہوں کو دبانا اور چھپانا اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنا عزائم امور (کارہائے ہمت) سے ہے۔ غلاموں، کنیزوں اور نوکروں پر شفقت اور مہربانی کی جائے اور (خدمت کی انجام دہی میں) ان کی تقصیرات پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے۔ موقع بے موقع ان بیچاروں کو مارنا، برا بھلا کہنا اور تکلیف واذیت پہونچانا ——— غیر مناسب بات ہے۔ اپنی تقصیرات پر نظر کرنا چاہیے کہ جناب قدس خداوندی میں ہر ساعت واقع ہوتی رہتی ہیں (پھر بھی) اللہ تعالیٰ ان تقصیرات کے مواخذے میں تعجیل نہیں فرماتا اور رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا ——— تصحیح عقائد اور احکام فقہیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں مستغرق رکھنا چاہیے اور جس طریقہ پر ذکر خدا کو ہم نے اخذ کیا ہے اسی طرح ذکر کرنا چاہیے، ذکر کے منافی جو چیز بھی ہو اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے اجتناب لازم ہے ؎

هر چه جز ذکر خدائے احسن است

گر شکر خوردن بود جاں کندن است[۱]

تم سے تمہاری حاضری کے موقع پر کہہ دیا گیا ہے کہ امور شرعیہ میں جتنی احتیاط مدنظر رکھی جائے گی مشغولی ذکر میں افزائش ہوگی اور اگر احکام شرعیہ میں کوتاہی کرو گی تو ذکر کی حلاوت برباد کردو گی ——— واللہ سبحانہٗ اعلم

مکتوب (۳۵) مرزا منوچہر کے نام

[تعزیت ونصیحت]

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش وقت ومطمئن رکھے۔ اور اندوہ گزشتہ کی باحسن وجوہ تلافی فرمائے

اے فرزند اقبال آثار! جوانی کا زمانہ جس طرح ہوا و ہوس کا وقت ہے تحصیل علم وعمل کا

---

[۱] خداوند قدوس کی یاد کے سوا جو کچھ ہے اگر مٹھائی کھانا بھی ہے تو بس جان برباد کرتا ہے ۱۲

بھی وقت ہے ــــــ اس زمانۂ شباب میں باوجود غلبہ موانع شہویہ و غضبیہ جو عمل بھی بمقتضائے شریعت وجود میں آتا ہے وہ دوسرے زمانے کے مقابلے میں زیادہ فوقیت اور اعتبار رکھتا ہے۔ اس لیے کہ مانع کا وجود جو کہ باعث رنج و محنت ہے عمل کے مرتبے کو آسمان پر لے گیا ہے اور عدم مانع نے جو کہ عدم رنج و مشقت کو مستلزم ہے عمل کے مرتبے کو پست کر دیا ہے ــــــ یہی وجہ ہے کہ خواص بشر، خواص فرشتہ سے افضل ہیں کیونکہ طاعت بشر، موانع کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور عبادت فرشتہ، بے مزاحمت موانع ہے ــــــ سپاہیوں اور فوجیوں کی خدمات کے اعتبار و شمار کا وقت وہ ہوتا ہے جبکہ دشمنوں کا غلبہ ہو اس لیے کہ دشمن موانع دولت و حکومت ہوتے ہیں، اُس وقت کی تھوڑی سی جد و جہد بھی بہت کچھ فوقیت اور اعتبار رکھتی ہے بمقابلہ اس جد و جہد کے جو ایسے ہنگامی دور کے علاوہ کسی اور وقت ہو ــــــ یہ تمھیں معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ کے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کے پسندیدہ ہیں۔ اور علم و عمل بہ مقتضائے شریعت حضرت رحمان جل سلطانہٗ کو مرغوب ہیں ــــــ عقلمندی و ہوشیاری سے یہ بات دور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو راضی کیا جائے اور اللہ تعالیٰ جو بے شمار نعمتوں کا بخشنے والا ہے ناراض ہو جائے ــــــ واللہ سبحانہٗ الموفق ــــــ

مکتوب (۳۶) میر محمد نعمان اکبر آبادی کے نام

[منکرین عذاب قبر کے رفع شبہات میں]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ ایک گروہ، عذاب قبر کے بارے میں جس کا ثبوت احادیثِ صحاح مشہورہ بلکہ آیت ہائے قرآنی سے بھی ہے ــــــ تردد بلکہ قریب قریب محال ہونے کا یقین رکھتا ہے ــــــ اُن کا سب سے بڑا شبہہ یہ ہے کہ غیر مدفون (مثلاً دریا میں ڈوبے ہوئے، آگ میں جلے ہوئے، درندوں کے پھاڑے ہوئے) مُردوں کے حالات ایک نہج اور طرز پر ہوتے ہیں۔ اُن میں استقامت ہوتی ہے، اضطراب نہیں ہوتا اور یہ بات تعذیب و ایلام کے منافی ہے۔ تعذیب و ایلام کے لوازم میں سے جنبش و اضطراب ہے۔ (اس سے اُنھوں نے مدفون مردوں کے متعلق یہ رائے قائم کی کہ قبر میں تعذیب و ایلام کا معاملہ نہ ہو گا)۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ

حیاتِ عالم برزخ ـــــ حیاتِ دنیوی کی جنس سے نہیں ہے کہ اُس کو حرکتِ ارادی اور احساس دونوں لازم ہوں۔ دُنیا کا انتظام، حرکتِ ارادی اور احساس ہی سے وابستہ ہے ـــــ حیاتِ برزخ میں کوئی حرکت درکار نہیں ہے بلکہ حرکت، عالم برزخ کے مُنافی ہے۔ وہاں فقط احساس ہوگا اور یہی کافی ہے کہ جس سے الم و عذاب کو محسوس کرے۔ پس حیاتِ برزخ گویا کہ نصفِ حیاتِ دُنیوی ہے (اس لیے کہ حیاتِ دُنیوی میں حرکتِ ارادی بھی ہے اور احساس بھی، اور حیاتِ برزخی میں حرکت نہیں ہے صرف احساس ہے) اور اسی طرح حیاتِ برزخی میں بدن سے روح کا تعلق، اُس تعلق کا نصف ہے جو رُوح کو بدن سے دنیا میں تھا۔ پس روا ہے کہ مُردگانِ غیر مدفون (غرق شدہ، سوختہ شدہ، دریدہ شدہ) حیاتِ برزخی میں احساسِ عذاب و الم تو کریں اور کوئی حرکت و اضطراب اُن سے وجود میں نہ آئے اور جو کچھ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہی بلاشک و شبہہ، صادق ہو ـــــ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہوں اور اس اشکال کا اور اس قسم کے دوسرے اشکالات کا بالکل قلع قمع ہی کیے دیتا ہوں کہ طور و طریقِ نبوت بالائے طور و طریقہ، عقل و فکر ہے ـــــ وہ اُمور جن کے ادراک سے عقل قاصر ہوتی ہے اُن کا ادراک، طور و طریقِ نبوت سے کیا جاتا ہے۔ عقل کافی ہو جایا کرتی تو پھر انبیاء علیہم السلام کیوں مبعوث ہوتے اور عذابِ اُخروی کو اُن کی بعثت سے کیوں مربوط و متعلق کیا جاتا؟ ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ـــــ (ہم نہیں ہیں عذاب کرنے والے یہاں تک کہ رسول کو بھیجیں) عقل ہر چند حجّت ہے لیکن حجّتِ بالغہ نہیں ہے اور وہ حجّیت کے اندر کامل نہیں۔ حجّتِ بالغہ، بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ متحقق ہوئی ہے۔ اسی بعثتِ انبیاء نے مکلّفین کی زبانِ عذر کو بند کر دیا ہے۔ (چنانچہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ـــــ (ہم نے بھیجا رسولوں کو خوش خبری دینے والا ڈرانے والا بنا کر تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر الزام، پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد

——اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے) —— اور جب ادراکِ عقل کی کوتاہی بعض اُمور میں ثابت ہو گئی پس جمیع احکامِ شرعیہ کو میزانِ عقل میں تولنا اچھی بات نہیں ہو گی —— جمیع احکام شرعیہ کو عقل کی ترازو میں تولنا استقلالِ عقل کا حکم لگانا اور طورِ نبوت کا انکار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے —— سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے کی فکر اور اُن کی رسالت کی تصدیق کرنا چاہیے تاکہ تمام احکام میں اُن کو صادق سمجھا جائے اور اس ذریعے سے ظلماتِ شکوک و شبہات سے خلاصی میسر آئے —— اصل کو معلوم کرنا چاہیے تاکہ فروع، بے تکلف و بے دشواری معقول و معلوم ہو جائیں۔ کسی فرع کو اس کی اصل کے ثابت کیے بغیر معلوم کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ اور اس تصدیقِ رسالت کی منزل تک پہنچنے نیز اطمینانِ قلب کے حصول کا نزدیک ترین راستہ ذکرِ الٰہی ہے —— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے —— اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ (آگاہ ہو کہ ذکرِ خدا سے اطمینان حاصل کرتے ہیں دل۔ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اُن کی حالت اچھی ہو گی اور ان کی بازگشت بھی اچھی ہو گی) محض، نظر و استدلال کے راستے سے اس مطلب عالی تک پہنچنا بہت بعید ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

(اور اگر استدلال ہی مطلوب ہے تو) انبیاء علیہم السلام کا مقلد اُن کی نبوت کے اثبات کے بعد اور اُن کی رسالت کی تصدیق کے بعد (خود) استدلال کرنے والوں میں سے ہے۔ اُن اکابر کے اقوال کی تقلید اس وقت (یعنی بعد تصدیق و اثباتِ نبوت) عین استدلال ہے۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ اس نے ایک اصل کو دلیل سے ثابت کیا ہو۔ اب جو فروع بھی اس اصل سے نکلیں گے سب اسی استدلال سے ثابت ہو جائیں گے۔ اور اصل کے

عـــہ فقط استدلال پر اکتفا کرنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں اور ظاہر ہے کہ لکڑی کے پاؤں بودے ہوتے ہیں۔

استدلال کی وجہ سے وہ شخص تمام فروع کے اثبات میں استدلال کرنے والا سمجھا جائے گا ۔۔۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ ط[ع]
لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط ۔۔۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

مکتوب (۳۸) مُلّا ابراہیم کے نام

[حدیث ستفترق اُمتی الخ[ع] کے معنی اور
درجہ اربابِ فقہ کی تحقیق]

جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ تفرّق اُمت ...... میں کلھم فی النار الا واحدۃ جو فرمایا ہے اُس میں (اُن بہتّر فرقوں کا) آتش دوزخ میں داخل ہونا اور عذاب میں رہنا مُراد ہے۔ خلود و دوام عذاب مُراد نہیں اس لیے کہ خلود و دوام منافی ایمان اور مخصوص بہ کفار ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ چونکہ اُن کے اعتقادہائے مذمومہ اُن کے دُخولِ نار کا سبب ہیں۔ ناچار وہ سب کے سب داخلِ نار ہو کر اپنے خباثتِ اعتقاد کی بقدر معذّب ہوں گے۔ برخلاف فرقۂ ناجیہ کے جس کے معتقدات عذابِ نار سے نجات دینے والے اور سببِ فلاح ہیں ۔۔۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ فرقۂ ناجیہ کے بعض افراد اگر اعمالِ غلط کے مرتکب ہوں گے اور وہ اعمال (دنیا میں) توبہ کے ذریعے اور

ع سپاس و حمد خداوند کریم کے لیے ہے کہ اُس نے ہم کو اس کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہم ہرگز راستہ نہ پاسکتے اگر خداوند کریم ہم کو راہ نہ دکھاتا۔ بے شک ہمارے پروردگار کے بھیجے ہوئے پیغمبر حق و راستی کے ساتھ آئے۔

ع ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں متفرق ہوئے اور میری اُمت میں ۷۳ فرقے ہوں گے۔ اُن میں سوائے ایک کے جو کہ ناجی ہوگا باقی سب ناری ہوں گے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا "وہ نجات یافتہ فرقہ کون سا ہوگا؟" فرمایا "جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوگا"۔

آخرت میں شفاعت کے ذریعے معاف نہ ہوئے ہوں گے تو جائز ہے کہ گناہ کی بقدر عذاب نار میں وہ بھی مبتلا ہو جائیں اور دخولِ نار اُن کے لیے بھی متحقق ہو ـــــ پس دوسرے (بہتّر) فرقوں میں دُخولِ نار تمام افراد کے حق میں ہے اگرچہ خلود و دوام نہ ہو اور فرقہ ناجیہ کے اندر دخولِ نار بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے جنھوں نے اعمالِ سوء کا ارتکاب کیا ہو گا ـــــ کلمہ کلّھم میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے جو مخفی نہیں ہے۔ چونکہ یہ (بہتّر) بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں اس لیے اُن کی تکفیر میں دلیری نہیں کرنا چاہیے۔ تاوقتیکہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نیز متواترات احکام شرعیہ کا رد نہ کریں۔ اور دین کی یقینی و ضروری باتوں کو قبول کرتے رہیں ـــــ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کی بات میں ننانوے وجوہِ کفر ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام پائی جائے تو اُس ایک وجہ کو صحیح رکھا جائے اور حکمِ کفر نہ لگایا جائے ـــــ واللہ سبحانہ اعلم۔

نیز یہ بات بھی جاننا چاہیے کہ حدیث میں جو یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اس اُمّت کے فقراء اغنیاء سے نصف یوم پہلے بہشت میں جائیں گے تو اس نصف یوم سے مُراد دنیا کے پانچ سَو سال ہیں اس لیے کہ یوم نزدِ حق تعالیٰ ہزار سال ہے آیت اِنَّ یَوماً عِندَ رَبِّكَ كَاَلفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ[1] ـــــ اس معنیٰ کی گواہ ہے ـــــ اور اس مدّت کی مقدار علمِ الٰہی کے سپرد ہے بغیر اس کے کہ روز و شب اور سال و ماہ متعارف (وہاں) متحقق و موجود ہوں ـــــ فقیر سے مُراد وہ فقیرِ صابر ہے جو احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اپنے اوپر لازم کیے ہوئے ہے اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے۔

فقر میں درجاتِ مراتب ہیں۔ بعض بعض کے اوپر ہیں اور سب سے بڑا مرتبہ مقامِ فنا میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور وہ (مقامِ فنا) یہ ہے کہ سوائے حق جل شانہٗ کے سب کو ناچیز قرار دے اور فراموش کر دے اور جو شخص تمام مراتبِ فقر کا جامع ہے وہ افضل ہے بمقابلہ اُس کے جو اُن مراتب میں سے بعض رکھتا ہے اور بعض نہیں رکھتا پس جو شخص مقامِ فنا کے ساتھ ساتھ فقرِ ظاہر بھی رکھتا ہے وہ افضل ہے اُس شخص سے جو درجۂ فنا تو رکھتا ہے مگر ظاہری فقر نہیں رکھتا ـــــ اس بات کو خوب سمجھ لیا جائے۔

---

[1] اللہ کے ہاں کا ایک دن تمہارے حساب کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ۱۲

مکتوب (۴۰) خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ کے نام

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— احوال و اوضاع اس طرف کے فقراء کے مستوجب حمد ہیں ——— اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی و عافیت مطلوب ہے۔ صحیفۂ شریفہ جو از روئے شفقت و مہربانی اس فقیر کے نام تحریر فرمایا تھا اس کے مطالعے سے مشرف ہوا ——— آپ نے اُس میں اس بات کا اشتیاق ظاہر کیا تھا کہ حرمین شریفین (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) میں سے کسی ایک مقام میں اپنے متعلقین سمیت متوطن و اقامت پذیر ہو جائیں اور وہاں ہی مدفون ہوں ——— مخدوما و مکرما! متعلقین کا جانا نظر (نظر کشفی) میں نہیں آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ منع، مفہوم ہو ——— اگر آپ تنہا جائیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے اور اُمید ہے کہ سلامتی کے ساتھ پہونچیں گے ——— والامر الی اللہ سبحانہٗ ...... والسلام۔

مکتوب (۴۱) ایک نیک خاتون کے نام

[عورتوں کو ضروری نصیحتیں]

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ——— یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(اے پیغمبر جب کہ ایمان والی عورتیں آپ کے پاس بیعت ہونے کی غرض سے اس شرط پر آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو (بموافق رواج جاہلیت) قتل نہ کریں گی، ایسا بہتان نہ لائیں گی جس کو انھوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہو اور وہ آپ کی کسی کار نیک میں نافرمانی نہ کریں گی ——— تو آپ اُن کو بیعت کر لیجیے اور ان کے لیے اللہ سے طلب مغفرت کیجیے، بے شک اللہ تعالےٰ

بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے)

یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے دن نازل ہوئی ہے ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو بیعت کرنا فقط قول کے ذریعے تھا۔ آپ کا دستِ مبارک ہرگز بیعت ہونے والی عورتوں کے ہاتھوں تک نہیں پہونچا ــــ چونکہ عورتوں میں (مجموعی حیثیت سے) ناقص اور برے اخلاق بمقابلہ مردوں کے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے عورتوں کی بیعت کے وقت، مردوں کی بیعت کے مقابلے میں زیادہ احکام لائے گئے ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیعت کے وقت عورتوں کو برُے اخلاق سے منع فرمایا ہے ــــ

(عورتوں سے بیعت کی) پہلی شرط یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے وجوبِ وجود میں بھی اور استحقاقِ عبادت میں بھی ــــ جس شخص کے اعمال دکھاوے اور سُناوے کی آمیزش سے صاف اور غیر خدا سے طلب اجر کے گمان سے ــــ اگرچہ قولاً ہی کیوں نہ ہو ــــ پاک نہ ہوں گے ــــ وہ شخص دائرۂ شرک سے باہر اور توحید پرست نیز اخلاص والا نہ ہوگا .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ــــ شرکِ اصغر سے پرہیز کرو صحابہؓ نے عرض کیا حضور شرک اصغر کیا ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریا کاری شرکِ اصغر ہے" ــــ مراسمِ شرک اور ایامِ کفر کی تعظیم کو بھی شرک میں بڑا دخل حاصل ہے اور دو منہوں کی تصدیق کرنے والا بھی اہلِ شرک ہی سے ہے نیز احکامِ اسلام اور احکامِ کفر پر مشترکہ عمل کرنے والا بھی مشرک ہی ہے ــــ

کفر سے بیزاری شرطِ اسلام ہے اور آلودگیٔ شرک سے نفرت شرطِ توحید ہے ــــ بیماریوں کے دور کرنے کے لیے بتوں اور شیطانوں سے مدد طلب کرنا، جیسا کہ جاہل مسلمانوں میں رائج ہوگیا ہے عین شرک و ضلالت ہے ــــ ناکارہ سنگہائے تراشیدہ سے طلب حاجات کرنا عینِ کفر اور واجب الوجود کا انکار ہے ــــ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے

يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ
وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا

(وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات، طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا ہے

کہ وہ اُن کے معتقد نہ ہوں اور شیطان چاہتا ہی یہ ہے کہ اُن کو بہت زیادہ گمراہ کردے۔)

بہت سی (مسلمان) عورتیں اپنی انتہائی جہالت کی بنا پر ایسی چیزوں سے مدد طلب کرتی ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور بلا و مصیبت کا دفعیہ اُن اسماء سے کرتی ہیں جن کا کوئی مستحق نہیں ——— نیز وہ مراسم شرک و اہلِ شرک میں گرفتار ہیں ——— عورتوں سے یہ بات ——— خواہ وہ نیک ہوں یا بد خاص طور پر چیچک کا مرض جس کو سیتلہ بھی کہتے ہیں عارض ہونے پر ——— ظاہر و محسوس ہوتی ہے ——— بہت کم عورتیں ہوں گی جو اس شرک کی باریکیوں سے خالی ہوں۔ اور چیچک کے رسوم میں سے کسی نہ کسی رسم کا ارتکاب نہ کرتی ہوں ——— بس اللہ ہی جس کو محفوظ رکھے وہ بچی بچتی ہوگی ——— غیر مسلموں کے معظم ایام کی تعظیم کرنا اور اُن کے مشہور رسوم بجالانا بھی مستلزم شرک اور مستوجب کفر ہے ——— چنانچہ ایام دیوالی میں جاہل مسلمان خصوصاً اُن کی عورتیں غیر مسلموں کے رسوم ادا کرتے ہیں اور ان دنوں میں عید کی سی خوشی مناتے ہیں اور اہلِ شرک کی طرح اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو بدایا روانہ کرتے ہیں وہ اس زمانے میں اپنے برتنوں کو مانندِ کفار رنگین کرتے ہیں اور ان کو سُرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتے ہیں اور اس زمانے کو قابلِ اعتبار و توجہ سمجھتے ہیں یہ باتیں شرک کی اور دینِ اسلام سے انکار کی ہیں ——— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۔

(ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ بغیر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیے ہوئے خالص طریقے پر اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہیں)

حیوانات کو جو نذرِ مشائخ کرتے ہیں اور اِن بزرگوں کی قبروں کے سرہانے اُن حیوانات کو ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایتوں میں اس عمل کو بھی داخلِ شرک قرار دیا گیا ہے اور اس بارے میں بہت کچھ ممانعت کی گئی ہے نیز اس ذبح کو "ذبائح جن" میں سے شمار کیا ہے جو کہ ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرے میں آتا ہے ——— لہٰذا اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اس لیے کہ اس میں بھی آمیزشِ شرک ہے ——— نذر کی اقسام بہت سی ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ کسی حیوان کے ذبح کرنے کی نذر کریں اور عملِ ذبح کا ارتکاب کر کے اس کو "ذبائح جن" کے ساتھ لاحق کر دیں اور جنات کے پجاریوں کے مشابہ ہو جائیں۔ ——— اور (اسی) (شرک کے) قبیل سے ہے عورتوں کا روزہ رکھنا پیروں اور بیبیوں

(حضرت فاطمہؓ و حضرت مریمؑ وغیرہما) کی نیت سے ——— عورتیں بہت سے پیروں کے نام اپنی طرف سے تراش کر اُن کے نام کا روزہ رکھتی ہیں اور ہر روزے کے افطار کے وقت ایک خاص قسم کا کھانا مخصوص وضع کے ساتھ متعین کرتی ہیں اور اُن روزوں کے لیے تعینِ ایام بھی کرتی ہیں نیز اپنی حاجات کے پورا ہونے کو اُن روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں۔ ان روزوں کے توسل سے پیروں اور بیبیوں سے اپنی حاجتیں مانگتی ہیں اور حاجت برآری کو ان کی ذات سے جانتی اور سمجھتی ہیں یہ بات عبادت کے اندر شرک کرنا، اور عبادتِ غیر اللہ کے ذریعے غیر اللہ سے اپنی حاجات کو طلب کرنا ہے اس فعل کی خرابی کو بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے ——— درآنحالیکہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلصَّومُ لِی وَاَنَا اَجزِی بِہٖ یعنی روزہ میرے ہی لیے مخصوص ہے میرے غیر کی اس عبادت میں کوئی شریک نہیں۔ میں ہی اس روزے کی جزا دوں گا" ——— اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جائز نہیں مگر روزے کی تخصیص اس کے اہتمامِ شان کی وجہ سے ہے اور مقصود، تاکید کے ساتھ اس عبادت میں شرکت کی نفی کرنا ہے ——— اور یہ محض بہانہ بازی ہے جو بعض عورتیں اس قسم کے شرکیہ روزوں کی خرابی ظاہر کرنے کے وقت کہا کرتی ہیں کہ ہم تو ان روزوں کو اللہ تعالیٰ کے واسطے رکھتے ہیں اور اُن کا ثواب پیروں کو بخشتے ہیں ——— اگر اس بات میں وہ سچی ہیں تو پھر یہ دنوں کا مخصوص و مقرر کرنا کس واسطے ضروری ہوا؟ اور تخصیص طعام اور افطار میں مختلف قسم کی غلط اور خراب رسموں اور وضعوں کا تعین کس لیے ہے؟ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ افطار کے وقت، ارتکاب محرمات کرتی ہیں اور فعل حرام کے ذریعے افطار کرتی ہیں یعنی بلا ضرورت ڈھکلے کے طور پر سوال و گدائی کر کے اس سے افطار کرتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو اس حرام فعل یعنی بھیک کے ساتھ مخصوص سمجھتی ہیں ——— خود عینِ ضلالت اور شیطانِ لعین کا فریب ہے۔ بس اللہ ہی محفوظ رکھنے والا ہے۔

دوسری شرط جو بیعتِ نساء کے وقت درمیان میں لائی گئی ہے وہ چوری سے باز رہنا ہے۔ چوری کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور چونکہ یہ خصلتِ بد اکثر عورتوں میں (کسی نہ کسی صورت میں) پائی جاتی ہے اور کم عورتیں ہوں گی جو اس بُری عادت کی باریکیوں سے خالی ہوں اس لیے اس ذمیمہ سے نہی بھی اُن کی بیعت کے لیے ضروری ہوئی ——— وہ عورتیں جو کہ اپنے شوہروں کے مالوں میں بغیر اُن کی اجازت کے تصرف بیجا کرتی ہیں اور بے تحاشا خرچ کرتی ہیں سارقوں ہی میں داخل اور

سرقہ کے گناہ کا ارتکاب کرنے والی ہوتی ہیں ـــــ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات عورتوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے یعنی خیانت کا مرض ان کے عام افراد میں موجود ہے ـــــ مگر جس کو اللہ تعالےٰ نے محفوظ رکھا ہو ـــــ کاش وہ اس بات کو گناہ شمار کریں اور بُرا سمجھیں .... جب عورتوں کے اندر اپنے شوہروں کے اموال کو بار بار (ناجائز طریقے پر) لینے کی وجہ سے ملکۂ خیانت پیدا ہو جاتا ہے اور اموالِ غیر میں تصرف کرنے کی قباحت اُن کی نظر سے زائل ہو جاتی ہے تو پھر بعید نہیں ہوتا کہ وہ اپنے شوہروں کے علاوہ دوسروں کی املاک میں بھی بیجا تصرف کریں اور دوسروں کے مالوں میں بھی خیانت وسرقہ کی مرتکب ہوں ـــــ اُمید ہے کہ میری یہ بات تھوڑے سے تامل کے بعد واضح ہو جائے گی ـــــ بس ثابت ہو گیا کہ سرقے سے منع کرنا عورتوں کے حق میں امورِ ضروریۂ اسلام میں ضروری ترین امر ہے ـــــ (اسی ضمن میں یہ بھی لکھتا ہوں کہ) ایک دن حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے دریافت فرمایا جانتے ہو سب چوروں سے زیادہ چور کون ہے؟ یعنی بدترین چور کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہم کو معلوم نہیں آپ ارشاد فرمادیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ بدتر چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے اور ارکانِ نماز کو بتمام وکمال ادا نہیں کرتا" ـــــ (لہٰذا) اس سرقے سے بھی پرہیز ضروری ہوا تاکہ بدترین چوروں میں شمار نہ ہو ـــــ حضورِ دل کے ساتھ نیت نماز کرنی چاہیے، اس لیے کہ بغیر حصولِ نیت کے عمل، صحیح نہیں ہوتا ہے ـــــ قرآن کو درست پڑھنا چاہیے، رکوع وسجود کو اطمینان کے ساتھ پورا کرنا چاہیے، قومہ وجلسہ کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یعنی رکوع کے بعد ٹھیک طریقے پر کھڑا ہونا چاہیے، اور ایک تسبیح کی بقدر کھڑے ہونے میں دیر کرنی چاہیئے ـــــ دونوں سجدوں کے درمیان بھی صحیح طریقے پر بیٹھنا چاہیے اور ایک تسبیح کے بقدر بیٹھنے میں بھی توقف کرنا چاہیے تاکہ قومہ وجلسہ میں اطمینان میسر ہو جو ایسا نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو "قطارِ سارقان" میں داخل کرتا ہے اور خود کو محلِ وعید بناتا ہے۔

تیسری شرط جو بیعت نساء کے سلسلے میں نصِ قرآن سے ثابت ہے زنا سے نہی ہے اس شرط کی تخصیص ببیعتِ نساء کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ زنا کا حصول زیادہ تر عورتوں کی رضامندی حاصل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور عورتیں اپنے نفسوں کو مردوں پر پیش کرتی ہیں بس اس عمل میں سابق تر

ہوتی ہیں اور ان کی رضامندی اس عمل زنا کے حاصل ہونے میں معتبر ہوتی ہے لہٰذا اس عمل سے نہی عورتوں کے حق میں مؤکد ہوگی اور مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہوں گے ـــــ اسی وجہ سے حضرت حق سبحانہٗ نے اپنی کتاب مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد سے مقدم رکھا ہے اور فرمایا:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

[(بے شادی شدہ) زانیہ عورت اور (بے شادی شدہ) زانی مرد ان دونوں کے سَو سَو کوڑے مارو]

یہ زنا کی خصلت بد، دنیا و آخرت دونوں جگہ نقصان پہونچانے والی ہے اور تمام مذاہب میں اس فعل کو برا سمجھا گیا ہے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو زنا سے پرہیز کرو اس لیے کہ اس میں چھ بری صفتیں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں ـــــ وہ تین جو دنیا میں ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ زانی (کے چہرے) سے رونق اور نورانیت زائل ہو جاتی ہے دوسری یہ ہے کہ زنا مفلسی کا سبب ہے اور تیسری یہ ہے کہ زنا، عُمر کو گھٹاتا ہے ـــــ اور وہ تین باتیں جو زانیوں کے لیے آخرت میں پیش آنے والی ہیں اُن سے ایک خدا کا غصہ و غضب ہے، دوسری حساب آخرت کی خرابی ہے، تیسری عذاب نار ہے"

یہ بھی جاننا چاہیے کہ حدیث نبوی میں آیا ہے نظروں کا زنا نامحرم عورتوں کی طرف نظر کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا نامحرموں کا ہاتھ پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا نامحرم کی طرف چلنا ہے" ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ

(آپ مومنین سے فرمادیجیے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لیے پاکیزہ تر اور مفید تر ہے)

اور عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

(اے رسول آپ ایمان والی عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔)

جاننا چاہیے کہ دل آنکھ کے تابع ہے تا وقتیکہ آنکھ محرمات سے بند نہیں رکھی جائے گی دل کی محافظت مشکل ہے۔ جب آنکھ گرفتار ہوتی ہے دل کی محافظت دشوار ہو جاتی ہے اور جب دل گرفتار ہوتا ہے شرم گاہ کی محافظت سخت دشوار ہو جاتی ہے پس آنکھ کا محرمات سے بند رکھنا ضروری ہوا تاکہ محافظتِ شرم گاہ میسر آجائے اور خسارتِ دینی و دنیوی تک بات نہ پہونچے ____ قرآن مجید میں عورتوں کو اس بات سے منع فرمایا گیا ہے کہ وہ بیگانہ مردوں سے کلام نرم و ملائم، بدکار عورتوں کی طرح کریں اس طرح کہ وہ بدکار مردوں کو وہم بد میں مبتلا کر دیں اور ان کے دل میں بری طمع واقع ہو جائے ____ بلکہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ (غیر) مردوں سے (بوقتِ ضرورت) ایسے قولِ معروف و حسن کے ساتھ بولیں جس سے ان کو وہم و طمع نہ پیدا ہو ____ نیز قرآن مجید میں اس کی نہی آئی ہے کہ عورتیں اپنی زینت اور حسن کا مظاہرہ مردوں کے سامنے کریں۔ . . . . . . اور مردوں کو خواہش میں ڈال دیں اور قرآن مجید میں اس کی بھی نہی آئی ہے کہ وہ اپنے پاؤں (چلنے کے وقت) اس انداز سے زمین پر ماریں کہ اُن کی زینت پوشیدہ ظاہر ہو جائے مثلاً پازیب اور اس قسم کے زیور حرکت میں آجائیں اور اُن سے آواز نکلنے لگے، کیونکہ اس سے بھی مردوں کا میلان عورتوں کی طرف ہو جاتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو بات فسق و فجور تک پہونچانے والی ہے وہ ممنوع اور بُری ہے، اس کی احتیاط کی جائے کہ مقدمات و مبادیٔ محرمات کا بھی ارتکاب نہ ہونے پائے تاکہ نفس محرمات سے سلامتی میسر آجائے ____ اللہ تعالیٰ ہی ان کاموں سے بچانے والا ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ[۱] ____

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ حقِ نظر اور مسِ شہوت میں اجنبی عورت بھی دوسری عورت کے لیے اجنبی مرد کا حکم رکھتی ہے ____ جائز نہیں ہے کہ عورت اپنے آپ کو غیر شوہر کے لیے مُزیّن کرے اور سجائے وہ غیر شوہر خواہ مرد ہو یا عورت ہو ____ جس طرح مَردوں کو شہوت کے ساتھ امردوں (نابالغوں) کی طرف نظر کرنی اور شہوت کے ساتھ اُن کو چھُونا حرام ہے، اس نکتے کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا

---

[۱] اور نہیں ہے مجھے توفیق مگر اللہ کے ذریعہ سے اُسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

جائے اس لیے کہ یہ (عدم احتیاط) دنیا و آخرت کی زیاں کاری و بربادی کا کھلا ہوا راستہ ہے ـــــــــ مرد کا عورت تک پہونچنا تباینِ صنفیں (دو مختلف صنف ہونے) کی وجہ سے (ذرا) مشکل ہے اور (کچھ نہ کچھ) موانع درمیان میں ہوتے ہیں برخلاف عورت کے عورت کے پاس پہونچنے کے کہ وہاں اتحادِ صنف یعنی (ایک قسم ہونے) کی وجہ سے بہت آسانی ہے ـــــــــ یہاں بہت زیادہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے اور عورتوں کو عورتوں کے شہوت سے دیکھنے اور چھونے سے انداز بلیغ اور بلاغ مبین کے ساتھ اس سے بھی زیادہ منع کیا جائے جتنا کہ مردوں کو عورتوں کے اور عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے منع کیا جاتا ہے۔

چوتھی شرط ـــــــــ جو بیعت نساء میں ذکر فرمائی گئی ہے وہ قتلِ اولاد سے نہی ہے کیونکہ (ایام جاہلیت میں) عرب کی عورتیں اپنی لڑکیوں کو خوفِ فقر کی بنا پر مار ڈالتی تھیں ـــــــــ یہ بُرا عمل جس طرح قتلِ نفس بغیر حق کو شامل ہے اسی طرح قطع رحم کو بھی شامل ہے جو کہ بڑے گناہوں میں سے ہے۔

پانچویں شرط ـــــــــ جو بیعتِ نساء کے سلسلے میں بیان فرمائی گئی ہے وہ افترا، اور بہتان سے نہی ہے چونکہ یہ صفت عورتوں میں بہت ہوتی ہے اس لیے ان کو اس سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے ـــــــــ یہ صفت انتہائی مذموم صفت ہے اور اخلاق رذیلہ میں سے سب سے زیادہ رذیل عادت ہے ـــــــــ اس لیے کہ یہ صفت، جھوٹ کو شامل ہے اور جھوٹ تمام مذاہب میں حرام اور قبیح ہے ـــــــــ افترا و بہتان ایذائے مومن کو بھی متضمن ہے جس کے بارے میں بہتان گھڑا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ مومن کو ایذا پہونچانا حرام ہے اور اس افترا، و بہتان سے زمین کے اندر فساد بھی برپا ہوتا ہے اور فساد فی الارض بنصِ قرآنی ممنوع و حرام ہے ـــــــــ

چھٹی شرط ـــــــــ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے نہی ہے ہر اُس کام میں جس کا انھوں نے حکم فرمایا ہے اور یہ چھٹی شرط تمام اوامر کی تعمیل کرنے اور تمام نواہی سے باز رہنے کو متضمن ہے ـــــــــ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، ایمان کے بعد اسلام کے بنیادی رُکن ہیں (اور یہ بھی اسی شرط کے ضمن میں آجاتے ہیں۔)

نماز پنجگانہ کو بغیر سستی اور بغیر نقصان کے پورے اہتمام کے ساتھ ادا کیا جائے۔ (بشرطِ نصاب) زکوٰۃ کو رغبت اور جذبہ تشکر کے ساتھ اس کے مصارف میں ادا کرنا چاہیے۔ روزۂ رمضان ـــــــــ جو کہ سال بھر کے گناہوں کا مٹانے والا ہے اس کی بھی نگہداشت ضروری ہے (بشرطِ استطاعت،

حج بیت اللہ کو بھی جس کی شان میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (مقبول) حج ما قبل کے تمام (صغیرہ) گناہوں کا مٹانے والا ہوتا ہے ـــــ ادا کرنا چاہیے تاکہ اسلام کو قائم و برقرار رکھنا پایا جائے ـــــ اسی طرح ورع وتقویٰ کے بغیر بھی کوئی چارۂ کار نہیں ہے ـــــ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تقویٰ تمھارے نظامِ دین کو قائم رکھنے والا ہے اور تقویٰ نام ہے منہیات دممنوعاتِ شرعیہ کو ترک کرنے کا ـــــ تمام نشے والی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور اُن کو شراب کی مانند ہی حرام اور بُرا سمجھا جائے ـــــ گانے بجانے سے بھی اجتناب ضروری ہے کیونکہ یہ داخل لہو ولعب ہے اور لہو ولعب حرام ہے ـــــ حدیث میں آیا ہے کہ "گانا زنا کا منتر ہے" ـــــ غیبت کرنے اور چغلخوری سے بچنا لازم ہے یہ بھی ممنوع شرعی ہے ۔ نیز کسی کا مذاق بنانا اور کسی کو ناحق ایذا دینا جس صورت سے بھی ہو، منع ہے اس سے بھی پرہیز ضروری ہے ـــــ بدشگونی کو کوئی حیثیت نہ دیں اور اس میں کوئی تاثیر نہ جانیں اور یہ بھی عقیدہ نہ بنائیں کہ ایک کا مرض اُڑکر دوسرے کو لگ جاتا ہے اور مریض سے تندرست تک پہونچ جاتا ہے ـــــ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (بدشگونی اور تعدیۂ مرض) کے ماننے سے منع فرمایا ہے اور ان کا ارشاد ہے کہ "بدشگونی وبدفالی کوئی چیز نہیں ہے اور مرض کا متعدی ہونا بھی صحیح نہیں ہے" ـــــ یعنی شگونِ بد کی اصل ثابت نہیں ہے اور ایک کا مرض دوسرے کو لگ جانا مطلق متحقق نہیں ہے ـــــ کاہن اور نجومی کی باتوں کو سچا نہ جانیں، غیبی اُمور اُن سے نہ دریافت کریں اور اُن کو اُمور غیبیہ کا عالم نہ سمجھیں شریعت میں اس بارے میں بہت زیادہ ممانعت آئی ہے ـــــ جادو نہ کریں اور جادوگری کو بروئے کار نہ لائیں اس لیے کہ یہ حرام قطعی ہے اور اس کو کفر میں پورا پورا دخل حاصل ہے ـــــ کوئی کبیرہ گناہ جادو اور جادوگری کے مقابلے میں کفر سے نزدیک تر نہیں ہے ـــــ احتیاط کرنی چاہیے کہ جادو کا کوئی دقیقہ بھی عمل میں نہ آنے پائے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ "جب تک ایک مسلمان (اپنے اندر) ایمان واسلام رکھتا ہے جادو اس سے وجود میں نہیں آتا ہے اور جب نعوذ باللہ اس سے ایمان جدا ہوجاتا ہے تو پھر جادو اس سے ثابت ومتحقق ہوتا ہے" بس گویا کہ جادو اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے ـــــ اس نکتے کو اچھی طرح پیشِ نظر رکھا جائے تاکہ کارخانۂ اسلام میں کوئی خلل نہ پڑنے پائے اور اس عملِ جادو کی نحوست

سے کہیں اسلام ہاتھ سے نہ نکل جائے ——— حاصلِ کلام یہ ہے کہ جو کچھ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور علماء نے کتبِ شرعیہ میں بیان فرمایا ہے جان و دل کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے اور اس کے خلاف کو ایسا زہرِ قاتل تصور کیا جائے جو موتِ ابدی تک پہونچاتا ہے اور عذابہائے گوناگوں میں مبتلا کر دیتا ہے ——— جب بیعت ہونے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرائط کے زبانی اقرار سے ہی ان عورتوں کو بیعت فرما لیا اور بحکم حق تعالیٰ عورتوں کی اس جماعت کے لیے طلبِ مغفرت فرمائی ——— جو طلبِ مغفرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بحکمِ حق تعالیٰ وقوع میں آئی ہو اُس کے متعلق پوری پوری اُمید ہے کہ درجۂ اجابت و مقبولیت کو پہونچے گی اور عورتوں کی وہ جماعت مغفور ہو گی ——— ہندؓ زوجہ ابو سفیانؓ بھی اس بیعت میں داخل تھیں بلکہ ان تمام عورتوں کی وہی سرگروہ اور سردار تھیں اُن کے حق میں بھی اِس بیعت اور اس استغفار سے اُمیدواریٔ عظیم ہے ——— پس عورتوں میں سے (قیامت تک) جو بھی ان شرائط کو قبول کر کے اِن کے مطابق عمل کرے گی وہ اسی بیعت (کے حکم) میں داخل ہو گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والے استغفار کے برکات کی اُمیدوار ہو جائے گی ——— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ——— یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کا شکر ادا کرتے رہو اور ایمان لے آؤ ——— شکر کے ادا کرنے سے مُراد یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کو قبول کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ طریق نجات اور چھٹکارے کا راستہ اعتقاد و عمل میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے اندر ہے ——— اُستاد و پیر کو اسی لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ شریعت کا راستہ بتائیں اور ان کی برکت سے اعتقاد و عمل بشریعت میں آسانی و سہولت ہو جائے ——— یہ نہیں ہے کہ مُرید جو جی چاہے کریں اور جو من چاہے کھائیں اور پیر ان کے لیے ڈھال بن جائیں گے اور عذاب سے محفوظ رکھیں گے ——— کیونکہ یہ بات محض تنا ہی تنا ہے وہاں کوئی بھی بغیر اجازت شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک کوئی پسندیدۂ حق نہ ہو گا کوئی شفیع اس کی شفاعت نہ کرے گا ——— پسندیدۂ حق اُس وقت ہو گا جب کہ بمقتضائے شریعت عمل کرنے والا ہو گا ——— البتہ بوجب بشریت اگر کوئی لغزش اُس سے سرزد ہو جائے تو شفاعت کے ذریعے اُس کا تدارک ممکن ہے...... واللہ سبحانہ الموفق ——— اے

ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمائیے اور ہمارے لیے کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجیے" ——— (والسلام)

مکتوب (۴۲) خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کے نام

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ——— واضح ہو کہ تم نے جو مکتوب مُلّا فتح اللہ کے ہاتھ بھیجا تھا ملا ——— چونکہ وہ مکتوب محبت و اخلاص اور حرارت و اشتیاق کے مضامین پر مشتمل تھا اس لیے اس نے فرحت بخشی ——— تمہارے مکتوب کے مطالعے کے وقت تمہاری نورانیت کی فراخی و وسعت اُن اطراف (تمہارے علاقے) میں بہت زیادہ نظر آئی اور اس چیز نے بہت کچھ امداد کیا ——— اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں ——— اور زیادہ کیا لکھوں محبت اطوارا! یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سیادت مآب میر محمد نعمان نے (مجھ سے) جو خط و کتابت ترک کر دی اس کا باعث کیا ہے؟ اگر ان کو یہ وہم ہے کہ میں ان سے کچھ ناراض ہو گیا ہوں تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے وہ میری طرف سے انتہائی صفائی قلب تصور کریں ——— فقیر تو میر محمد نعمان کی مجمد اشت کی بہت فکر اور سعی کرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو طالبان حق کے کام میں (ان کے اندر) کوئی سُستی آجائے ...

... دو ماہ کے قریب ہوئے کہ فقیر کو ضعف عارض ہو گیا ہے ——— مکتوب سابق میں جو سوالات تم نے کیے تھے فقیر اُن کے جوابات کی تحریر سے عاجز ہے، اگر صحت ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ جوابات لکھوں گا ورنہ دوستوں سے التماس دعا و فاتحہ ہے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل۔ والسّلام علیکم وعلیٰ سائر اھل اللہ ——— فرزندانِ گرامی کو دُعا۔

مکتوب (۴۳) خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصومؒ کے نام

[سلطان وقت (جہانگیر) کی محفل میں دینی مذاکرات کا بیان]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— اس طرف کے احوال و اوضاع لائق حمد ہیں عجیب و غریب صحبتیں حاصل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امور دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کے اظہار و بیان میں بال برابر بھی سستی اور مداہنت داخل نہیں ہوتی ہے۔ جس طرح اپنی خلوتوں اور خاص مجلسوں میں بیان کیا کرتا تھا اللہ کی توفیق سے بالکل اسی طرح

سلطانی مجلسوں میں بھی بیان کرتا ہوں اگر ایک مجلس کی بھی روئداد لکھی جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ خصوصاً آج کی رات جو، ارمضان مبارک کی رات ہے حسب ذیل مضامین وعنوانات پر خوب گفتگو کی گئی۔

بعثتِ انبیاء علیہم السلام، عدم استقلالِ عقل، ایمان بہ آخرت، ثواب آخرت، اثباتِ دیدار حق بروز قیامت، خاتمیتِ نبوتِ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم، مجددِ ہر صدی، اقتداء خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، سنت تراویح، بطلانِ تناسخ، احوالِ جن وجنیان، اوران کے لیے عذاب وثواب وغیرہ وغیرہ ـــــ بادشاہ نے بڑے غور سے تمام مضامین سُنے۔ اسی کے ضمن میں اقطاب ابدال اور اوتاد کے احوال اوران کی خصوصیات کا بھی تذکرہ ہوا ـــــ الحمد للہ کہ سلطانِ وقت (کا مزاج) ٹھیک حالت پر ہے اور کسی قسم کا تغیر (جو دینی باتوں سے بے تعلقی پر دلالت کرے) ان کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتا ہے ـــــ ان پیش آمدہ واقعات اوران ملاقاتوں میں خالق اللہ تعالیٰ کی کچھ مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے ہم کو اس جانب ہدایت کی۔ اور ہم راہ یاب نہ ہوتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو راہ یاب نہ کرتا بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے)۔

دوسری بات یہ قابل تحریر ہے کہ میں نے حفظ قرآن کو سورۂ عنکبوت تک پہونچایا ہے۔ جب مجلس سلطانی سے واپس آتا ہوں تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ حفظ قرآن کی یہ دولتِ عظمیٰ ان اوقاتِ فرصت میں جو کہ اوقاتِ جمعیت قلب ہیں ـــــ حاصل ہو گئی ـــــ الحمد للہ اولاً و آخراً ـــــ

مکتوب (۴۴) میر عبد الرحمٰن ولد میر محمد نعمان کے نام

[قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کے رد میں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ منکرینِ رویتِ باری تعالیٰ، مسئلہ دیدار پر جو اعتراض کرتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو دلیل وہ نفی دیدار کے سلسلے میں لاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان ظاہری

آنکھوں سے دیکھنا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ دیکھنے والے اور دیکھی چیز میں محاذات و مقابلہ ہو — اور یہ بات واجب تعالٰی کے حق میں مفقود اور غیر موجود ہے اس لیے کہ اس سے جہت و سمت لازم آتی ہے جو احاطہ و تحدید تک پہونچانے والی ہے اور اس احاطہ و تحدید سے نقص لازم آتا ہے جو منافی الوہیت ہے — اللہ تعالیٰ کی شان احاطہ و تحدید سے بہت اونچی ہے"

جواب، اس اعتراض و دلیل کا یہ ہے کہ جو قادر مطلق اس دنیائے ضعیف و فانی میں آنکھوں کو جو محض دو خولدار بے حس و حرکت پٹھے ہیں۔ یہ قدرت دیدیتا ہے کہ بشرطِ مقابلہ و محاذات وہ احساس و دیدارِ اشیاء کرلیتی ہیں وہی قادر مطلق ایسا کیوں نہیں کرسکتا کہ عالم آخرت میں جو کہ قوی و باقی ہے۔ انھیں آنکھوں کو یہ قوت عطا فرمادے کہ وہ بے شرطِ مقابلہ و محاذات کسی چیز کو دیکھ سکیں خواہ وہ چیز جہت میں ہو یا بے جہت ہو — آخر اس مسئلہ رویت کو بعید سمجھنے کی وجہ کیا ہے ؟ اور اس کو محال کیوں سمجھا جارہا ہے ؟ درا غالیکہ فاعل جل سلطانہٗ قدرت و توانائی کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہے اور قابل (یعنی آنکھ جو اثرِ فاعل کو قبول کرنے والی ہے) میں احساس (اور دیکھنے کی) استعداد موجود ہے، — زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض زمان اور بعض مکان (یعنی دنیا میں بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر آنکھوں کے دیکھنے کے لیے شرطِ محاذات و تعیینِ جہت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور بعض مکان اور بعض زمان (یعنی عالم آخرت) میں اس شرط کا اعتبار نہیں فرمایا گیا ہے بغیر اس شرط کے ہی رویتِ بصر کو برقرار رکھا ہے — ایک مقام کو دوسرے مقام پر قیاس کرنا — حالانکہ دونوں مقاموں میں بہت زیادہ اختلاف ہے — انصاف سے دور ہے — نیز اپنی نظر کو کشوفاتِ عالم ظاہری تک محدود رکھنا اور خالقِ زمین و آسمان کے عالم ملکوت سے انکار کرنا ہے — سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ (قیامت میں ان ظاہری آنکھوں سے) دکھائی دیں گے تو اس صورت میں ان کا ہماری بصر سے احاطہ کیا ہوا اور ادراک کیا ہوا ہونا لازم آئے گا۔ یہ بات مستلزم حدو نہایت ہے اور حدو نہایت سے اللہ تعالیٰ ورار الورا ہے — جواب یہ ہے کہ جائز و ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دکھائی تو دے اور وہ نظر کا احاطہ کیا ہوا اور ادراک کیا ہوا نہ ہو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) "اللہ کا نظریں احاطہ و ادراک نہیں کرسکتیں البتہ وہ نظروں کا احاطہ و ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے" — مومنین آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھیں گے

اور یقین وجدانی سے یہ محسوس کریں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو دیدار پر مرتب ہوتی ہے اس لذت کو بھی انتہائی درجے میں اپنے اندر محسوس کریں گے لیکن جس ذات کو وہ دیکھ رہے ہیں اُس کا احاطہ وادراک نہ کر سکیں گے ـــــ اس ذات کا پورا پورا حصول نہ ہو سکے گا اور سوائے وجدانِ رویت اور لذتِ دیدار کے مرئی (دیکھی ہوئی شے) سے کوئی چیز ان کے لیے نقدِ وقت نہ ہوگی۔

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں   کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را[1]

(اس) رویت میں جو کمی متصور ہے وہ بس ذات کے احاطہ وادراک کی ہے کہ وہاں احاطہ وادراک نہ ہوگا لیکن محض ثبوتِ رویت بے جہت میں اور اس لذت میں جو دیکھنے والے کو اس ذاتِ اقدس کے دیکھنے سے حاصل ہوگی ـــــ کوئی کمی اور نقصان نہیں ہے بلکہ یہ تو اس ذاتِ عالی کا کمالِ انعام و احسان ہے کہ وہ اپنے جمالِ پُر کمال کو سوختگانِ آتشِ محبت کے سامنے جلوہ گر فرمائے اور شربتِ وصالِ دیدار سے ان کو لذت یاب اور سیراب کرے ـــــ اس سے کوئی بھی نقص جنابِ قدس کی طرف عائد نہیں ہوتا اور کوئی جہت وا حاطہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے

ازاں طرف نپذیرد کمالِ او نقصان   وزیں طرف شرفِ روزگارِ ما باشد[2]

یا ہم یہ کہیں کہ مقابلہ ومحاذات اگر حصولِ رویت میں شرط ہے تو چاہیے کہ جس طرح دیکھی ہوئی چیز میں شرط ہے دیکھنے والے کے لیے بھی شرط ہو اس لیے کہ مقابلہ تو ایک ایسی نسبت ہے جو دیکھی ہوئی چیز اور دیکھنے والے دونوں میں قائم ہے ـــــ پس اس بات سے یہ لازم آیا کہ حضرتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ بھی اشیاء کو نہ دیکھیں اور ان کے لیے بھی رویتِ اشیاء کی صفت ثابت نہ ہو حالانکہ یہ بات مخالفِ نصوصِ قرآنی ہے ـــــ نیز مستلزم نقص ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کاملہ کی نفی کرنا ہے ـــــ قرآن میں ہے ـــــ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس کو دیکھنے والا ہے) وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ (عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھے گا) .... حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ (منکرین رویت کو)

---

[1] عنقا کسی سے شکار نہیں ہوتا ہے اپنے جال کو اٹھا کر رکھ کہ اس جگہ جال کے لیے سوائے ہوا کے اور کچھ حاصل نہیں ہے۔

[2] (دیدار سے) اس جانب تو کمال میں کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا اور اس جانب یعنی ہمارے لیے باعث شرف ہوتا ہے

انصاف کی توفیق دیں کہ وہ اپنے توہمات وتخیلاتِ فاسدہ کی بنا پر نصوصِ قرآنی کا انکار اور احادیث صحاحِ نبویؐ کی تکذیب نہ کریں اس قسم کے احکام پر ایمان لانا اور ان احکام کی کیفیت کو علمِ حق تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے ادراکِ کیفیت کے قصور کو اپنی طرف راجع وعائد کرنا چاہیے یہ نہ ہو کہ اپنے ادراک کو مقتدیٰ بنا کر احکام کی نفی کی جائے ـــــ ایسا کرنا سلامتی وصواب سے بعید ہے ـــــ ہوسکتا ہے کہ بہت سی چیزیں حقیقت میں صادق ہوں اور ہماری عقول ناقصہ کے ادراک سے بعید بھی جائیں ـــــ اگر محض عقل، کافی ہوتی تو شیخ بوعلی سینا شخص جو کہ مقتدائے ارباب معقول ہے تمام احکامِ عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا حالانکہ "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" (واحد سے ایک چیز سے زیادہ صادر نہیں ہوتی) اس قول اور اس مسئلے میں بوعلی سینا نے اس قدر غلطی کی ہے کہ ناظرِ منصف پر تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ بوعلی سینا کے اس قول پر امام فخر الدین رازیؒ نے سخت اعتراض کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ ـــــ "تعجب ہے اس شخص پر جس نے اپنی تمام عمر اس علم (منطق) کی تعلیم وتعلم میں ضائع کی جس علم کو خطا فی الفکر سے بچانے کا آلہ کہا جاتا ہے ـــــ پھر جب وہ شخص مطلب اشرف واعلیٰ کی طرف متوجہ ہوا تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہوئیں جن پر بچے بھی ہنسیں ـــــ علماء اہلِ سنت جمیع امور شرعیہ کو قبول کرتے اور مانتے ہیں چاہے وہ عقل میں آئیں یا نہ آئیں ـــــ ایسا نہیں کرتے کہ امور کی کیفیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نفی کر دیں ـــــ عذابِ قبر، سوالِ منکر ونکیر، پل صراط، میزانِ عمل اور ان جیسے بہت سے امور میں جن کے ادراک سے عقولِ ناقصہ عاجز ہیں علماء اہل سنت نے اپنا مقتدیٰ، کتاب وسنت کو بنا کر عقول کو کتاب کا تابع کیا ہے۔ اگر عقلیں ادراک کر سکیں تو اچھی بات ہے ورنہ وہ احکامِ شرعیہ کو قبول کرتے ہوئے اپنے عدمِ ادراک کو اپنے قصورِ فہم پر محمول کرتے ہیں ـــــ دوسروں کی طرح یہ نہیں کہ جس چیز کو ان کی عقلیں قبول کریں اور معلوم کر لیں اس چیز کو تو وہ قبول کر لیں اور جو چیز ان کی عقلوں کی دسترس سے باہر ہو اس کو قبول ہی نہ کریں۔ ان (عقل پرستوں) کو شاید معلوم نہیں کہ بعثتِ انبیاءؑ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ عقلیں بعض بلند حقائق کے سمجھنے سے قاصر ہیں ـــــ عقل اگرچہ حجت ہے مگر حجت کاملہ نہیں ہے ـــــ حجت کاملہ بعثتِ انبیاء سے مکمل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ

رَسُولًا (ہم نہیں ہیں عذاب دینے والے یہاں تک کہ بھیجیں ہم رسول کو...... اس ذاتِ بیچون و بے چگونہ کا دیدار بھی بیچون و بے چگونہ ہے اس لیے کہ چون و چرا کا اس ذاتِ بیچوں کے معاملے میں کوئی راستہ نہیں ہے...... اس دیدارِ بیچوں کو مخلوق کی رویت پر جس کا تعلق دنیا کی چیزوں سے ہے — قیاس کرنا نامناسب اور انصاف سے دور ہے واللہ سبحانہٗ الموفق للصواب۔

مکتوب (۴۵) مولانا سلطان سرہندی کے نام

[قلب مومن کی بلندئ مقام اور اس کو ایذا دینے کی ممانعت کے بیان میں]

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہٖ محمد واٰلہٖ اجمعین —

بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ قلب، ہمسایۂ حق سبحانہ ہے اور قلب کی مانند کوئی چیز جناب قدس سے نزدیک تر نہیں ہے۔ پس قلب کے ستانے سے مطلقاً پرہیز کرو خواہ کوئی بھی ہو مطیع ہو یا عاصی، اس لیے کہ ہمسایہ کی حمایت و حفاظت کی جاتی ہے اگرچہ وہ عاصی کیوں نہ ہو — پس ایذائے قلب سے ڈرو اور بہت ڈرو کیونکہ کفر کے بعد جو کہ باعثِ آزارِ حق تعالےٰ ہے — کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو قلب کو تکلیف پہونچانے سے زیادہ ہو اس لیے کہ قلب ایک ایسی قریب ترین شے ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ سے واصل ہوتے ہیں — تمام مخلوق بندگانِ خدا میں شامل ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی غلام کو مارنا اور اس کی توہین کرنا اس کے آقا کی ایذا کا سبب ہے پس خیال کرنا چاہیے اس آقائے حقیقی کی عظمتِ شان کا جو مالک علی الاطلاق ہے اور اس کا لحاظ کرکے اس کی مخلوق میں تصرف نہ کرے مگر اسی قدر جس کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اتنا تصرف، داخلِ ایذا نہیں ہے بلکہ بجا آوریٔ حکم ہے — جیسا کہ بے شادی شدہ زانی کہ اس کی سزا اسّو کوڑے ہیں پس اگر کوئی شخص ان اسّو پر زیادتی کرے گا تو یہ فعل، ظلم اور داخلِ ایذا ہو جائے گا۔ نیز جاننا چاہیے کہ قلب، مخلوقات میں افضل و اشرف ہے اور جس طرح انسان مخلوقات میں افضل ہے اپنی اجمالیت اور شمولیت کی بنا پر کہ عالم کبیر میں جو کچھ موجود ہے وہ اس کے اندر موجود ہے اسی طرح قلب بھی اپنے کمالِ عدم ترکیب اور اجمالیت و شمولیت میں افضل ہے یعنی انسان میں جو خصوصیت ہے وہ قلب میں بھی موجود ہے اور جب کوئی شے از روئے اجمال قوی تر ہو اور از روئے جمعیت و شمولیت کثیر تر

ہو تو وہ جناب قدس تعالیٰ سے قریب تر ہوتی ہے ــــــ ....

مکتوب (۴۷) سلطان وقت (جہانگیر بادشاہ) کے نام

[اسرار دعا اور مدحت علماء وصلحاء]

کمترین دُعاگویاں احمد عرض کرتا ہے اور اپنی شکستگی و نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے اس نعمتِ امن و امان کا شکر ادا کرتا ہے جو آپ کی بدولت عوام و خواص کو حاصل ہے۔ نیز ان اوقات میں جن میں دعا کی قبولیت کا گمان ہے اور اجتماع فقراء کے موقع پر آپ کے لشکرِ ظفر پیکر کے لیے فتح و نصرت کی دعا کرتا ہے اس لیے کہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

(ہر ایک کو کسی نہ کسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے) کارخانۂ خداوندی میں کسی چیز کا عبث ولغو ہونا محال ہے ــــ جو کام لشکرِ غزاۃ و جہاد سے وابستہ ہے وہ پایۂ دولتِ قاہرۂ سلطنت کی تقویت و تائید ہے کیونکہ اسی سے شریعتِ روشن کی ترویج و اشاعت متعلق ہے ...... اور یہی کارِ جلیل الاعتبار اس لشکرِ دعا سے بھی تعلق رکھتا ہے جو اربابِ فقر اور اصحابِ مصیبت و بلا کا لشکر ہے ــــ فتح و نصرت دو قسم کی ہے ــــ ایک قسم وہ ہے جو اسباب سے مربوط کی گئی ہے اور صورتِ فتح و نصرت ہے اس کا تعلق لشکرِ غزاۃ و جہاد سے ہے۔ دوسری قسم، حقیقتِ فتح و نصرت ہے جو مسبب الاسباب کے پاس سے آتی ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (نہیں ہے نصرت و مدد مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے) یہ آیت اسی (دوسری قسم) کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور اس کا تعلق فقط لشکرِ دعا سے ہے ــــ لشکرِ دعا اپنی عاجزی و انکساری کی بنا پر لشکرِ غزاۃ سے سبقت لے گیا ہے اور اس نے سبب سے مُسبّب کی طرف رہنمائی کی ہے۔ ؎

بُردند شکستگاں ازیں میداں گوئے

(شکستہ دل اور ٹوٹے پھوٹے حال والے ہی اس میدان میں سبقت لے گئے) نیز دُعا ردِّ قضا کرتی ہے۔ چنانچہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ ــــ یعنی قضا کو دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں رد کر سکتی ــــ سیف و جہاد میں یہ قوت نہیں ہے کہ ردِّ قضا کرے ــــ پس لشکرِ دعا، ضعف و شکستگی کے باوجود لشکرِ غزاۃ سے زیادہ قوی ہے نیز لشکرِ دُعا

لشکرِ غزا کے لیے مانند روح ہے اور لشکرِ غزا، لشکرِ دعا کا جسم و قالب ہے پس لشکرِ غزا کو لشکرِ دعا کے بغیر چارۂ کار نہیں کیونکہ جسم بے روح قابلِ تائید و نصرت نہیں ہوا کرتا —— اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ فقرائے مہاجرین کے توسل سے فتح و نصرت طلب فرمایا کرتے تھے حالانکہ لشکرِ غزا موجود تھا اور محاربین و مجاہدین کو غلبہ بھی حاصل تھا —— پس فقراء جو کہ لشکرِ دعا میں کسی دن کام آجاتے ہیں باوجود اپنی خواری وزاری اور بے اعتباری کے کہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین (بعض اوقات مفلسی و کم مائیگی دونوں جہان کی روسیاہی کا باعث بھی ہو جاتی ہے) اس جملے کو اُن کے بارے میں کہا گیا ہے —— اور وہ اس بے اعتباری کے ہوتے اعتبار پیدا کر لیتے ہیں اور سب سے آگے ہو جاتے ہیں —— مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خونِ شہدار کو علمار کی روشنائی کے ساتھ وزن کریں گے۔ علمار کی روشنائی کا پلہ جھک جائے گا۔ سبحان اللہ یہ سیاہی اور سیاہ روی ان کے لیے باعثِ عزت و سرخروئی بن گئی اور اس نے ان کے درجے کو پستی سے بلندی تک پہونچا دیا۔ ؎

بتاریکی درون آب حیاتست

(آب حیات تاریکی کے اندر ہے) ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

غلامِ خویشتنم خواند لالہ رخسارے
سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے[1]

ہر چند یہ کمترین اس قابل نہیں ہے کہ اپنے آپ کو لشکرِ دعا کے افراد میں شمار کرے لیکن محض اسمِ فقر اور احتمالِ اجابتِ دعا کی بنا پر خود کو دعائے دولتِ قاہرہ سے فارغ نہیں رکھتا۔ اور زبانِ حال و قال سے دعائے سلامتی کے ساتھ تر زبان رہتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

مکتوب (۴۹) خواجہ میر محمد نعمان کے نام

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بندوں کو آ نفس کا

---

[1] ایک لالہ رخسار (محبوب) نے مجھے اپنا غلام کہا آخر کار میری سیاہی رخ نے میرا کام بنا دیا

(اپنی ذات کا) علم حضوری ہوتا ہے اور آفاق کا (باہر کی چیزوں کا) حصولی، اور جب کامل المعرفت عارف حق تعالیٰ کی اقربیت (نہایت قرب) کے خاص الخاص مقام تک پہونچ جاتا ہے تو اس کے لیے اپنا نفس آفاق کے حکم میں ہو جاتا ہے پھر اس کا اپنے نفس کا علم، بجائے حضوری کے حصولی ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی اقربیت اس کے لیے خود اپنے نفس کے حکم میں ہو جاتی ہے اور وہ علم حضوری جو پہلے اپنے نفس سے متعلق تھا اس سے متعلق ہو جاتا ہے ــــ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود کو عین واجب محسوس کرنے لگتا ہے اور جو علم حضوری اس کے نفس سے متعلق تھا وہ بعینہٖ متعلق بحق تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ (ایسا ہرگز نہیں) حق تعالیٰ اس سے وراء الوراء اور بالاتر ہے ــــ یہ بذات خود توحید کا ایک حال اور مقام ہے اور اس کا تعلق مقامات قرب سے ہے کیونکہ "نہایت قرب" بھی ایک طرح کا اتحاد ہے یہ مقام اقربیت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ دوسرا ہے۔ اتحاد کے مقام سے آگے گزر جانا چاہیے اور اثنینیت (دوئی) کے مقام پر آجانا چاہیے تاکہ "اقربیت" مقصود ہو سکے کسی کوتاہ فہم کو یہاں اثنینیت (دوئی) کے لفظ سے خواہ مخواہ کا وہم نہ ہو اور وہ اس کو "اتحاد و یگانگت" کے مقام سے نیچے کے درجہ کی چیز نہ سمجھ بیٹھے۔ اصل بات یہ ہے کہ اثنینیت کا وہ مقام جو مقام اتحاد سے نیچے کے درجہ کا ہے وہ تو بیچارے عوام کالانعام کا مقام ہے۔ اور یہ خاص مقام اثنینیت (جس میں یہاں کلام ہو رہا ہے) مقام اتحاد سے ہزاروں درجہ بالاتر ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے ــــ اور یہ بات بالکل ایسی ہے کہ صحو جو سکر سے پہلے ہوتا ہے وہ عوام کا حال ہے اور جو سکر کے بعد آتا ہے وہ خواص بلکہ اخص الخواص کا مقام ہے اسی طرح اسلام جو "کفر طریقت" سے پہلے ہوتا ہے وہ عوام مسلمین کا اسلام ہے اور جو درجہ اسلام کا "کفر طریقت" کے بعد نصیب ہوتا ہے وہ خواص بلکہ اخص الخواص کا اسلام ہے۔

بہرحال عجیب معاملہ ہے کہ (اس مقام اقربیت میں) عارف اگرچہ اپنے کو عین واجب تعالیٰ نہیں جانتا لیکن علم حضوری جو اس کے اپنے نفس سے متعلق تھا وہ واجب تعالیٰ سے متعلق ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کا علم حضوری علم حصولی بن جاتا ہے (اور گویا اپنا نفس اس کے لیے غیر اور باہر کی چیز ہو جاتی ہے) ع[1]

در عشق چنیں بوالعجبیہا باشد

[1] عشق میں ایسے ہی عجیب و غریب واردات آتے ہیں۔

ہماری عقل ان دقیق حقیقتوں کا سُراغ بھی نہیں پاتی اور نارسائی سے اس قسم کی باتوں کو جمع ضدین قرار دیتی ہے اور حقیقت شناس عارف کہتا ہے کہ "عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الاضداد" (میں نے تو اس جمع اضداد ہی سے اپنے رب کو پہچانا ہے)

رَبَّنَا اٰتِنَا مِن لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔۔۔۔۔۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مکتوب (۵۴) خان جہاں کے نام

[اتباعِ شریعت اور سرکوبی اعدائے دین کے بیان میں]

حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرماکر سلامت اور معزز و محترم رکھے۔

گوئے توفیق و سعادت در میان افگندہ اند
کس بمیدان در نمی آید سواراں راچہ شد[۱]

دنیائے فانی کے تلذذات اور تنعمات اُس وقت خوش گوار اور قابل ہضم ہوتے ہیں جبکہ اُن کے ضمن میں شریعتِ منورہ کے تقاضوں پر بھی عمل ہو اور آخرت کو بھی اُن کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہو۔ ورنہ یہ دنیا کی لذتیں شکر میں ملے ہوئے اُس زہر قاتل کا حکم رکھتی ہیں جس سے کسی بیوقوف کو (بآسانی) فریب دیا جا سکے۔ اگر اس زہر کا علاج، حکیم مطلق جلّ شانہٗ، کے تریاق سے نہ کیا جائے اور اس (زہریلی) شیرینی کی تلافی، اوامر و نواہی شرعیہ کی تلخی سے نہ کی جائے تو بڑے خسارے اور بڑے افسوس کی بات ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بموافقِ شریعت ۔۔۔۔۔ جس کا دارو مدار سہولت پر ہے تھوڑی سی جدو جہد سے مُلکِ ابدی حاصل ہوتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور بے پرواہی سے یہ دولتِ جاودانی ہاتھ سے نکل جاتی ہے ۔۔۔۔۔ عقلِ دوراندیش کو کام میں لایا جائے اور (نادان) بچوں کی طرح معمولی چیزوں کو (اس دولتِ جاودانی کا) بدل اور عوض نہ ٹھہرایا جائے ۔۔۔۔۔ یہی ڈیوٹی، جو آپ سے متعلق ہے اگر اس کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ادائیگی کے ساتھ ملالیں تو

---

[۱] توفیق و سعادت کی گیند قضا و قدر نے میدان میں پھینکدی ہے۔ شہسواروں کو کیا ہوگیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی میدان میں نہیں آتا (اور توفیق و سعادت کو حاصل نہیں کرتا)

کار انبیاء انجام دیں گے اور دین متین کو منور و معمور کردیں گے ہم فقیر اگر سالہا سال جان کھپائیں تب بھی اس عمل میں آپ جیسے شاہبازوں کی گرد کو نہ پہونچ سکیں گے۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

اے اللہ تو ہم کو توفیق دے اس کام کی جس کو تو پسند کرتا ہے اور جس سے تو راضی ہوتا ہے۔ . . .

مکتوب (۵۵) ممریز خاں افغان کے نام

[فقر سے غنا کی طرف متوجہ ہونے کی مذمت میں]

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ___ برادرم میاں ممریز خاں، فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر اغنیا کے پاس اپنی التجا لے گئے اور تلذذات و تنعمات سے ساز باز کرلی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ___ انھوں نے اس سلسلے میں اچھی طرح غور نہیں کیا ہے اگر وہ صحبت اغنیاء میں رہ کر بہت ترقی کریں گے تو ہزاری ہو جائیں گے۔ راجہ مان سنگھ سے اونچے نہیں ہوسکتے جو کہ پنجہزاری یا ہفت ہزاری منصب رکھتا تھا ___ اور بالفرض تم مان سنگھ والے منصب پر بھی پہونچ گئے تو سوچو اور غور کرو تم نے کیا کارِ نمایاں انجام دیا اور کون سی بزرگی حاصل کرلی؟ ___ کیا فقیری کی حالت میں روٹی نہیں ملتی تھی؟ ___ اب (زیادہ سے زیادہ) یہ ہو گیا کہ گھی سے تر کی ہوئی روٹی کھا رہے ہو۔ وہ حالت بھی گذر گئی، یہ حالت بھی گذر جائے گی لیکن تصور تو کرو کہ کیا چیز تمھارے ہاتھ سے نکل گئی اور برابر نکلتی جارہی ہے اور تم پہلے سے زیادہ مفلس ہو رہے ہو ___ جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت و ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا ہے ___ اب جبکہ تم اس حالت میں مبتلا ہو ہی گئے ہو تو اس امر کی کوشش کرو کہ طریق استقامت اور التزام شریعت کا دامن تمھارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور شغل باطن میں بھی کوئی خلل نہ واقع ہو ___ ہر چند دنیا کے ساتھ اس بات کا جمع کرنا مشکل ہے اس لیے کہ یہ تو ضدین کا جمع کرنا ہے ___ بس اتنا ہے کہ یہ وضع اور حالت جو تم نے اختیار کرلی ہے اور یہ کار خدمت جس کی جانب تم اب متوجہ ہو اگر اس میں تصحیح نیت کرلی جائے گی تو داخل جہاد ہو کر عمل نیک بن جائے گا ___ لیکن تصحیح نیت ہے

مشکل کام — آج تو تمھارے سپرد یہ خدمت ہے جو فی الجملہ اچھی ہے کل کو شاید کوئی اور ڈیوٹی لگا دی جائے جو عینِ وبال ہو — خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مشکل کام ہے ہشیار رہیں — خبر کرنا شرط ہے — والسّلام —

مکتوب (۱۰۵) حضرت خواجہ عبداللہؒ خلف حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور خواجہ جمال الدین حسینؒ خلف خواجہ حُسام الدین احمد دہلویؒ کے نام

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰے — میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے کانوں کی مسرت! یعنی خواجہ عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین دونوں اطمینان صوری ومعنوی سے ہم آغوش اور آراستہ رہیں۔ تم دونوں نے عجیب تغافل اور نامہربانی کا معاملہ اختیار کر رکھا ہے باوجود پڑوس میں رہنے کے سرہند نہیں پہونچے اور اس غریب کا حال دریافت نہیں کیا نیز حقوقِ آشنائی بجا نلائے — خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کروں وہ تو تم دونوں سے زیادہ دوستی کے معاملے میں دور ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ وہ ہماری دوستی سے ہراساں ہیں — میر منصور بیگ کے متعلق کیا کہوں کہ وہ ہمیشہ آرزوئے ملاقات کرتے رہتے ہیں اور وہ آرزو قوت سے فعل میں نہیں آتی — فقہائے عظام کا قول ہے کہ "جو شخص خود اپنے ضرر پر راضی ہو وہ شفقت وترحم کا مستحق نہیں ہوتا" — لشکر شاہی ہر چند ایک دریائے ظلمات ہے مگر آبِ حیات بھی اُسی کے اندر ہے — اس جگہ اللہ تعالےٰ کی عنایت سے گو بطریق نُدرت ہی سہی مگر وہ گوہر (حالِ ارفع) ہاتھ آتا ہے کہ دوسری جگہوں میں اگر اس گوہر کی صورت ہی میسر آجائے تو غنیمت ہے — جس سپاہی نے بھی اپنی قیمت پیدا کی ہے غلبۂ اعداء کے وقت ہی کی ہے — ہر چند کہ گوشے میں سلامتی ہے، لیکن دولتِ غزا وشہادت تو میدان میں ہے کُنجِ وزاویہ عورتوں اور ضعیفوں کے لیے مناسب ہے — حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن قوی مومن ضعیف سے بہتر ہے — قوی اور طاقتور مردوں کا کام جنگ اور معرکۂ کُبریٰ ہے — قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا ۔ (کہہ دیجیے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کرتا ہے پس تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے اُس شخص کو جو زیادہ راہ یاب ہے) رخصت کی مدّت ختم ہو جانے کے بعد جب میں لشکرِ شاہی کی طرف متوجہ ہوا

تو فرزندی محمد سعید کو بضرورت برکان پر چھوڑ گیا ــــ جب میں نے اُن فیوض و برکات اور علوم و معارف کو دیکھا جو محمد سعید کی مفارقت کے بعد ظہور میں آئے تو میں ان کو ساتھ نہ رکھنے پر پچھتایا اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر اُن کو اپنے پاس بلالیا ....

مکتوب (۵۷) مولانا حمید کے نام

[حدوثِ عالم اور ردِّ عقلِ فعّال کے بیان میں]

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسّلام علی سید المرسلین، اللہ تعالیٰ "بذات اقدس خود" موجود ہے اور اس کی ہستی، "بخودی خود" ہے ــــ اللہ تعالیٰ جیسا ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کا اُس کی جناب میں کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ "وجوب وجود" اس کی درگاہِ مقدس کا ادنیٰ خادم ہے، اور "سلب عدم" اُس کی بارگاہِ محترم کا معمولی خاکروب ہے ــــ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ــــ جس کو عالَم کہتے ہیں ــــ چاہے وہ عناصر ہوں یا افلاک اور خواہ وہ عقول ہوں یا نفوس، بسائط ہوں یا مرکبات، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے وجود بخشنے سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں ــــ قدامتِ ذاتی و زمانی صرف اُس کے ہی لیے ثابت ہے اور حدوثِ ذاتی و زمانی اُس کے غیر کے واسطے ہے۔ چنانچہ زمین کو دو روز میں اُس نے ہی پیدا کیا ــــ زمین کو پیدا کرنے کے بعد آسمانوں اور ستاروں کو دو روز میں عدم سے وجود میں وہی لایا ہے ــــ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (زمین کو اس نے دو دن میں پیدا کیا) فقضٰھن سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ ــــ (اللہ نے سات آسمان دو روز میں بنائے) ــــ کوئی بیوقوف ہوگا بلکہ نص قرآنی کا منکر ہوگا کہ ماسوائے حق تعالےٰ کسی چیز کے بارے میں قدامت کا قائل ہو (مثلاً) آسمانوں اور ستاروں کو قدیم کہے یا بسائطِ عناصر کو قدیم جانے یا عقول و نفوس کو ازلی و قدیم تصوّر کرے ــــ اجماعِ اہلِ ملت اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ ماسوائے حق تعالیٰ، سب کے سب حادث ہیں۔ اور سب نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ماسوائے حق جتنی اشیاء ہیں سب عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں ــــ چنانچہ امام حجۃ الاسلام (غزالیؒ) نے اپنے رسالے "المُنقِذ عَنِ الضَّلَال" میں اس عقیدے کی تصریح اور جو جماعت بعض

اجزائے عالم کی قدامت کا اعتقاد رکھتی ہے ـــــ اسی بنا پر ـــــ اس کی تکفیر کی ہے ـــــ بس اشیاءِ ممکنہ میں سے کسی شے کی قدامت کا حکم لگانا ملت سے خروج ہے اور دائرہ فلسفہ میں داخل ہونا ہے ـــــ جس طرح ماسوائے حق کے لیے عدمِ سابق ثابت ہے، اسی طرح عدمِ لاحق بھی ماسوا کو دامن گیر ہے ـــــ (قیامت میں) ستارے آسمانوں سے بکھر جائیں گے، آسمان پارہ پارہ ہو جائیں گے، زمین اور پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور عدم سے مل جائیں گے ـــــ چنانچہ نصِ قرآنی اس پر ناطق ہے اور تمام اسلامی فرقے اس حقیقت پر اجماع کیے ہوئے ہیں حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کلام مجید میں فرماتے ہیں ـــــ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاھِیَۃٌ (پس جب ایک صور پھونکا جائے گا اور جب زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا پھر یکبارگی ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا پس اس دن واقع ہو گی قیامت اور آسمان پھٹ جائے گا پس آسمان اس دن بودا اور سست ہو گا) نیز حق تعالےٰ فرماتا ہے اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (جب سورج لپیٹ دیا جائیگا اور جس وقت ستارے تیرہ و تاریک ہو جائیں گے اور جب کہ پہاڑ چلائے جائیں گے) نیز فرماتا ہے اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ (جب کہ آسمان پھٹ جائے گا اور جس وقت ستارے بکھر جائیں گے) نیز ارشاد فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (جب کہ آسمان پھٹ جائے گا) نیز ارشادِ ربانی ہے ـــــ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ، لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (سوائے ذاتِ خداوندی کے ہر چیز فانی ہے اُسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے)۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیات، قرآن مجید میں آئی ہیں ـــــ کوئی جاہل ہی ہو گا جو ان اشیاء کی فناء کا انکار کرے گا یا وہ سرے سے ایمان ہی قرآن پر نہ رکھتا ہو گا بلکہ وہ فلسفیوں کی ملمع کاری پر فریفتہ ہو گا ـــــ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ممکنات میں، عدمِ سابق کی طرح عدمِ لاحق کا اثبات بھی ضروریاتِ دین سے ہے اور اس حقیقت پر ایمان رکھنا لازم ہے ـــــ اور بعض علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ سات چیزیں یعنی عرش و کرسی، لوح و قلم بہشت و دوزخ اور رُوح ـــــ فنا نہ ہوں گی اور باقی رہیں گی ـــــ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ چیزیں فنا قبول نہیں کرتیں

اور قابلیت زوال نہیں رکھتی ہیں حاشا و کلا ــــــ بلکہ قادرِ مختار جلّ شانہٗ اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر جس کو چاہتا ہے بعد از وجود، فنا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے ــــــ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے اُس کا حکم دیتا ہے) ــــــ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ عالم اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ واجب تعالےٰ سے احتیاجی نسبت رکھتا ہے اور اپنے وجود و بقا میں اسی کا محتاج ہے ــــــ اس لیے کہ بقاء، وجود کے برقرار رہنے کا نام ہے جس زمانہ تک بھی اللہ تعالیٰ برقرار رکھنا چاہے اس وجود پر کسی امر زائد کا نام بقا نہیں ہے ــــــ پس نفسِ وجود اور استقرارِ وجود دونوں کے دونوں ارادہ خداوندی ہی کے سپرد ہوں گے ــــــ عقل فعال کون ہوتی ہے؟ کہ اشیاء کا انتظام کرے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوں ــــــ عقلِ فعال کے تو نفس وجود اور اس کے ثبوت میں بھی ہزاروں کلام ہیں ــــــ اس لیے کہ اس عقلِ فعال کا تحقق و حصول، فلسفیوں کے اُن غلط اور فریب دہندہ مقدمات سے ہے جو اُصولِ حقۂ اسلامیہ کی رو سے ناتمام اور نافرجام ہیں کوئی بیوقوف ہوگا جو اشیاء کو قادرِ مختار جل شانہٗ سے الگ رکھ کر عقل فعال جیسے امر موہوم کی طرف منسوب کردے بلکہ خود اشیاء کو بہت زیادہ ننگ و عار ہے اس بات سے کہ فلسفی کی گھڑی ہوئی عقلِ فعال سے وہ منسوب ہوں بلکہ اشیاء اپنے عدم پر راضی و خورسند ہوں گی اور ہرگز وجود کی رغبت نہ کریں گی اس بات کے مقابلے میں کہ ان کے وجود کی نسبت فلسفی کی من گھڑت چیز کی طرف کی جائے اور وہ قدرتِ قادر مختار جلّ سلطانہٗ کی طرف انتساب کی سعادت سے محروم کر دی جائیں ــــــ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔ (سخت ہے وہ بات جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے، وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہہ رہے)

مکتوب (۵۹) خواجہ شرف الدین حسین کے نام

[تمام حوادث کو ارادۂ خداوندی سے متعلق سمجھ کر اُن سے لذت یاب ہونا چاہیے]

اے فرزندِ عزیز با تمیز! حوادثِ یومیہ چونکہ بارادۂ واجب الوجود ہوتے ہیں اور اُسی کے فعل سے برقرار ہیں اس لیے اپنے ارادے کو تابع ارادۂ خداوندی کر کے حوادث کو اپنی مُرادات

قرار دینا چاہیے اور ان سے لذت یاب ہونا چاہیے —— اگر بندگی کا جذبہ ہے تو یہ نسبت پیدا کرنا چاہیے ورنہ پاؤں دائرۂ بندگی سے باہر نکالنا اور اپنے آقائے حقیقی کا مقابلہ کرنا ہے —— حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو شخص راضی نہیں ہوا میرے فیصلے پر اور جس نے صبر نہیں کیا میری بھیجی ہوئی مصیبت و آزمائش پر اس کو چاہیے کہ وہ میرے علاوہ اپنا کوئی اور رب ڈھونڈھ لے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے" —— مردم فقراء و مساکین اور کمزور اشخاص تمہاری رعایت و حمایت میں آسودہ حال رہے ہیں —— چونکہ وہ بھی اپنا ایک آقائے حقیقی رکھتے ہیں (اس لیے تمہاری حمایت کی چنداں ضرورت تو نہیں البتہ اس بہانے سے) تمہاری نیک نامی باقی رہی —— حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ تم کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے —— والسّلام ——

مکتوب (۶۰) پیر زادۂ گرامی قدر حضرت خواجہ محمد عبداللہ معروف بہ خواجہ کلاںؒ کے نام

[درمیان کا کچھ حصہ]

...... حقیقتِ انسان اور اس کی ذات عدم ہے جو کہ حقیقتِ نفسِ ناطقہ ہے ابتداء میں اس نفس کو نفسِ امّارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہر انسان لفظ "انا" (میں) بول کر اسی نفسِ امّارہ کی طرف اشارہ کرتا ہے پس ذاتِ انسان، نفسِ امّارہ ہے اور تمام لطائفِ انسان، نفسِ امّارہ کے قویٰ و جوارح کی مانند ہوئے —— چونکہ عدم اپنی ذات کے لحاظ سے شرِ محض ہوتا ہے بوئے خیریت اس میں نہیں ہوتی اس لیے نفسِ امّارہ بھی شرِ محض ہے اور اپنے اندر بوئے خیریت نہیں رکھتا —— یہ نفسِ امّارہ کی شرارت و جہالت ہی تو ہے کہ وہ کمالاتِ منعکسہ جو اس کے اندر بطورِ ظلّیت، ظاہر ہو گئے ہیں ان کو وہ اپنی طرف سے سمجھتا ہے اور اُن کمالات کو، جو اپنی اصل کے ساتھ قائم و ثابت ہیں یہ اپنی جانب منسوب کر کے خود کو ان کمالات کی بنا پر کامل و خبیر جانتا ہے اور اسی وجہ سے اپنی سرداری کا دعویٰ کرتا ہے نیز اپنے آپ کو کمالات کے اندر خداوند کریم کا شریک بناتا ہے، حول و قوت کو اپنی جانب سے تصور کرتا ہے، خود کو متصرف سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع رہیں اور وہ کسی کا تابع نہ ہو وہ اپنے آپ کو ہی سب سے زیادہ دوست اور عزیز رکھتا ہے اور دوسروں کو اپنی ذاتی غرض سے

دوست رکھتا ہے نہ کہ دوسروں کی مصلحت کے پیشِ نظر ـــــ انھیں تخیلاتِ فاسدہ کی وجہ سے وہ اپنے مولا جل سلطانہٗ سے عداوتِ ذاتی پیدا کرتا ہے ـــــ اور اس کے نازل کیے ہوئے احکام کی طرف مائل نہیں ہوتا (بلکہ، اپنی خواہشات کی پیروی اور پرستش کرتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ـــــ "تو اپنے نفس کو دشمن رکھ اس لیے کہ وہ میری مخالفت و دشمنی پر کمر باندھے ہوئے کھڑا ہے۔"

حضرت حق جلّ مجدہ نے اپنی کمال مہربانی و رحمت سے انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو رحمتِ عالم ہیں ـــــ تاکہ وہ مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور اس دشمن (نفس آمارہ) کا کارخانہ تباہ کریں نیز انسان کو اپنے خالق و مولا کی جانب راستہ دکھائیں اور جہالت و خباثت سے باہر لائیں اور اس کے نقص و شرارت سے مطلع کریں۔ جو سعادتِ ازلی رکھتا تھا اس نے ان بزرگوں (انبیاء) کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنی جہالت و خباثت سے باز آ گیا اور نازل شدہ احکام کا تابع و مطیع بن گیا ......

مکتوب (۶۶) محمد مقیم قصوری کے نام

[المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (مجاز، حقیقت کا پُل ہے) کے بیان میں]

برادرم محمد مقیم نے دریافت کیا تھا کہ صوفیا نے المجاز قنطرۃ الحقیقۃ کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ جاننا چاہیے کہ مجاز، ظلِّ حقیقت ہے کہ اس نے ظل سے اصل کی طرف شاہراہ کھولی ہے اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا" بات یہ ہے کہ معرفتِ ظلِ معرفتِ اصل کو مستلزم ہے اس لیے کہ ظل، اپنی اصل کی صورت میں موجود ہے پس ظل، انکشافِ اصل کا سبب ہوتا ہے کیونکہ صورتِ شے وہی ہے جس سے اصل شے ظاہر ہو۔ لیکن یہ بھی جان لینا چاہیے کہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ اس صورت میں ہے جب کہ مجاز میں گرفتار نہ ہو جائے بلکہ ایک نظر کے بعد دوسری نظر کی نوبت نہ آنے پائے (بس) نظرِ اوّل قنطرۃ الحقیقۃ ہے۔ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے "النظرۃ الاولیٰ لک" فرمایا ہے۔ (یعنی پہلی نظر تیرے لیے ہے) گویا کہ لفظ لک سے اشارہ دولتِ حقیقت کے حصول کی طرف ہے اور اگر نعوذ باللہ مجاز میں گرفتار ہو گیا اور نظرۂ ثانیہ کی

نوبت آئی تو وہ مجاز، راہِ وصولِ حقیقت کا مانع ہے قنطرہ (پُل) کہاں سے ہوگا؟ بلکہ وہ تو ایک بُت ہے جو کہ اپنی پرستش کی دعوت دیتا ہے۔ ایک دیو ہے جو حقیقت سے روگردانی کر رہا ہے ـــ اسی لیے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرہ ثانیہ کو مُضر، جان کر "النظرۃ الثانیہ علیک" (دوسری نظر تیرے لیے مُضر ہے) فرمایا ـــ اس چیز سے زیادہ کون سی چیز مضر ہوگی جو حق سے باز رکھے اور باطل میں گرفتار کر دے۔ جاننا چاہیے کہ پہلی نظر بھی اس وقت نافع ہے کہ اپنے اختیار سے نہ ہو اپنے اختیار سے ہوگی تو وہ بھی دوسری نظر کا حکم رکھتی ہے ـــ قرآن مجید کی یہ آیت اس مطلب کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے ـــ قُل لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِمْ (آپ مومنین سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظروں کو پست رکھا کریں) ـــ بیوقوف صوفیائے خام نے المجاز قنطرۃ الحقیقۃ کے معنیٰ نہ سمجھ کر غلطی کی وہ حسین شکلوں میں گرفتار ہوکر اُن کے عشوہ و ناز پر فریفتہ ہوجاتے ہیں اس طمع میں کہ اس گرفتاری و فریفتگی کو حقیقت تک پہونچنے کا ذریعہ اور حصولِ مطلوب کا زینہ بنا لیں۔ مگر یہ بات ہرگز درست نہیں ـــ یہ تو خود راہِ مطلوب میں رکاوٹ ڈالنے والی چیز ہے اور مقصود سے روکنے کے لیے زبردست آڑ ہے ـــ ایک باطل ہے جو اُن کی نظر میں مزین ہوگیا ہے اور دھوکے میں آکر وہ اس کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں ـــ اِن صوفیائے خام کی ایک جماعت ہے جو اِن صورتوں کے حسن و جمال کو حُسنِ حق تعالیٰ سمجھ کر ان کے عشق میں مبتلا ہونے کو گرفتاریٔ حق جانتی ہے اور ان صورتوں کے مشاہدے کو مشاہدۂ حق سمجھتی ہے ان میں سے بعض نے کہا ہے ؎

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست[1]

اللہ تعالیٰ اُن کے اِن اقوال سے وراء الوراء ہے ـــ اللہ تعالیٰ کو یہ کوتاہ نظر لوگ (نہ معلوم) کیا گمان کیے ہوئے ہیں اور اس کے حسن و جمال کا نہ جانے کیا تصور کیے ہوئے ہیں......

حق تعالیٰ کی ایک تجلّی سے کوہِ طور کا پارہ پارہ ہوجانا اور حضرت کلیم اللہ علیہ السّلام کا باوجود قرب و منزلت کے اس تجلّی سے بیہوش ہوکر گر پڑنا یہ تو نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور یہ لوگ اپنی اس بیوقوفی کے باوجود ہمہ وقت بے پردہ حق تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں اور وعدۂ رویتِ اُخروی پر حیرت و تعجب کا اظہار کرتے ہیں ـــ لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا ـــ

---

[1] جبکہ آج تیرا حسن و جمال بے پردہ ظاہر ہے تو مجھے حیرت ہے کہ پھر قیامت میں دیدار کا وعدہ کس لیے ہے؟

(انھوں نے اپنے گمان میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور بڑی سرکشی کی) ــــ علمائے اہل سنت وجماعت نے ــــ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے ــــ اپنی جانیں کھپائی ہیں اور براہینِ نقلی سے مخالفین اہل سنت کے مقابلے میں اثباتِ رویت اُخروی کیا ہے کیونکہ اہل سنت کے علاوہ جتنے مخالف فرقے ہیں ان میں سے کوئی بھی ــــ چاہے وہ کوئی ملت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو ــــ رویتِ حق تعالیٰ کا قائل نہیں ہے ــــ بلکہ اُس کو محالِ عقلی سمجھتا ہے اور خود اہل سنت بھی رویتِ باری تعالیٰ کو بلاکیف ہی مانتے اور کہتے ہیں۔ نیز آخرت کے ساتھ مخصوص رکھتے ہیں اور یہ بوالہوس (صوفیائے خام) ہیں کہ اسی دنیائے فانی میں اس دولتِ قاہرہ کے حصول کا خواب دیکھ رہے ہیں اور اپنے خیال میں مگن ہیں ــــ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (ہمارے رب ہم کو اپنی جانب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری پیدا کردے) والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ــــ

مکتوب (۶۹) قاضی موسیٰ کے نام

[نصیحت]

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ــــ اِس طرف کے فقراء کے احوال مستوجب حمد ہیں۔ جو مکتوب تم نے رحم علی درویش کے ہاتھ ارسال کیا تھا پہنچ گیا ــــ خوشوقت کیا ــــ خداوند کریم سلامت وباستقامت رکھے ــــ مکتوب میں نصائح کو طلب کیا تھا مخدوما! بس ایک نصیحت تو دین کے متعلق ہے (کہ دین پر پورے پورے عامل رہنا) دوسری نصیحت متابعتِ سیّد المرسلین کی کرتا ہوں ...... متابعت کی کئی اقسام ہیں اُن میں سے ایک قسم یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی ادائیگی کی جائے۔ باقی اقسام کا فقیر نے ایک مکتوب میں مفصل ذکر کر دیا ہے جس کو ایک دوست[1] کے نام لکھا ہے ــــ اُن سے کہوں گا کہ اُس کی نقل تم کو بھیجدیں ــــ بالجملہ اس طریقے میں افادہ واستفادہ کا دارومدار صحبت پر ہے۔ کہنا اور لکھنا کافی نہیں ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا طریقہ صحبت ہے" ــــ اور اصحاب کرامؓ صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت تمام

---

[1] مکتوب (۵۴) بنام سید شاہ محمد ــــ در دفتر دوم

اولیائے امت سے افضل ہیں کوئی ولی مرتبۂ صحابی تک نہیں پہونچ سکتا اگرچہ اویس قرنیؓ کیوں نہ ہوں (جو کہ خیر التابعین ہیں) —— دوستوں سے دعائے سلامتئ ایمان کی درخواست ہے —— "اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام کو بہتر و درست فرما دے"۔ رحم علی نے اپنے ورقِ زندگی کو پلٹ دیا ہے (محاسبۂ اعمال میں لگے ہوئے ہیں) اور اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ ہیں —— اللہ تعالیٰ استقامت بخشے —— والسّلام

مکتوب (۰۷) مولانا محمد اسحٰق ولد قاضی موسیٰ کے نام

[در ترغیب صحبتِ صاحبدلان]

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ —— رحم علی درویش کے ہاتھ جو مکتوب بھیجا تھا مل گیا۔ چونکہ وہ ذوق و شوق کی اطلاع دے رہا تھا اس لیے اس نے مسرت بخشی —— ایک علاحدہ کاغذ پر اپنا خواب بھی لکھا تھا اُس کے مطالعے سے فرحت پر فرحت ہوئی۔ اس قسم کے واقعات (خواب) مبشرات ہیں۔ سعی کرنا چاہیے کہ قوت سے فعل میں اور گوش سے آغوش میں آجائیں —— آج جب کہ کوتاہیوں کا تدارک ممکن ہے فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور (اس کار خیر میں) یہ کہہ کر کہ "عنقریب اس کو انجام دے لوں گا" —— تاخیر اور ٹال مٹول نہیں کرنی چاہیئے —— حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ اس مجلس میں جمعہ کی اس ساعت کا ذکر چھڑا جس میں قبولیتِ دُعا کی قوی اُمید ہوتی ہے —— دورانِ گفتگو میں یہ بات بھی آئی کہ وہ ساعتِ مقبولہ کسی کو میسر آجائے تو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے کیا طلب کرنا چاہیئے؟ ہر ایک نے اپنی اپنی مطلوب چیز کو بتایا جب میرے بتانے کی نوبت آئی تو میں نے کہا کہ "(اُس ساعت میں) صحبتِ اربابِ جمعیت کو طلب کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں میسر آجاتی ہیں" —— بعض مکاتیب کو نقل کرا کے قاصد کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے بہرہ ور فرمائے —— برادر شیخ کریم الدین کچھ عرصے سے یہاں آئے ہوئے ہیں وہ اپنے حالات شاید خود ہی تم کو لکھ کر بھیجیں —— دوستوں سے دعا کی توقع ہے —— رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اے ہمارے رب ہمارے نور کو مکمل کر دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَ

الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــــ

مکتوب (۷۰) خواجہ حسام الدین احمدؒ کے نام

[قیام لشکر کے کچھ حالات اور ایک استفسار کا جواب]

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــــ مکتوب گرامی جو از روئے کرم وشفقت آپ نے اس فقیر کو بھیجا تھا اُس کے مطالعے سے مشرف ہوا ـــــــ اللہ کا شکر ہے کہ آپ صحت وعافیت سے ہیں اور اپنے دور افتادہ دوستوں کی پرسش احوال سے فارغ و بے فکر نہیں ہیں ـــــــ اس طرف کے فقراء کے احوال واوضاع، لائق حمد ہیں۔ عین بلا میں عافیت ہے اور ایسی جگہ جہاں تفرقہ قلب کا اندیشہ تھا ـــــــ جمعیتِ قلب حاصل ہے ـــــــ میرے فرزند اور احباب جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات اطمینان کے ساتھ گزر رہے ہیں ـــــــ نیز اُن کے احوال، ترقی پر ہیں ـــــــ اُن کے حق میں لشکر نے ایک خاص خانقاہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ لشکریوں کے رنگ برنگ حالات کی موجودگی میں ساتھیوں کو تمکین نصیب ہے اور مختلف ومتفرق پھندوں کے اندر رہ کر جو کہ لشکر کے لوازم میں سے ہیں۔ ہمارے آدمی بس ایک ہی مطلب ومقصد میں گرفتار ہیں ـــــــ نہ کسی لشکری کو ان سے سروکار نہ اِن کو کسی سے ناگواری ـــــــ ان سب باتوں کے باوجود (اختیار کچھ بھی نہیں رکھتے بلکہ) ہم مسلوب الاختیار ہیں اور (یک گونہ) حبس و قید کی حالت میں ہیں ـــــــ یہ عجیب حبس ہے کہ اس سے رہائی کو ایک جَو کے عوض بھی نہ خریدیں اور عجیب قید ہے کہ اس سے آزادی کو ایک کوڑی کے بدلے بھی قبول نہ کریں ـــــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نعمت پر بھی اور اس کی تمام بڑی بڑی نعمتوں پر ـــــــ

مخدوما! قرۃ العینین (ہر دو صاحبزادگان حضرت مرشد خواجہ باقی باللہؒ) کو جو مکتوب بھیجا گیا تھا اُس سے مقصود، صرف اظہار حسرت تھا بعض اُن نعمتوں کے فوت ہو جانے پر کہ دہلی کے پڑوس (سرہند) میں (ہماری قید وبند سے قبل) اُن نعمتوں کا حصول (صاحبزادوں کے لیے) متوقع تھا ـــــــ اب اُن کا لشکر میں آنا اور یہاں پر ہماری صحبت اختیار کرنا یہ آپ کی صوابدید پر موقوف ہے کیونکہ آپ "لشکر و لشکریان" کے طور طریقوں کو خوب جانتے ہیں اور اس جگہ کے نفع وضرر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں ـــــــ آپ نے لکھا تھا کہ: اگر تم لکھو کہ صاحبزادگان (لشکر میں آکر) آفات سے محفوظ رہیں گے تو وہ

دلبغرض کسب فیض صحبت لشکر میں آجائیں ——— غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے ——— لیکن اللہ کا شکر کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ باوجود فوجیوں سے کثرتِ اختلاط کے، ہمراہیوں میں سے کسی شخص کو اس وقت تک کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس کو آفتِ تفرقہ کہہ سکیں ——— (لشکر نے) میرے ہمراہیوں کو اُن کے مطلبِ حقیقی سے نہیں روکا ——— دوسری بات مولود خوانی کے بارے میں آپ نے لکھی تھی کہ ——— اُس کے اندر اچھی آواز سے قرآن پڑھنے اور قصائدِ نعت و منقبت پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن اس طرح پڑھیں کہ حروف قرآن میں تحریف و تغیر واقع ہو جائے اور موسیقی کی رعایت کرتے ہوئے آواز کو . . . . گھمایا جائے اور اس طرح تو شعر پڑھنا بھی غیر مباح ہے چہ جائیکہ قرآن مجید۔ البتہ اگر قرآن مجید کو اس طرح پڑھا جائے کہ کسی قسم کا کوئی تغیّر، کلماتِ قرآنی میں واقع نہ ہونے پائے تو کیا حرج ہے؟ اسی طرح قصائدِ نعت و منقبت کو اس طرح پڑھیں کہ اس میں مقاماتِ نغمہ کی رعایت نہ ہو اور تالی بجانا بھی نہ ہو اور نیت بھی صحیح ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے"؟

مخدوما! خاطرِ فقیر میں یہ بات آتی ہے کہ جب تک مطلقاً یہ دروازہ بند نہ کیا جائے گا ——— بوالہوس لوگ باز نہیں آئیں گے اگر تھوڑی سی اجازت دیدی گئی تو بات بہت دور تک پہونچ جائے گی ——— قلیلہٗ یفضی الیٰ کثیرہٖ (تھوڑا بہت تک پہونچا تا ہے۔) ——— والسّلام

مکتوب (۸۰) صاحبزادگان گرامی قدر (خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصومؒ) کے نام

[اظہارِ اشتیاق و تذکرۂ ثمرات و نتائجِ قیامِ لشکر]

الحمد للہ والسّلام علی رسول اللہِ ——— فرزندانِ گرامی اگرچہ ہماری صحبت میں ہمیشہ رہنے کے مشتاق و خواہاں ہیں اور ہم بھی اُن کو اپنے پاس حاضر رکھنے اور ان کی ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کیا جائے تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوا کرتیں ——— ع

تَجرِی الرِّیاحُ بِمَا لَا تَشْتَہِی السُّفُنُ [1]

میں تو لشکر کے طور و طریق کے ماتحت، بے اختیار اور بے خواہش و رغبت رہنا بہت ہی غنیمت سمجھتا

---

[1] بعض اوقات ہوائیں کشتیوں کی آرزوؤں کے برخلاف چلا کرتی ہیں یعنی کبھی ہوائیں کشتیوں کی سمت و رفتار کے مخالف چلتی ہیں۔

ہوں اور اس مقام کی ایک ساعت کو دوسرے مقامات کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔
اس جگہ (لشکر میں) وہ (بات) حقیقی طور پر میسّر ہے جس کی ظاہری شکل بھی مجھے معلوم نہیں کہ دوسرے
مقامات پر میسّر ہو سکتی ہے ــــــ اس مقام کے علوم و معارف بھی جُدا ہیں، اس مجمع کے احوال و
مقامات بھی علاحدہ ہیں جو رکاوٹ (اور نظر بندی) سلطانِ جہانگیر کی طرف سے ہے اس کو میں تو
مولائے حقیقی کی انتہائی رأفت و رضامندی کا دروازہ جانتا ہوں اور اس محبوسی کے اندر اپنی سعادت
سمجھتا ہوں ــــــ علی الخصوص اِن ایّامِ اختلاف میں اور اِن "اوقاتِ پُر تفرقہ" میں عجیب و
غریب معاملات اور چشم و ابروئے محبوبِ حقیقی کے اشارات نیز اس کے ناز و ادا کے کرشمے (ظاہر
ہو رہے) ہیں ــــــ لیکن جو دولتِ تازہ و عجیب، روز بروز (قلب پر) وارد ہو رہی ہے ــــــ
(اس کی وجہ سے) فرزندوں کی یاد میرے دل میں چٹکیاں لے رہی ہے اور اُن کی دوری اور نارسائی
سے جگر، اضطراب میں رہتا ہے ــــــ میں سمجھتا ہوں کہ میرا اشتیاق تمھارے اشتیاق سے بڑھا
ہوا ہے اور یہ بات مُسلّم ہے کہ باپ جتنا بیٹے کو چاہتا ہے۔ بیٹا اتنا باپ کو نہیں چاہتا۔ اگرچہ اصالت
و فرعیت کا معاملہ اس کے برعکس کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی اور فرع
سراسر محتاجِ اصل ہے ــــــ لیکن ازل سے کچھ ایسا ہی طے ہوا ہے اور اصل (باپ) کا شوق
و اشتیاق، قوی تر ثابت ہو گیا ہے ــــــ ہاں ٹھیک ہے۔ ؎

در خانہ بکدخدائے ماند ہمہ چیز

(گھر میں صاحبِ خانہ کے دم سے سب چیزیں برقرار رہتی ہیں) ــــــ اگر (بسلسلہ قیامِ لشکر، دہلی میں ہوں
تو تمھارا ہمسایہ ہوں اور آگرہ میں ہوں تب بھی بفضلِ خداوندی تم سے قریب ہوں۔ والسّلام

مکتوب (۹)، اپنے فرزند خواجہ محمد معصومؒ کے نام

[ایک طویل مکتوب کے آخر کی چند سطریں]

...... شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ وہ ہیں جنھوں نے فنِ معرفت و عرفان
کی بنیاد رکھی ہے اور اس کو شرح و بسط کا جامہ پہنایا ہے، وہی ہیں جنھوں نے توحید و اتحاد کے متعلق
تفصیل سے بات کہی ہے اور تعدد و تکثّر کے منشا کو بیان فرمایا ہے۔ وہی ہیں کہ تنزلاتِ خمسہ کو

وجود کے لیے ثابت کیا ہے اور ہر مقام کے جُدا جدا احکام پیش کیے ہیں۔ انھوں نے عالم کو عین حق جانا اور ہمہ اوست کہا ہے اس کے باوجود مرتبۂ تنزیہ حق سبحانہٗ کو وراءالوراء پایا ہے اور سب کی دید و دانش سے اللہ تعالیٰ کو منزہ و مبرا سمجھا ہے۔ ان سے پہلے جو مشائخ ہوئے ہیں انھوں نے اس توحید کے بارے میں اگر کوئی بات کہی ہے تو اشارات و رموز میں کہی ہے شرح و تفصیل میں مشغول نہیں ہوئے ہیں۔ جو مشائخ، شیخ اکبرؒ کے بعد ہوئے ہیں ان میں سے اکثر نے تقلیدِ شیخ اختیار کی ہے اور ان کی اصطلاح کے موافق گفتگو کی ہے۔ ہم پسماندگان نے بھی شیخ اکبرؒ کی برکات سے بہت کچھ استفاضہ کیا ہے اور اُن کے علوم و معارف سے بہت کچھ حصّہ لیا ہے اللہ تعالیٰ اُن کو ہماری جانب سے بہتر جزا دے ——— ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بحکمِ بشریت خطا و صواب کے مقام چونکہ آپس میں مختلط ہو جایا کرتے ہیں اور انسان سے کبھی (کسی مسئلے میں) بے قصد خطا ہو جاتی ہے اور کبھی وہ صحت و صواب کی منزل پر گامزن ہوتا ہے ایسی صورت میں ضروری ہوا احکامِ سوادِ اعظم اہلِ حق کی موافقت کو معیارِ صحت و صواب بنایا جائے اور اہلِ حق کے سوادِ اعظم کی مخالفت کو دلیلِ خطا سمجھا جائے ——— قائل کوئی بھی ہو اور مقولہ کچھ بھی ہو ——— مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "تم اہلِ اسلام کے سوادِ اعظم کا اتباع کرو" ——— اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ فکر ہائے مختلف کے مل جانے اور اختلافِ نظریات کے ذریعے تکمیلِ صناعت وجود میں آتی ہے ——— (دیکھو) سیبویہ کے متعلق ہر چند یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ بانئ احکامِ نحو ہے لیکن جس نحو نے متاخرین کے افکار کے باہم جمع ہو جانے اور اُن کے نظریات کے اختلاف سے کمال و تنقیح کا درجہ حاصل کر لیا ہے اور ایک نئی زیب و زینت پائی ہے اُس نحو کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب وہ بنوعِ دیگر ہو گئی ہے اور اُس نے علاحدہ احکام پالیے ہیں۔

——— رَبَّنَا اٰتِنَا مِن لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ——— وَالسَّلام

مکتوب (۴۲) صاحبزادگانِ گرامی قدر خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصومؒ کے نام

[اظہار آلامِ فراق]

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— فرزندانِ گرامی جمعیتِ صوری و معنوی کے ساتھ متصف رہیں ——— یہاں لشکری سفروں اور مشقتوں میں کوئی درد بھی تم

دونوں عزیز فرزندوں کی مفارقت کے برابر نہیں محسوس کرتا۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تمھاری یاد سے فارغ ہوں ـــــ جس قدر منعم حقیقی جلّ شانہٗ کی نعمتوں کا حصول زیادہ ہے اُسی قدر دور افتادہ عزیزوں کی یاد بڑھ رہی ہے احوال جدیدہ، روزانہ مسودہ سے بیاض میں ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کو سمجھنے والا یہاں کون ہے؟ خواجہ محمد ہاشم (کشمی) بھی غنیمت ہیں جو ذوق فہم سخن رکھتے ہیں اور فی الجملہ لذت یاب ہوتے ہیں لیکن وہ اس سفر اجمیر میں شدتِ مشقت کی وجہ سے اُن متخلفین میں سے ہو گئے جن کا عذر صحیح ہے ـــــ شاید وہ کچھ دنوں اور ہماری رفاقت میں رہیں ـــــ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ـــــ (بس اللہ ہم کو کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے) رفقا بھی کم ہیں اور زادراہ بھی قلیل ہے ـــــ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ـــــ (کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟) کیوں نہیں وہ بیشک کافی ہے ـــــ دوسری بات یہ لکھنی ہے کہ تمھاری مفارقت سے مغموم ہو کر ایک رات بعد از نمازِ تہجد خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی ہمارے دوستوں میں سے ایک دوست کے ساتھ ایک بادشاہ کے وکیل کے پاس گئے ہو تاکہ بادشاہ کے یہاں ملازم ہو جاؤ اور (بادشاہ کی طرف سے) ملازمت کی تجویز اُس وکیل کے سپرد کر دی گئی ہے کہ وہ جس کسی کو نوکری کے قابل جانے اس کو نوکر رکھ لے اور جس کسی کو نوکر تجویز کرے ایک ورق پر اُس کا حلیہ لکھے اور اُس ورق کے کنارے پر لکھے (اس کو) نوکر رکھ لیں" ـــــ ان تینوں اشخاص میں سے تم دونوں کا چہرہ وکیل نے لکھا ہے اور نوکری تجویز کر دی ہے اور اس تیسرے شخص کا نہ حلیہ لکھا نہ اُس کو نوکر رکھا ـــــ میں نے تم دونوں سے دریافت کیا ہے کہ (وکیل نے) اس تیسرے کا حلیہ کیوں نہ لکھا؟ تم نے کہا کہ حلیہ لکھتے وقت وکیل نے اپنے مُنھ کو اُس تیسرے کے مُنھ کے قریب کیا اور بہت غور سے اُس کو دیکھا اور کہا کہ یہ چہرہ سیاہی رکھتا ہے یا اسی کے مُرادف کوئی لفظ کہا اور یہ کہہ کر چہرہ نہیں لکھا ـــــ الحمد للہ کہ میرا دل تم دونوں کی جانب سے مطمئن ہو گیا کہ تم کو قبول کر لیا گیا ـــــ لیکن اُس تیسرے دوست کی طرف سے دل میں تشویش رہی کہ وہ نوکری کے لیے تجویز نہیں ہوا ...... اَلْعَاقِبَةُ بِالْخَيْرِ (انجام بخیر ہو)

مکتوب (۸۳) صاحبزادگان کبار کے نام [برکات عسکر]

فرزندانِ گرامی جمعیتِ قلب کے ساتھ رہیں ـــــ ہمارے آدمی ہماری مشقتوں کو پیش نظر

رکھ کر اس کی تنگی (نظر بندی) سے ہماری رہائی چاہتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ نامرادی و بے اختیاری اور ناکامی کے اندر کس قدر حسن و خوبی ہے ـــــ بھلا کون سی نعمت اس نعمت کے مساوی ہے کہ کسی شخص کو بے اختیار اُس کے اختیار سے نکال لیں اور خود اپنے ہی اختیار سے اُس کو زندگانی دیں نیز اُس کے اُمورِ اختیاری کو بھی تابع بے اختیاری کر کے اُس کو دائرۂ اختیار سے باہر کر دیں اور مردہ بدست زندہ کی مانند بنا دیں۔ قیدِ گوالیار کے زمانے میں بھی جب کبھی اپنی ناکامی و بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجیب لطف اور طرفہ ذوق محسوس کرتا تھا ـــــ ہاں بات یہ ہے کہ راحت و آرام والے ذوقِ اربابِ بلا کو کیا جانیں اور جمالِ بلا کا کیا ادراک کریں؟ بچوں کو تو بس شیرینی ہی میں لذت محسوس ہوتی ہے اور جس نے تلخی سے حصہ لیا ہو وہ تو شیرینی کو ایک جو کے عوض میں بھی نہیں خریدے گا

ع۔ مُرغِ آتش خوارہ کے لذّت شناسد دانہ را

(آگ کھانیوالا پرندہ دانے کی لذّت کیا جانے اُس کی خوراک تو آگ ہی ہے)

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ـــــــــــ

مکتوب (۸۴) حافظ عبد الغفور کے نام

[آدابِ طریقہ]

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ اس راہ کے طالب کو چاہیے کہ اہلِ حق کی صحیح رائے کے موافق، تصحیح عقائد کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھے بشرطیکہ اس ذکر کو کسی کامل و مکمل سے اخذ کیا ہو ـــــ اس لیے کہ ناقص کے ذریعے کوئی کامل نہیں بنتا ـــــ اور اپنے اوقات کو ذکر سے اِس طرح معمور رکھے کہ سوائے ادائے فرائض و سنن موکدہ کے کسی چیز میں مشغول نہ ہو حتیٰ کہ (ذکر میں پختگی پیدا ہونے تک) تلاوتِ قرآن مجید اور عباداتِ نافلہ کو بھی (کچھ عرصہ) موقوف رکھے ـــــ باوضو اور بے وضو ذکر کرے اور کھڑے، بیٹھے، لیٹے اسی میں مشغول رہے۔ نیز چلتے پھرتے اور کھانے اور سونے کے وقت بھی ذکر سے خالی نہ ہو۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است   پاکیٔ دل ز ذکرِ رحمٰن است[1]

---

[1] جب تک تیری جان میں جان ہے ذکر کرتا رہ ـــــ دل کی پاکی ذکرِ رحمٰن کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ ماسویٰ، بطریقِ وسوسہ بھی اُس کے دل میں نہ گذرنے پائے ـــــ اور غیر کا وسوسہ تکلف کے ساتھ بھی دل میں لانا چاہے تو نہ لا سکے۔ بوجہ اُس نسیان کے جو دل کو غیر اللہ کی طرف سے ہو گیا ہو ـــــ اور یہ نسیان جو کہ دل کو تمام ماسوائے مطلوب سے حاصل ہو گیا ہے۔ حصولِ مطلوب کا صرف ایک مقدمہ و ذریعہ اور مطلوب کے وصول کا بشارت دہندہ ہے ـــــ رہا نفسِ حصولِ مطلوب اور وصولِ حقیقی بمقصود ـــــ اُس کے متعلق کیا لکھوں وہ تو وراء الوراء ہے ـــــ

کیف الوصول اِلیٰ سُعادَ ودُونہا قُلَلُ الجبالِ وَ دُونَھُن خیوفٌ[1]

برادرِ عزیز پہلے اس سبق کو جب بعنایت اللہ، انجام کو پہنچالیں تب اس کے بعد دوسرا سبق حاصل کریں ـــــ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے ـــــ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ـــــ

مکتوب (۸۵) صاحبزادگان گرامی قدر خواجہ محمد سعیدؒ خواجہ محمد معصومؒ کے نام

[حفظ اوقات کی نصیحت]

اس طرف کے احوال واوضاع، لائقِ حمد ہیں ـــــ میں اللہ تعالیٰ سے تمھاری سلامتی اور استقامت کا خواستگار ہوں ـــــ اگر اجمیر پہونچا ہوا اور شدائدِ راہ کی گھاٹیوں اور سخت گرمی سے نجات میسر ہوئی تو میں تم کو لکھوں گا اور اپنے پاس بُلالوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ـــــ مطمئن رہیں اور اپنی تمام تر ہمت مرضیٔ مولیٰ تعالیٰ میں مصروف رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ بے فکری اور حظِ نفس میں پڑجاؤ اور اہل وعیال کے ساتھ بہت زیادہ اُنس ومحبت پیدا کر کے کارخانۂ اہم میں فتور وخلل ڈالو ـــــ ایسا کیا تو سوائے محرومی و ندامت کے کوئی چیز نقد وقت نہ ہوگی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اس صحبتِ ذکر اور اِس دولتِ باطنی کو غنیمت جانیں اور اہم امور میں زندگی گزاریں ـــــ خبر شرط ہے ـــــ ہم نے اپنے معارفِ جدیدہ جو تم کو لکھے ہیں وہ تمھارے لیے ایک سبق کے بعد دوسرے سبق کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ سرسری طور پر اُن سے نہ گزریں۔ اہتمام اور جدوجہد کے ساتھ ان کے مطالعے میں کوشاں ہوں ـــــ ممکن ہے کہ اُن معارف کے اندر سے کوئی دریچہ کھُل کر سرمایۂ سعادت

---

[1] سعاد، (محبوبہ) تک رسائی کیونکر ہو در آنحالیکہ اُس سے ورے پہاڑ کی چوٹیاں ہیں اور چوٹیوں سے پہلے بہت سی پہاڑیاں بلندیاں و پستیاں ہیں۔

بن جائے ــــ تم دونوں کے بارے میں، میں نے جو بشارت پائی ہے اُس کو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کے سپرد کردیا ہے تاکہ وہ تم تک پہونچادیں ــــ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو ضائع نہ کرے گا اور قبول فرمائے گا ــــ لیکن ترساں و لرزاں رہیں اور لہو و لعب میں زندگی نہ گزاریں ــــ ایسا نہ ہو کہ ہماری صحبت کی دوری تمھارے اندر کچھ اثر کرجائے ــــ حضرت حق سبحانہٗ سے التجا اور تضرع و زاری کرتے رہیں اور اہلِ حقوق سے بقدرِ ضرورت اختلاط رکھیں اور ان کی دلجوئی کریں ــــ گھر کی مستورات کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے زندگی بسر کریں اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے باز نہ رہیں، تمام اہل خانہ کو نماز کی اور صلاح و تقویٰ کی نیز تمام احکام شرعی کی اد ائیگی کی ترغیب دیتے رہیں ــــ اس لیے کہ تم سے (از روئے حدیث) ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال کیا جائے گا ــــ اللہ تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے اس علم کے مطابق عمل بھی عطا فرمائے اور اُس پر استقامت بخشے۔ (آمین)

مکتوب (۸۶) درویش حبیب، خادم کے نام

[کثرت و قلت کرامات کے راز کے بیان میں]

(کھانے پینے اور پہننے میں) قدر ضرورت سے زیادہ کو اختیار کرنا (اور بقدرِ ضرورت پر اکتفا نہ کرنا) ظہور خوارق و کرامات کی قلت کا باعث ہے بخصوصاً جب کہ مباحات کا زیادہ استعمال حدِ مشتبہ تک پہونچادے اور وہاں سے حرام کے آس پاس لے آئے ــــ پناہ بخدا ــــ (ایسی صورت میں) کرامات و خوارق کہاں؟ ــــ جس قدر ارتکاب مباح کا دائرہ تنگ تر کرکے بقدرِ ضرورت پر اکتفا کیا جائے گا اسی قدر گنجائشِ کشف و کرامات زیادہ اور راہ ظہورِ خوارق کشادہ تر ہوگی (یہ بھی واضح رہے کہ معجزہ کا ظہور، شرطِ نبوت ہے اور کرامت کا ظہور، شرطِ ولایت نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی کے لیے نبوت کا اظہار واجب ہے بخلاف ولی کے کہ اس کے لیے ولایت کا اظہار واجب نہیں، بلکہ اس کو تو مخفی رکھنا اولیٰ ہے...... کسی ولی سے کرامات کا کثرت کے ساتھ ظاہر ہونا اُن دوسرے اولیا پر اُس کی افضلیت کی دلیل نہیں ہے جن سے اس قدر خوارق و کرامات ظہور میں نہ آئے ہوں، ــــ بلکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ولی جس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہوئی ہو وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے خوارق و کرامات کا بکثرت ظہور ہوا ہو ــــ چنانچہ

شیخ الشیوخ (حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ) نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے ــــ جبکہ انبیاء علیہم السّلام کے اندر معجزات کا کم یا زیادہ ہونا، فاضلیت ومفضولیت کا باعث نہیں (حالانکہ معجزہ شرطِ نبوت ہے) تو پھر ولایت میں (جبکہ کرامت شرطِ ولایت بھی نہیں) کس طرح، خوارق وکرامات ایک دوسرے پر فضیلت کا باعث ہو جائیں گے؟ ــــ ...... ریاضات ومجاہدات درجاتِ قربِ الٰہی تک پہونچنے کے لیے اُس راہ میں درکار ہیں جو راہِ مریداں کہلاتی ہے اور راہِ مُراداں، اجتباء (برگزیدگی) ہے ــــ مُرید، مشقت ومحنت کے ساتھ اپنے پاؤں سے چلتے ہیں اور "مراد" کو ناز وتنعم کے ساتھ کشاں کشاں خود لے جاتے ہیں اور اُن کی ریاضت ومحنت کے بغیر درجات قرب تک پہونچاتے ہیں ــــ جاننا چاہیے کہ ریاضات ومجاہدات، راہِ انابت وارادت کے لیے شرط ہیں اور راہ اجتباء میں مجاہدات شرط نہیں ہیں مگر ہاں نافع وسودمند ضرور ہیں ــــ مثلاً ایک شخص ہے کہ اس کو کشاں کشاں لیے جا رہے ہیں اور وہ اس کشش کے باوجود اپنی سعی ومشقت کو بھی اپنے اس سفر کے اندر استعمال کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص بہت جلد منزلِ مقصود تک پہونچ جائے گا؛ بخلاف اس شخص کے جو اپنی سعی کو کار فرما نہیں کرتا ــــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی تنہا کشش جو زیادہ قوت والی ہو زیادہ کارآمد ہو اس کشش سے جو سعی وکوشش سے مرکب ہو ــــ بس سعی ومشقت، راہِ اجتباء میں کمال وصول کی بھی شرط نہیں جیسا کہ نفسِ وصول کی شرط نہیں ــــ ہاں سعی ومشقت، احتمالِ نفع ضرور رکھتی ہے اگرچہ بعض مقامات میں ہی کیوں نہ ہو ــــ

ریاضت ومجاہدات کے ــــ جو کہ بالفاظِ دگر، ضروریات پر اکتفا کا نام ہے ــــ فوائد ومنافع اجتباء والوں کے لیے ...... بہت سے ہیں مثلاً دوامِ جہادِ نفس اور دنیا کی آلودگیوں سے باطن کی طہارت ونظافت ــــ جس قدر کہ حوائج ضروری ہے وہ داخلِ دنیا نہیں ہے اور جو فضول (زائد) ہے وہ دُنیا میں داخل ہے ــــ ایک دوسرا نفع ریاضت کرنے اور ضروریات پر اکتفا کرنے کا قلّتِ محاسبہ اور قلّتِ مواخذۂ اُخروی بھی ہے۔ نیز ریاضت ومشقت، درجاتِ اُخرویہ کے بلند ہونے کا بھی سبب ہے اس لیے کہ جس قدر دنیا میں مشقت ہے وہ اس سے کئی گُنی آخرت میں مسرت ہے ــــ ...... بس واضح ہوا کہ ریاضات اور اقتصار بر ضروریاتِ مباحہ اگرچہ راہِ اجتباء کے اندر شرطِ وصول نہیں مگر فی حدِّ ذاتہا محمود ومستحسن ضرور ہیں بلکہ فوائد مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے ضروری ولازم ہیں ــــ رَبَّنَا آتِنَا

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔۔۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ۔۔۔

مکتوب (۸۹) قاضی اسمٰعیل فریدآبادی کے نام

[درمیانی حصہ شیخ اکبرؒ سے متعلق]

...... اس مسئلۂ توحید (وجودی) کی متقدمین صوفیہ کے زمانہ میں اچھی طرح تنقیح و توضیح نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے ان متقدمین میں سے جس پر غلبۂ حال ہو جاتا تھا اُس سے کبھی کبھی کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جاتا تھا جو اتحاد نما ہوتا تھا اور وہ غلبۂ سُکر و حال کی وجہ سے اُس کلمے کے راز تک نہیں پہونچتا تھا اور اس کی ظاہر عبارت میں حلول و اتحاد کا شائبہ رہتا تھا ۔۔۔ جب شیخ بزرگوار محی الدین ابن عربی قدس سرّہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے کمالِ معرفت سے اس دقیق مسئلہ کو مشرح کیا اور اس مسئلے کو باب باب اور فصل فصل کرکے واضح اور مرتب طور سے بیان کیا، نیز صرف و نحو کی طرح اس کی تدوین کی ۔۔۔ اس کے باوجود ایک جماعت صوفیہ نے ان کی بات نہیں سمجھی اور ان کو مطعون کیا ۔۔۔ اس مسئلۂ توحید میں اکثر تحقیقات کے اندر شیخؒ حق بجانب ہیں اور اُن پر طعن و اعتراض کرنے والے صحت و صواب سے دور رہیں ۔۔۔ اس مسئلے کی تحقیق سے شیخؒ کی عظمت اور ان کے وفورِ علم کا احساس و ادراک ہونا چاہیے نہ یہ کہ ان پر رد و طعن کیا جائے ۔۔۔ یہ مسئلۂ توحید (وجودی) جس قدر آگے کو چلا ہے اُسی قدر افکارِ متاخرین کے باہم مل جانے کی وجہ سے واضح و منقّح اور حلول و اتحاد کے شبہات سے دور تر ہوتا چلا گیا ہے ۔۔۔ علم نحو متاخرین کے تلاحقِ افکار سے جس قدر واضح و منقّح ہو چکا ہے سیبویہ اور اخفش کے زمانہ میں اتنا واضح و منقّح نہ تھا ہر فن کی تکمیل تلاحقِ افکار ہی سے ہوتی ہے ۔۔۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نے چھ ماہ تک مسئلۂ خلق قرآن میں باہم تبادلۂ خیال اور بحث و مباحثہ کیا، چھ ماہ کے بعد یہ تحقیق مکمل ہوئی کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے گا کافر ہو جائے گا ۔۔۔ اس وقت ان دو اماموں کے درمیان یہ طویل تبادلۂ خیال اور بحث مباحثہ اسی وجہ سے ہوا کہ مسئلہ اس وقت تک منقّح نہیں ہوا تھا۔ اس وقت جب کہ تلاحقِ افکار سے یہ مسئلہ (خلق قرآن) منقّح ہو گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر محلِ نزاع حروف و کلمات ہیں جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو اس میں شک نہیں ہے کہ یہ حروف و کلمات حادث و مخلوق ہیں اور اگر معانی مراد ہیں تو (بلاشبہ) قدیم و غیر مخلوق ہیں

—— یہ تنقیح، تلاحقِ افکار ہی کی برکات سے ہے۔ . . . .

مکتوب (۹۰) خواجہ محمد ہاشم کشمی کے نام

[شروع کا کچھ حصہ دُنیا میں دیدارِ الٰہی سے متعلق]

تم نے دریافت کیا تھا کہ محققین صوفیا میں سے بعض دنیا میں دیدۂ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل ہیں جیسا کہ شیخ عارف (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ) اپنی کتاب عوارف المعارف میں فرماتے ہیں، موضع المشاہدۃ بصر القلب الخ (دنیا میں مشاہدۂ حق تعالیٰ کا مقام دیدۂ قلب ہے) اور شیخ ابو اسحٰق کلاباذی قدس سرہٗ جو کہ قدمائے صوفیا اور اکابر مشائخ میں سے ہیں، کتاب تعرف میں فرماتے ہیں کہ "اجماعِ صوفیا ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہ ابصار سے دیکھا جا سکتا ہے نہ قلوب سے ہاں ایقان کی جہت سے دیکھا جا سکتا ہے"۔ —— تم نے پوچھا تھا کہ دونوں بزرگوں کی تحقیق میں تطبیق کس طرح ہو؟ اور میری رائے بھی اس کے بارہ میں دریافت کی تھی، نیز تم نے دریافت کیا تھا کہ جب اس مسئلہ میں اختلاف ہے تو پھر اجماع کے کیا معنی ہیں؟ جاننا چاہیے —— اللہ تعالیٰ تم کو رشد و ہدایت عطا فرمائے —— کہ اس فقیر کے نزدیک اس مسئلے میں مختار و پسندیدہ قول، صاحبِ تعرف کا ہے۔ فقیر کا یقین یہی ہے کہ قلوب کو اس دنیا میں سوائے ایقان کے حضرت حق جل سلطانہٗ سے اور کوئی حصہ نہیں ہے —— اب اس ایقان کو رویت کہہ لو یا مشاہدہ! (اور یہ بھی واضح رہے) کہ جب (دنیا میں) قلب کو بھی رویت حاصل نہیں تو ابصار کو کیا حاصل ہوگی؟ اس لیے کہ ابصار تو اس دنیا کے اندر مشاہدۂ حق کے معاملے میں محض بے کار معطل ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ لو کہ قلب کو معنئ ایقان جو حاصل ہو گیا ہے وہ معنئ ایقان عالمِ مثال میں بصورت رویت و دیدار ظاہر ہو جاتا ہے اور جس ذاتِ مقدس سے ایقان کا تعلق ہے وہ ذات دیکھی ہوئی شے کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے —— کیونکہ عالمِ مثال میں ہر معنی کے لیے عالمِ شہادت (دنیا) کے مناسب ایک صورت ہے اور چونکہ عالمِ شہادت میں کمالِ یقین، رویت کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ ایقان بھی عالمِ مثال میں بصورت رویت ظاہر ہو جاتا ہے، اور جب ایقان، بصورت رویت ظاہر ہوا تو اُس کا متعلق جو کہ مُوقن بہ ہے ناچار بصورت مرئی (دیدہ شدہ) اس جگہ ظاہر ہو جاتا ہے —— سالک جب اس کو

آئینۂ مثال میں مشاہدہ کرتا ہے تو آئینہ کے توسط سے غافل ہو کر اس صورت کو حقیقت جان کر سمجھتا ہے کہ اس کو حقیقۃً رویت حاصل ہوگئی ہے اور مرئی نمودار ہو گیا ہے، وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ رویت اُس کے صورت ایقان کی رویت ہے اور وہ دیدہ شدہ اس کے موقن بہ (متعلَّقِ ایقان) کی صورت ہے۔۔۔ اور یہ اُن امور میں سے ہے جن میں بہت سے صوفیوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے اور ان کے لیے صورتیں حقائق سے ملتبس ہو جاتی ہیں۔۔۔ یہی "دید" جب غالب آتی ہے اور باطن سے ظاہر میں نکلتی ہے تو کبھی کبھی سالک اس توہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ رویت بصری بھی حاصل ہوگئی اور مطلوب گوش سے آغوش میں آگیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اس معنیٰ کا حصول جب کہ اصل تک میں یعنی بصیرت تک میں مبنی بر توہم و تلبیس ہے تو بصر جو کہ اس عالم میں بصیرت کی فرع ہے اس کی تو حیثیت ہی کیا ہے؟ بھلا (دنیا میں) بصر کو رویت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟۔۔۔ دنیا کے اندر رویتِ قلبی میں تو صوفیا، کا جمِ غفیر توہم میں پڑ گیا ہے یعنی وہ رویتِ قلبی کا حکم لگاتا ہے۔ مگر دنیا میں رویتِ بصری کے متعلق صوفیاء میں شاید کوئی ناقص ہی توہم میں پڑا ہو (کیونکہ دنیا میں ان آنکھوں سے حق تعالیٰ کا دیدار) اہلِ سنّت و جماعت کے اجماع کے خلاف ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور کرے۔۔۔۔۔۔ اور اجماع کے بارے میں جو تم نے دریافت کیا ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے اس وقت تک (صاحبِ تعرّف کے وقت تک) وہ اختلاف جو لائقِ اعتبار ہو ظہور میں نہ آیا ہو یا اپنے زمانے کے مشائخ کا اجماع مراد ہو۔۔۔

واللہ سُبحانَہٗ اَعلَمُ بِحَقِیقَۃِ الحَالِ۔۔۔

مکتوب (۹۱) مولانا طاہر بدخشی کے نام

[معرفت اور ایمان حقیقی کا فرق]

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔۔ واضح ہو کہ تمہارا مکتوب جو شیخ سجاول کے ہاتھ بھیجا تھا پہونچ گیا۔۔۔ الحمد للہ کہ تم سلامتی اور عافیت کے ساتھ ہو۔۔۔ اس مکتوب میں چند سوال تم نے کیے تھے اُن کا جواب، جو کچھ معلوم ہو سکا لکھا جاتا ہے۔۔۔ اچھی طرح غور کرنا۔

ایک سوال یہ تھا کہ درمیان معرفت و ایمان حقیقی کیا فرق ہے۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت (پہچان) اور چیز ہے اور ایمان، دیگر شے ہے۔۔۔ اس لیے کہ معرفت، "شناختن" ہے اور ایمان

"گرویدن" (مائل ہونا) ہے ــــ ایک جگہ "شناختن" کا وجود ہوتا ہے مگر "گرویدن" کا وجود نہیں ہوتا
ــــ (چنانچہ) اہل کتاب کو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معرفت حاصل تھی اور وہ
شناخت کرتے تھے کہ یہ پیغمبر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَعرِفُونَہٗ کَمَا یَعرِفُونَ اَبنَاءَھُم
(اہلِ کتاب پیغمبر آخرالزماں کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں) لیکن دشمنی و
سرکشی کی وجہ سے چونکہ گرویدگی نہ تھی اس لیے ایمان تحقق نہ ہوا ــــ اور جس طرح ایمان کی دو قسمیں ہیں؛
صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان اسی طرح معرفت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صورتِ معرفت (۲) حقیقتِ معرفت
ــــ صورت ایمان وہی ہے جس کو حضرت حق سبحانہ نے اپنی کمالِ رافت اور مہربانی سے شریعت کے
اندر نجاتِ اُخروی کے لیے کافی قرار دے دیا ہے۔ یعنی صورت ایمان "گرویدنِ قلب" ہے، نفسِ آمارہ کے انکار
و سرکشی کے موجود رہتے ہوئے ــــ اور صورتِ معرفت بھی اسی لطیفہ القلب تک محدود ہے، نفس آمارہ
کی جہالت کے ساتھ ساتھ ــــ حقیقتِ معرفت یہ ہے کہ آمارہ جہالتِ جبلی سے باہر نکل آئے اور
شناسائی کا مقام پیدا کرے ــــ اور حقیقتِ ایمان بھی نام ہے آمارہ کی گرویدگی کا درجہ شناسائی پر
پہونچنے اور اپنی طبعی آمارگی و سرکشی سے نکل کر نفسِ مطمئنہ بننے کے بعد ــــ اگر سوال کریں کہ شریعت میں
تصدیقِ قلبی کا اعتبار کیا گیا ہے ــــ یہ "گرویدن" وہی تصدیقِ قلبی ہے یا اس کے علاوہ اور کوئی شئے
ہے؟ اگر یہ علاوہ تصدیق کے کوئی اور چیز ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ ایمان میں تین چیزیں معتبر اور
ضروری ہوں۔ (۱) اقرار (۲) تصدیق (۳) گرویدن ــــ حالانکہ یہ بات علماء کی مقرر کردہ بات کے
خلاف ہے ــــ اس صورت میں عمل جس کو بعض علماء نے ایمان کے اندر اعتبار کیا ہے ایمان کا جزوِ
چہارم ہو جاتا ہے ــــ جواب یہ ہے کہ "گرویدن" بالکل تصدیق ہی ہے اس لیے کہ تصدیق جو کہ حکم ہے
اذعان و یقین کے معنیٰ میں ہے، اسی کو "گرویدن" سے تعبیر کر لیا گیا ہے ــــ اگر دریافت کریں کہ جب
اہل کتاب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بعنوانِ نبوت جانتے تھے لامحالہ وہ آپ کی نبوت کا حکم بھی کرتے
تھے اس طرح اذعان اور گرویدن کا مقام ان کو بھی حاصل تھا ــــ پس ان کے حق میں ایمان کس لیے
متحقق نہ ہوگا اور کس وجہ سے وہ دائرہ کفر سے باہر نہ آئیں گے؟ ــــ جواب یہ ہے کہ وہ بعنوانِ نبوت
تو جانتے پہچانتے تھے لیکن بوجہ تعصب و عناد اُن کے قلب کو اذعان نہیں حاصل ہوتا تھا کہ وہ آپ کی
نبوت پر حکم کریں فقط معرفت و تصور کا حصول تھا۔ اذعان حاصل نہیں ہوا تھا کہ تصدیق بن جاتا

نیز ایمان تک پہونچاتا اور کفر سے نکالتا ــــ باریک فرق ہے۔ سنو اور اپنے وجدانِ صحیح کی راہ پر گامزن ہو جاؤ ــــ

عناد و دشمنی کی موجودگی میں نبیُّ اللہ فعلَ کذا (نبی اللہ نے ایسا کیا)، تو کہا جا سکتا ہے لیکن جب تک اِذعان پیدا نہ ہو اِنَّہٗ نبیُّ اللہ (بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں) یہ نہیں کہا جا سکتا ــــ اس لیے کہ پہلی صورت میں فقط تصوّر ہے اور معرفتِ مشہورہ (جو معرفت لوگوں میں مشہور ہے) کا حوالہ ہے اور دوسری صورت میں تصدیق ہے جو کہ اِذعان وگرویدن پر مبنی ہے۔ جب تک اِذعان نہ ہو تصدیق کہاں سے رونما ہو گی؟ نیز صورتِ اولیٰ میں مقصود، اثباتِ نبوت نہیں ہے، بلکہ نبی کے فعل کا اثبات ہے اور صورتِ ثانیہ میں مقصود، اثباتِ نبوت ہے جس کو جذبۂ عناد و دشمنی برداشت نہیں کر سکتا ــــ

پس (پہلی صورت میں) اذعان کس طرح ہو سکتا ہے؟ ــــ اور اگر فرض کرو بے حصولِ اذعان، تصدیق و حکم پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بھی داخلِ تصورات اور محض صورتِ تصدیق ہے۔ جب تک اذعان نہ ہو گا اس وقت تک حقیقتِ تصدیق رونما نہ ہو گی اور ایمان حاصل نہ ہو گا ــــ یہ مسئلہ اصولِ مسائل کلام میں سے ہے اور بہت باریک مسئلہ ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے حل کرنے میں عاجز ہو گئے ہیں۔ اُن میں سے بعض نے مجبوراً رکنِ ثالث کو ایمان میں بڑھایا ہے اور "گرویدن" کو زائد بر تصدیق رکھا ہے ــــ اور ایک دوسری جماعت نے بھی جس نے تصدیق کو عینِ گرویدن کہا ہے اس مُعمّا کو اچھی طرح حل نہیں کیا ہے اور اجمال پر اکتفا کر لیا ہے ــــ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ (اللہ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم راہ یاب نہ ہوتے)

ــــ سنو سنو مرکبِ اضافی جیسے نبیُّ اللہ اور مرکبِ توصیفی جیسے ھٰذا النبیُّ یہ دونوں مرکب ہر چند اس حکم کو متضمن ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور مشتمل ہیں عنوانِ نبوت کے ساتھ معرفت پر ــــ لیکن اس امر کی تصدیق کا حاصل ہونا کہ بیشک آپ نبی ہیں یہ اِذعان پر موقوف ہے جو کہ مُثبتِ ایمان ہے ــــ غلامُ زیدٍ فعلَ کذا (زید کے غلام نے فلاں کام کیا)، اور رجلٌ صالحٌ حکمَ بکذا (نیک مرد نے فلاں حکم لگایا) یہ دونوں جملے بے اذعان کے ثابت اور صحیح ہیں اور دونوں میں عنوانِ غلامیت اور عنوانِ صلاحیت کی معرفت ثابت ہے لیکن ان میں اذعان نہیں ہے کہ ہر ایک کی غلامیت و صلاحیت کی تصدیق حاصل ہو جائے۔

مکتوب (۹۹) جناب سیادت مآب وارشاد پناہ میر محمد مومن بلخی کے نام

[اکابر ماوراء النہر[1] کے برکات کے بیان میں]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے انسانوں کا شکریہ ادا نہ کیا اُس نے اللہ کا شکر نہیں کیا) حقوقِ علماء و مشائخ ماوراء النہر ـــــ اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور کرے ـــــ ہم پسماندگان و دور افتادگان بلکہ تمام اہل اسلام ہندوستان کے اوپر اس قدر ہیں کہ احاطۂ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے ـــــ ہم نے اہلسنت وجماعت کے آرائے صحیحہ کے مطابق، درستی اعتقاد کو انھیں (ماوراء النہری) بزرگوں کی تحقیقات سے اخذ کیا ہے۔ مسلکِ علماء حنفیہ کے بموجب، صحتِ عمل کو بھی انھیں بزرگوں کی تدقیقات سے حاصل کیا ہے۔ نیز سلوکِ طریقۂ نقشبندیہ بھی اس ملکِ ہندوستان میں اسی سرزمین ماوراء النہر کی برکات سے ماخوذ ہے ـــــ اور مقام جذبہ وسلوک، فنا و بقا، سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ کی تحقیق کہ ولایتِ خاصہ اس سے وابستہ ہے ـــــ اسی مقام کے اکابر کے فیوض سے مستفاد ہے ـــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خواہ ظاہر کی اصلاح ہو یا باطن کی فلاح ہم کو اسی جگہ سے حاصل ہوتی ہے ؎

شکرِ فیضِ تو چمن چوں کند اے ابر بہار ۔۔۔ کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست[2]

اللہ تعالیٰ اس علاقے کو اور یہاں کے رہنے والوں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھے ـــــ بحرمة سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ

اس فضیلت و برتری کے باوجود ـــــ وہ احباب جو اپنی بعض ضروریات کے سلسلے میں اُس دیار سے ہندوستان آتے ہیں وہاں کے بابرکت حضرات کے الطاف کریمانہ کا تذکرہ خصوصاً آنجناب کی عنایات کا جو اس احقر کے حال پر ہیں ـــــ ذکر کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آنجناب کو مجھ سے حسن ظن ہے اور میرے بعض علوم و معارف کو آنجناب نے مطالعہ کر کے پسند فرمایا ہے۔ بزرگوں کی اس قسم کی

---

[1] چونکہ ملک توران جس میں بلخ بھی ہے دریائے جیحون کے دوسری طرف واقع ہے اس لیے ایرانی ملک توران کو ماوراء النہر کہتے ہیں۔ [2] اے ابر بہار تیرا شکریہ چمن کس طرح ادا کر سکتا ہے۔ چمن کے کانٹے ہوں یا پھول سب تیرے ہی پرورش کیے ہوئے ہیں۔

بشارت، باعثِ ازدیادِ امیدواری ہو جاتی ہے۔ اور بعض اذواق و مواجید کے لکھنے کی ہمت دلاتی ہے ــــ
ان ایام میں شیخ ابو المکارم صوفی وہاں سے آئے ہوئے انھوں نے بھی آنجناب کے الطاف اور طرح
طرح کی عنایات کا اظہار فرمایا ہے ــــ بنا بریں جناب عالی کے اخلاقِ عالیہ کو پیش نظر رکھ کر چند
کلمات کے ذریعے باعثِ دردِ سر بن کر خود کو آپ کی یاد آوری کے حوالے کر رہا ہوں ــــ اس فقیر کے
بعض مسودات کی نقل برادرم خواجہ محمد ہاشم کشمی نے ــــ جو کہ فقیر کے دوستوں میں سے ہیں ــــ
صوفی المکارم مذکور کے سپرد کر دی ہے اس لیے اس پر اکتفا کرتا ہوں اور اس عریضے میں از قسم علوم و معارف
صوفیہ کوئی بات تحریر نہیں کر رہا ــــ آپ حضرات کی عنایات و اشفاق سے امید ہے کہ خاص اوقات
میں دعائے خیر اور دعائے سلامتی خاتمہ سے فراموش نہیں فرمائیں گے ــــ رَبَّنَا آتِنَا مِن
لَّدُنكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ــــ

اس فقیر کی دعائے فقیرانہ، نجابت پناہ سید میرک شاہ، علامۃ الوریٰ مولانا حسن اور ناصر الشریعۃ
حافظ الملۃ قاضی تولک ــــ ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم ــــ کو پہنچا دیں ــــ آنجناب کے
صاحبزادوں سے بھی فقیر زادے التماس دعا کرتے ہیں ــــ

مکتوب (۱۰۱) شیخ عبداللہ کے نام

[مذاقِ فلاسفہ کے مطابق آیاتِ قرآن کی تفسیر و تاویل نہ کی جائے]

سلمکم اللہ سبحانہٗ وعافاکم عن البلیات ــــ کتاب تبصیر الرحمٰن[1] جو تم نے بھیجی تھی اس کے

---

[1] یہ کتاب علامہ علی ابن احمد شافعی مہائمی کی تصنیف ہے۔ اس کو تفسیر مہائمی بھی کہتے ہیں ــــ علامہ مہائمی اپنے زمانے
کے اکابر علماء میں سے تھے اور عارف کامل تھے۔ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ان کی اور بھی کئی تصانیف ہیں ــــ غالباً
معقولات کی آمیزش کی بنا پر حضرت مجددؒ کو اس تفسیر پر یہ تبصرہ کرنا پڑا ــــ ورنہ اپنے رنگ میں یہ تفسیر ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔
ربطِ آیات میں اس تفسیر کو بہت بلند مقام حاصل ہے ــــ مولوی جمال الدین وزیر بھوپال کی مالی اعانت سے یہ کتاب مصر میں
دو جلدوں میں چھپ گئی ہے ــــ علامہ مہائمی قوم نوائت سے تھے۔ یہ قوم حجاج بن یوسف کے زمانے میں اس کے ظلم
سے تنگ آکر عرب سے ہندوستان آگئی تھی اور کوکن کے علاقے میں ساحلِ بحر پر آباد ہو گئی تھی اسی بنا پر اس کو کوکنی کہا جاتا ہے
ــــ علامہ مہائمی کی پیدائش ۷۷۶ھ میں اور وفات ۸ جمادی الآخرہ ۸۳۵ھ کو جمعہ کے دن ہوئی ــــ آپ کی قبر
مہائم علاقہ بمبئی میں ہے (نزہۃ الخواطر جلد ۳ ۔ و تذکرہ علمائے ہند)

مکرما! ـــــ اس کتاب کے مصنف مسلکِ فلاسفہ کی جانب بہت میلان رکھتے ہیں۔ نزدیک ہے کہ وہ حکماء کو انبیاء علیہم السلام کے برابر کردیں ـــــ (اس میں) سورۂ ہود کی ایک آیت پر نظر پڑی اس کی تفسیر بطرز حکماء اور خلاف طرز انبیاء کی گئی ہے اور قول انبیاء و حکماء کو مساوی کردیا ہے (وہ آیت یہ ہے) "اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ" الخ (آیت کا ترجمہ یہ ہے) یہ (کفار) وہ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے نار کے کچھ نہیں ـــــ اس تفسیر مذکور کا مفہوم یہ ہے کہ باتفاق انبیاء و حکماء اُن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں ہے سوائے حسی یا عقلی آگ کے) ـــــ اجماع انبیاء علیہم السلام کے بعد باتفاق حکماء لکھنے کی کیا گنجائش تھی؟ پھر عذاب اُخروی کے سلسلے میں حکماء کے قول کا (کہ نار سے مراد نارِ حسی نہیں بلکہ نارِ عقلی مراد ہے) کیا اعتبار ہے؟ علی الخصوص جبکہ حکماء کا قول، مخالف قولِ انبیاء علیہم السلام ہو ـــــ فلاسفہ جو عذابِ عقلی ثابت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مقصود، عذابِ حسی کا رد کرنا ہے۔ حالانکہ اجماع انبیاء، عذاب حسی کے حق میں منعقد ہوا ہے ـــــ (اس کتاب کے) دوسرے مواقع میں بھی آیتہائے قرآنی کی تفسیر موافق مذاقِ حکماء کی گئی ہے چاہے وہ اہلِ مِلل کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس کتاب کا مطالعہ (بغیر امتیازی استعداد کے) ضررہائے خفیہ بلکہ ضررہائے جلیہ سے خالی نہیں ہے ـــــ اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے یہ چند کلمات لکھے گئے۔

مکتوب (۱۰۲) میر محمد نعمان اکبرآبادی کے نام

[ترغیب مجاہدات و تربیت طالبان حق تعالیٰ کے بیان میں]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی ـــــ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع لائق حمد ہیں ـــــ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ دَائِمًا وَّعَلٰی كُلِّ حَالٍ ـــــ عرصہ ہوگیا کہ تم نے اپنے احوالِ خیر آل کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ امید ہے کہ اپنی حالت میں (بہتر) تبدیلی کرلی ہوگی اور کاہلی سے عمل کی جانب اور فراغت سے مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوگئے ہوں گے ـــــ یہ وقت (نیکیوں کی) کاشتکاری کا ہے۔ موسم خورد و خواب نہیں ہے ـــــ آدھی رات سونے کے لیے رکھیں اور باقی آدھی رات طاعت و عبادت کے لیے مقرر

کریں اگر اس کی ہمت نہیں کر سکتے تو تہائی رات کی بیداری کو لازم قرار دیں اور کوشش کریں کہ اس دولت کے حصول کی مداومت میں سستی نہ واقع ہو ــــــ مخلوق کے ساتھ بس اس قدر اختلاط و انبساط رکھیں کہ اُن کے حقوق کی ادائیگی ہو جائے۔ ضرورت کو بقدر ضرورت تک ہی رکھا جاتا ہے ــــــ مخلوق کے ساتھ قدر حاجت سے زیادہ تعلق رکھنا فضول بات ہے اور مالایعنی (لغو) میں داخل ہے ــــــ بسا اوقات اس پر ضررہائے عظیم مرتب ہوتے ہیں اور یہ بات ممنوعاتِ شریعت و طریقت میں داخل ہو جاتی ہے ــــــ مُرشد جب کہ مریدوں کے ساتھ حد سے زیادہ انبساط و اختلاط کا معاملہ رکھے گا یقیناً مُریدوں کو عقیدت و ارادت کے دائرے سے باہر نکال دے گا اور اُن کی طلب میں فتور پیدا کرے گا۔ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ــــــ اس امر کی قباحت کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے طالبوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک رکھیں کہ ان کے اُنس و الفت کا سبب ہو نہ کہ اُن کی نفرت کا باعث ــــــ مخلوق سے یکسوئی ضروری ہے کیونکہ بغیر ضرورت مخلوق سے تعلق رکھنا سمِ قاتل ہے ــــــ تم کو اللہ کی توفیق سے یہ بات بسہولت میسر ہے۔ بیچارے غریب و نادار کیا کر سکتے ہیں وہ تو (مجبوراً) برابر اربابِ تفرقہ (رؤساء) کے ساتھ جمع ہوتے ہیں ــــــ اس نعمت کی قدر جانو اور طالبین کے حالات سے اچھی طرح خبردار رہو اور ظاہر و باطن سے ان کی تربیت کی جانب متوجہ رہو زیادہ کیا لکھوں ــــــ

والسّلام

"تجلیاتِ ربّانی" جلد دوم" ختم ہوئی، والحمدللہِ ربّ العٰلمین